

خُلُقائے اشرفین <sup>رضی اللہ عنہم</sup> کی جنگی حکمت عملی

اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ

تین سو سے زیادہ جنگوں اور مہمتا پر محیط منفرد دستاویز

حصہ چہارم

فتوحات و ملاحیات بحیرہ اوقیانوس

مصنف

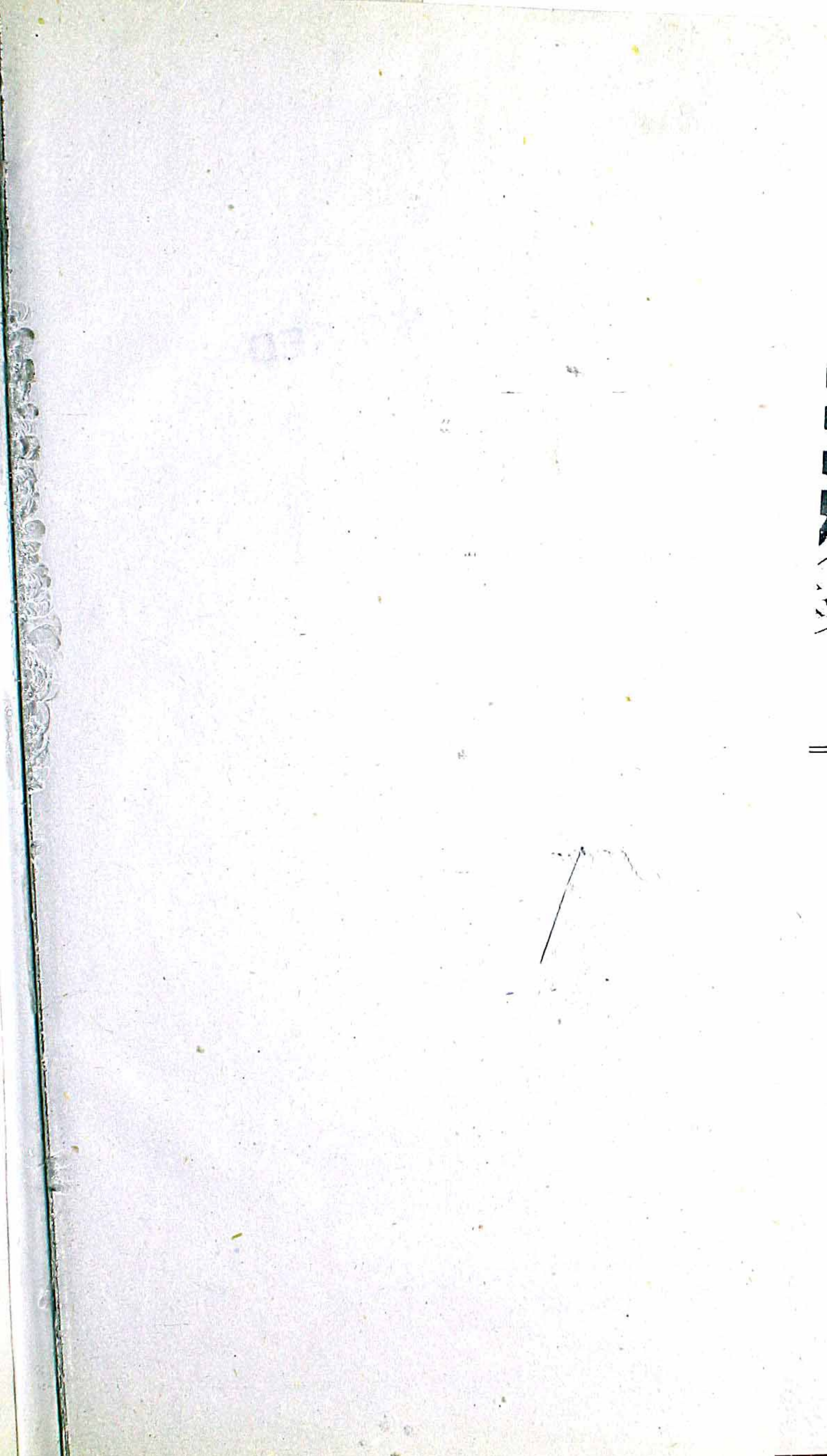
میجر (ر) امیرال خاٹ

میر و ناشر

انشاد قلیشہ

بانی تصوف فاؤنڈیشن

تصوف فاؤنڈیشن  
۱۲۱۹ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالْمُنَافِقِينَ  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو جنگ (جہاد) کی ترغیب دو - (فرمان الہی)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

سَبَّحِكُمْ بِرِاقَاتِ الْقِتَالِ وَوَكْرَهُ لَكُمْ

تم (لوگوں) پر جنگ (جہاد) کو فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ (فرمان الہی)



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَمْ يَخْرُفْنَا فِي الْفَقْرِ وَالْجَهْلِ

میرے دوہنر (ہمتیار) ہیں فقر اور جہل۔ (فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
رَبِّهِمْ وَرَبِّكَ



خُلَاقِ الشَّيْخِ الرَّضِيِّ <sup>رضي الله عنه</sup> كَيْفَ حَكَمَتْ عَمَلِي

أَوْ تَدِيرَاتِهَا عَسْكَرِي بَحْرِي

تین سو سے زیادہ جنگوں اور مہمتا پر محیط منفرد مستند کتب

حصہ چہارم

فتوح وطر السبأ تا بحیرہ اوقیانوس

مصنف

ميجر (ر) اميرال خاں  
فضل خان

میر و ناشر

انشاد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن

تصوف فاؤنڈیشن  
۱۲۱۹ھ

# شاہکار کتب جہاد

شماره (۶)

۲۹۷۹۳  
۲۶۹۹

مدیر و ناشر

ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن-۷۵۹۹۵۴۳

۱۵۸۳۳۳

صدر کا



## جملہ حقوق محفوظ

ناشر \_\_\_\_\_ تصوف فاؤنڈیشن ۲۳۹ این سمن آباد

طابع \_\_\_\_\_ زاہد بشیر پرنٹرز-لاہور

ایڈیشن \_\_\_\_\_ ۶۲۰۰۲ / ۱۴۲۲ھ (۵۰۰)

قیمت \_\_\_\_\_ مجلد ~~۱۰۰~~ روپے

تقریر کار \_\_\_\_\_ المعارف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

۲-۰۳۱-۵۰۶-۹۶۹-آئی ایس بی این



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حرف آغاز

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

گیارہ ستمبر کو امریکہ کے تجارتی (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) اور دفاعی (پینٹاگون) مراکز کی تباہی مکافاتِ عمل کا نتیجہ تھی لیکن امریکہ نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر دہشت گردی کے خاتمہ کی آڑ لے کر ایک طویل المیعاد نظریاتی و عسکری جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ وہ اسے صلیبی جنگ، تہذیبوں کا تصادم، آزادی کی جستجو یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کوئی بھی نام دے درحقیقت یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پانچ ہفتہ کی شدید ترین بمباری اور خون ریزی کے بعد افغانستان کو تباہ اور طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ امریکہ پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہے کہ یہ سلسلہ افغانستان پر نہیں رکے گا بلکہ ساٹھ ممالک پر محیط ہوگا۔ اسلامی ممالک کی تعداد ستاون ہے اس میں فلسطین، چینیا اور کشمیر شامل کر لیں تو یہ تعداد ساٹھ ہو جاتی ہے۔ گویا اس جنگ کے اہداف نامزد کئے جا چکے ہیں۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کے عرصہ کا تعین نہیں کیا ہے لیکن امریکہ کے پالیسی ساز یہود نواز حلقے جنگ کو پچاس سال پر محیط دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے پچاس سال افغانستان جیسے ملک کو فتح کرنے یا دہشت گردوں کو کفر کردار تک پہنچانے کے لئے درکار نہیں ہیں بلکہ یہ عرصہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عمل کو روکنے اور عالم اسلام میں روز افزوں جذبہ جہاد کو سرد کرنے کے لئے مطلوب ہے۔ ایٹمی پاکستان اسلام کا قلعہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عنوان ہے اس لئے براہ راست اس یلغار کی زد میں ہے۔ عالم اسلام اتحاد اور جہاد سے نیس ہو کر ہی اس یلغار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاد صرف جذباتی عمل نہیں ہے بلکہ ایک خاص ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ یہ ماحول اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک امت کا ہر فرد یا اکثریت اسلام کے عطا کردہ نظام حیات کے مطابق پوری زندگی بسر نہ کرے۔ گیارہ ستمبر کے بعد دنیا بدل گئی ہے مسلم لٹہ کو بھی بدلنا ہوگا، اسلام اور عالم اسلام کی بقا کے لئے اب جہاد ناگزیر ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ” لِي حِرْفَتَانِ الْفَقْرُ وَالْجِهَادُ “ کی تعمیل میں تصوف فاؤنڈیشن نے فقر و تصوف کے ساتھ ساتھ اب جہاد و فن حرب پر بھی کتابیں شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں ”شاہکار کتب جہاد“ سلسلہ کی حسب ذیل تین کتابوں کا سیٹ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے شائع کیا جا رہا ہے ان کتابوں کے مصنف اس موضوع پر اتھارٹی اور یہ کتابیں بلاشبہ شاہکار کتب ہیں۔

(۱) جہاد: جہاد اور فن حرب کے متعلق قرآن مجید کے رہنما و عالمگیر اصول از بریگیڈ ریگنزار احمد

(۲) رسول اللہ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ از میجر امیر افضل خاں

(۳) خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ (چار جلدیں) از میجر امیر افضل خاں

جہاد اور فن حرب پر یہ شاہکار کتب ملٹری اور جہادی ٹریننگ کے لئے بہترین نصاب ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ جہاد اور فن حرب کو تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور موجودہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلم لٹہ کو جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ پہلی کتاب ”جہاد“ تیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ ”رسول اللہ اور خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ“ پر مشتمل باقی پانچ کتابیں بھی بیس سال قبل آرمی ایجوکیشن پریس نے آرمی کے لئے شائع کی تھیں۔ اب تصوف فاؤنڈیشن ان نایاب اور لازوال کتابوں کو منظر عام پر لا رہا ہے۔ انتہائی محدود وسائل کی وجہ سے یہ کتابیں محدود تعداد میں شائع کی جا رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتابوں کی وسیع اشاعت ہو اور جہاد اور فن حرب پر مزید کتابیں شائع کی جائیں۔ اس سلسلے میں دردمند مخیر حضرات کو تعاون کی دعوت ہے۔ آخر میں ان دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ان کتابوں کی اشاعت میں مدد کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا خیر کو ان کے لئے تو شہ آ خرت بنائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ۔

ارشاد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۱۷ نومبر ۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
سلسلہ جلالِ مصطفیٰ

خلفائے راشدین<sup>رض</sup>

کی جنگی حکمت عملی

اور

تدبیرات کا تجزیہ

کتاب چہارم

”وسط ایشیا سے بحیرہ اوقیانوس تک فتوحات“



ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

آرمی ایجوکیشن پریس

اسلام کے  
غازیوں اور شہیدوں  
کے نام

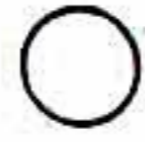


بہ آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند  
سلام ما بہ رسانید ، ہر کجا ہستند



خلفائے راشدین رضوان اللہ کی جنگی حکمت عملی اور

تدبیرات کا تجزیہ



## فہرست مضامین

۱	اختتامی وضاحت	۱
۵	۲۔ کچھ اپنے کرم فرماؤں کے بارے	۵
۱۳	۳۔ پہلا باب حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت	۱۳
۴۱	جنگِ جمل ( ایک حادثہ )	۴۱
۷۱	جنگِ صفین	۷۱
۱۱۱	۶۔ چوتھا باب جنگِ نہروان اور امیر معاویہؓ کا مصر پر قبضہ	۱۱۱
۱۲۷	۷۔ پانچواں باب حضرت علیؓ کی شہادت اور امام حسنؓ کی خلافت	۱۲۷
۱۴۵	۸۔ چھٹا باب خلفائے راشدینؓ کی حکمتِ عملی کے عطیات و ثمرات	۱۴۵
۱۶۵	۹۔ ساتواں باب مومن کا مقصدِ حیات - عملی پہلو	۱۶۵
۱۹۵	۱۰۔ آٹھواں باب اسلام کا نظامِ حکومت - حاکمِ وقت اور لوگوں کی ذمہ داریاں	۱۹۵
۲۱۹	۱۱۔ نواں باب اسلامی فلسفہ حیات	۲۱۹
۲۴۵	۱۲۔ دسواں باب اسلام کا فلسفہ دفاع	۲۴۵
۲۹۹	۱۳۔ گیارہواں باب تیسری اور چوتھی کتابوں کے مشہور واقعات کا خلاصہ	۲۹۹
۳۰۳	۱۳۔ اشاریہ	۳۰۳



○ خلفائے راشدین رضوان اللہ کی جنگی حکمت عملی اور

مدبیرات کا تجزیہ



## نقشہ جات

- |   |     |  |               |
|---|-----|--|---------------|
| ۱ | ۵۶  | جنگِ جمل   | ۱. نقشہ اول   |
| ۲ | ۹۰  | جنگِ صفین - کوچ اور میدانِ جنگ   | ۲. نقشہ دوم   |
| ۳ | ۱۲۲ | جنگِ صفین سے حضرت علیؓ کی شہادت تک ملک میں اقرارِ تقری اور خانہ جنگی                                 | ۳. نقشہ سوم   |
| ۴ | ۱۵۲ | امیر معاویہؓ کے زمانے میں قسطنطنیہ پر لگاتار حملے  | ۴. نقشہ چہارم |
| ۵ | ۱۵۸ | ۴۱ ہجری سے ۶۳ ہجری تک مسلمانوں کی یورپ اور افریقہ میں کارروائیاں                                     | ۵. نقشہ پنجم  |
| ۶ | ۱۶۲ | امیر معاویہؓ کے زمانے میں مشرقی محاذ پر کارروائیاں - بخارا، سمرقند، کابل، بنوں اور مکران تک کی مہمات | ۶. نقشہ ششم   |
| ۷ | ۱۸۲ | امام حسینؓ کا کر بلا کی طرف کوچ  | ۷. نقشہ ہفتم  |



## تعارف

خلفائے راشدین کی جنگی حکمتِ عملی و تدبیرات کے تجزیہ پر مبنی سلسلہ کتب کی چوتھی اور آخری کتاب پیش نظر ہے۔ الحمد للہ کہ جس مشکل کام کا بیڑا آج سے دو سال پہلے اٹھایا گیا تھا، وہ آج بطریقِ احسن پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ مصنف اور آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ نے اس بیش قیمت تحقیقی سلسلہ کتب کی تصنیف، ترتیب اور طباعت میں جو کاوش کی ہے وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ان کتب میں جن خیالات و نظریات کا اظہار کیا گیا ہے وہ مصنف کے اپنے ذاتی ہیں اور انہیں بغیر کسی رد و بدل کے شائع کر دیا گیا ہے۔ ان نظریات سے اختلاف رائے بھی ممکن ہے اور اگر یہ سلسلہ کتب ہمارے فوجی مبصرین کو سوچ کی نئی راہیں سمجھاسکے تو میں سمجھوں گا کہ ان کتب کا ایک بڑا مقصد پورا ہو گیا۔

اسلام کی تاریخ ایک ایسی قوم کی تاریخ ہے جس نے دنیا کو جہالت کے ظلمت کدہ سے نکال کر ایک روشن اور تابندہ مستقبل کی راہ دکھائی۔ مسلمانوں کو اپنے مشن کی تکمیل میں ظالموں اور جاہلوں کے خلاف فیصلہ کن جنگیں بھی لڑنا پڑیں۔ لیکن جس طرح مسلمانوں نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں اعتدال کی راہ دکھائی، اسی طرح میدانِ جنگ میں بھی اعتدال اور عدل و انصاف کا ایک قابلِ تقلید معیار قائم کیا۔ اسلام کی عسکری تاریخ کا یہ گہرا مطالعہ اور مختلف جنگوں اور مہمات کا تفصیلی جائزہ افواجِ پاکستان کی اخلاقی و عسکری تربیت کے لئے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔

آخر میں، میں مصنف اور ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن کو اس سلسلہ کتب کی  
تکمیل پر مبارکباد دیتا ہوں۔ میرے لئے بھی یہ امر باعث سعادت ہے کہ مجھے  
ان کتب کا تعارف لکھنے کا موقع ملا۔

میجر جنرل نصیر احمد خان، ستارہ جرات

انسپیکٹر جنرل ٹریننگ اینڈ ایویلیوشن

جی ایچ کیو





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

## اختتامی وضاحت

### حرفِ تشکر

سب تعریفیں دو جہانوں کو پیدا کرنے والے اللہ کے لئے ہیں اور لاکھوں درود و سلام اس کے حبیب پاک کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضور پاک کے عظیم رفقا کی زندگی کے جلالی پہلوؤں کی یہ آخری کتاب بھی مکمل ہو گئی۔ خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی کے سلسلہ کی یہ چوتھی اور آخری کتاب ہے حضور پاک نے فرمایا تھا کہ خلفائے راشدین کا زمانہ تقریباً تیس سال ہو گا اور ۴۱ ہجری کے شروع میں امام حسنؓ کی خلافت سے دسبرداری کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ کے زمانے میں وسط ایشیا اور شمالی افریقہ میں مزید فتوحات ہوئیں اور اسلامی لشکر بحیرہ اوقیانوس تک پہنچ گئے۔ انہی دنوں میں اسلامی لشکر پہلی دفعہ قسطنطنیہ (استنبول) دیواروں تک پہنچ گئے۔ جہاں سات سو سال کسی نہ کسی شکل میں لڑائی جاری رہی۔ یعنی مسلمان اور رومی حالت جنگ میں رہے اور آخر ۱۴۵۳ عیسوی میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کیا۔

### حکمت عملی کے ثمرات اور عطیات

علاوہ ہم اپنے جائزہ سے یہ ثابت کرینگے کہ اگر حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ و فساد شروع نہ ہو جاتا اور جناب علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان خانہ جنگی نہ ہوتی تو یہ علاقے بہت پہلے فتح ہو جاتے۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں ان فتوحات کے لئے کوئی خاص حکمت عملی وضع نہ کی گئی۔ پس اسلام میں مرکزیت اور وحدت واپس آگئی تھی اور یہ فتوحات اس حکمت عملی کے ثمرات اور عطیات تھے جو

حضور پاکؐ نے بنائی اور اپنے عظیم رفیقار کو اس پر عمل پیرا ہونے کی عملی تربیت دی۔ خلفائے راشدینؓ نے اسی حکمت عملی کو آگے بڑھایا اور اس وقت کی دو عظیم ترین سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ایک کا نام ہی مٹ گیا اور دوسری سُکڑ تو رہی تھی۔ اگر آپس میں خانہ جنگی نہ شروع ہو جاتی تو دوسری بھی یعنی سلطنت روم بھی اسی زمانے میں ختم ہو گئی ہوتی

بہر حال جیسے ہی مسلمانوں میں خانہ جنگی ختم ہوئی اور امام حسنؓ خلافت سے دستبردار ہو گئے، تو مسلمان پھر ایک جماعت بن گئے اور ۴۱ ہجری کو اسلام کی تاریخ میں سنۃ الجماعت کہتے ہیں۔ چنانچہ چند سال بعد یعنی ۴۷ یا ۴۹ ہجری میں مسلمانوں نے سلطنت روم کے دارالخلافے کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کر دیئے اور امیر معاویہؓ کے زمانے میں سات سال لگاتار مسلمان درہ دانیال اور آبنائے باسفورس کی فضاؤں میں فخر و تکبر کی صدا بلند کرتے رہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ جنگ ایک طرح سے سات سو سال جاری رہی اور مکمل طور پر اب بھی ختم نہیں ہوئی۔ بہر حال ۱۴۵۳ عیسوی میں سلطان محمد فاتحؒ نے قسطنطنیہ فتح کر لیا تو سلطنت روم تو ختم ہو گئی لیکن اسی زمانے میں یورپ کے مغربی کنارے یعنی سپین سے ہمارا انخلا شروع ہو چکا تھا اور یہ انخلا کچھ اس قسم کا تھا کہ ہم سپین میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔

## تاریخ کا با مقصد مطالعہ

تاریخ کے اس با مقصد مطالعہ میں ایک چیز جو کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ نے جو فتوحات حاصل کیں وہاں اسلام کسی نہ کسی طرح آج بھی قائم ہے۔ لیکن بعد کی فتوحات اتنی موثر ثابت نہ ہوئیں۔ سپین میں سات سو سال تک حکومت کی۔ وی آنا کا دو دفعہ محاصرہ کیا۔ بلقان کے اکثر ممالک یعنی یونان، یوگوسلاویہ بلکہ ہنگری تک بھی مسلمانوں کے قبضے میں رہے۔ علاوہ رومانیہ، بلغاریہ، کرمییا اور روس کے سارے تاتاری علاقے، سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہے۔ وسط ایشیا میں بخارا، سمرقند، بلخ، یارقند (موجودہ چین ترکستان کا ایک شہر) تک کے علاقے ہماری تہذیب کے مراکز رہے۔ امیر تیمورؒ تو ماسکو تک پہنچ گیا تھا اور چین کے علاقوں میں بھی مسلمان دور دور تک چلے گئے تھے۔ برصغیر ہندو پاکستان میں دکن تک اسلام کے جھنڈے لہراتے

رہے۔ لیکن ان سب علاقوں میں مسلمان اس طرح مکمل طور پر حاوی نہ ہو سکے جس طرح وہ ان ممالک میں حاوی ہو گئے جو خلفائے راشدین کے زمانے میں فتح ہوئے یا ان کی حکمت عملی کے ثمرات کے طور پر ہماری جھولی میں گر گئے۔

بنگال اور جنوبی ایشیا کے کچھ ممالک میں البتہ اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ بے شک بنگال بھی صحابہ کرام کے زمانے کے بعد فتح ہوا اور جنوبی ایشیا یعنی انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ میں اسلام صرف تبلیغ سے پھیلا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں کہ چند ممالک میں اسلام بغیر فتوحات کے پھیل گیا۔ اور ایک آدھ جگہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد فتح ہوئی وہاں بھی اسلام قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کچھ اور اسباب و ذرائع پیدا کر دیئے اور چونکہ ان علاقوں کے لوگ محدود قسم کی زندگی گزارتے ہوئے کنوئیں کے سینڈک بن چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کر دی کہ ان کو اسلام کی وسعت کا حصہ بنا دیا۔ "محدودیت" کی وجہ سے ان لوگوں کے پاس کوئی ملا جلا نظریہ یا فلسفہ موجود نہ تھا جو اسلام کے ساتھ ٹکر لیتا۔ ساتھ ہی کچھ روایتوں کے مطابق کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان علاقوں کی طرف بحری سفری ضرور کئے۔

## اسلام کی نشاۃ ثانیہ

موجودہ پاکستان کا مسئلہ البتہ کچھ الگ ہے۔ اول تو اس کی حدود تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم مبارک خمیر، میران شاہ، بنوں اور مکران کے علاقوں تک پہنچے جس کو تیسری کتاب میں کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ گو چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی موجودہ پاکستان میں کافی آبادی غیر مسلموں کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ مہربانی اب کی ہے کہ یہ علاقہ مکمل طور پر مسلمانوں کا ملک بن گیا ہے۔ اس سب میں راز کیا ہے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو کسی دنیاوی پیمانے سے ناپنا مشکل ہے۔ بہر حال ہم کسی بہتری کی توقع کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو پاکستان اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز منظور ہو۔ اس ضمن میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا اشارہ ملاحظہ ہو:

سے کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد  
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

## ایک جائزہ

اس سلسلہ میں ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ جس جگہ بھی مسلمان اپنے فلسفہ حیات پر صحیح طور پر عمل پیرا ہوتے ہوئے داخل ہوئے اور وہاں اسلام کا عملی مظاہرہ کیا، وہاں اسلام قائم دائم رہ گیا۔ چونکہ حضور پاک ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صحیح اور عملی مظاہرہ کرتے رہے، تو جہاں تک وہ پہنچے وہاں اسلام کی جڑیں زیادہ مضبوط ہو گئیں اور جو علاقے بعد میں فتح ہوئے وہاں پر یہ عملی پہلو کم تر تھا تو اکثر جگہوں پر اسلام کی جڑیں مضبوط نہ ہو سکیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لشکر اسلام میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان کے فرزند موجود تھے تو ان کے کردار کے عملی اور روحانی اثرات بھی ہوتے۔ مثال کے طور پر قسطنطنیہ (استنبول) ۶۴۶ء میں فتح ہوا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم چونکہ وہاں پر ۴۷ ہجری میں پڑنے شروع ہو گئے تو وہاں آج بھی اللہ اور رسول ﷺ کا نام بلند ہو رہا ہے پھر میزبان رسول جناب ابوالبواب انصاری رضی اللہ عنہ کا جسدِ خاکی بھی وہیں رہ گیا، تو اس کی برکت کے طفیل بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، یہ ایک سبق ہم نے اکثر دہرایا ہے کہ حضور پاک ﷺ کی پیروی، حضور پاک ﷺ کا ذکر اور حضور پاک ﷺ کی نگاہ کی طلب گاری کی اس زمانے میں بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ حضور پاک ﷺ کے اپنے زمانے میں تھی اور ان کتابوں کے لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قوم کو احساس دلایا جائے کہ حضور پاک ﷺ کے جلال و جمال کے چشمے اب بھی جاری ہیں اور اگر ہم اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہر کام میں یہ عرض کر کے شروع کریں کہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ہم پر رحمت فرما، تو نتائج وہی ہو سکتے ہیں جو حضور پاک ﷺ اور حضور پاک ﷺ کے رفقاء کے زمانے میں ظہور پذیر ہوئے۔

## نظام حکومت

دوسرا پہلو جس کی ہم وضاحت کرنا چاہتے ہیں وہ نظام حکومت ہے۔ اسلام وحدانیت اور مرکزیت پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کا نظام حکومت اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہوتا ہے۔ اس کے سائے ڈھانچے کی بنیاد اسلامی اقدار اور قرآن پاک کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر رکھی جاتی ہے۔ اسلامی نظام حکومت کا الگ ایک مزاج ہے۔ دنیا کے باقی نظام حکومت یا فلسفوں کا

اسلام کے کسی نظریہ کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کا فلسفہ دفاع یا فلسفہ جنگ بھی الگ ہے۔ اس کتاب میں ان سب معاملات کو بیان کرنا ممکن نہیں جو نظام حکومت کے تحت آتے ہیں یا جن سے نظام حکومت کے چشمنے پھوٹتے ہیں۔ تاہم کتاب کے آخر میں ہم اسلام کے نظام حکومت کا ڈھانچہ اسلامی فلسفہ حیات کی بنیادی باتیں اور اسلامی فلسفہ دفاع کا ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کر رہے ہیں۔ گویا یہ جلال مصطفیٰ اور ان چار کتابوں کے عملی پہلوؤں کے بامقصد مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ یہ سب مضامین اتنے وسیع ہیں کہ ان میں سے ہر مضمون پر ایک کتاب درکار ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو ان مقاصد کے چند بنیادی اصولوں کی نشاندہی تک محدود رکھیں گے۔

امیر معاویہؓ کا بیس سالہ دور حکومت بھی ایک کتاب کا مضمون ہے لیکن ہم اس زمانے کو خلافت راشدہ کا حصہ نہیں سمجھتے۔ اس لئے صرف فتوحات کے اجمالی خاکہ کو ثمرات کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ سانحہ کربلا بھی کسی کتابوں کا مضمون ہے لیکن ہم اس سانحہ کا مختصر ذکر ایک مقصد کے تحت کر رہے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جس اسلامی فلسفہ حیات کی ان کتابوں میں بار بار نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ اس کہانی کے بغیر نامکمل ہی رہ جاتا چنانچہ ہم نے امام عالی مقامؓ کی عملی قربانی کے مقصد اور اس دنیا کے بائے ان کے کنبے کے رویے کا جائزہ لیا ہے۔ اس لئے یہ ابواب خلفائے راشدین کے زمانے سے ہٹ کر ہے۔ لیکن یہ اس زمانے کے واقعات کا کس حد تک عملی اختتام ہیں۔

## سانحہ کربلا

ایک چیز کی وضاحت یہاں بہت ضروری ہے اور آگے چل کر ہم نے اپنی کتاب میں اس سلسلہ میں سرسری جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ ہمارے لحاظ سے مسلمانوں کی تمام فتوحات، تمام جنگیں اور تمام شہادتیں حضور پاکؐ کے جلال کا مظہر ہیں۔ اسی وجہ سے ان کتابوں کو بھی جلال مصطفیٰؐ کے سلسلہ جاتا کا نام دیا گیا ہے۔ ہماری چاروں کتابیں، غازیوں اور شہیدوں کی کاروائیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ہم نے یہ نکتہ اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ تمام لڑائیاں، فتوحات کی بجائے اللہ اور رسولؐ کے احکام کو جاری و ساری کرنے اور حق کو لانے یا حق کے نام پر قربان ہونے کے لئے لڑی گئی تھیں۔

تھی لیکن سانحہ کربلا ان سب سے الگ نوعیت کا ہے۔ یہاں کوئی خواہش یا امید کا فرمانہ تھی۔ یہاں پر مقصد حق کے لئے لڑ کر قربان ہو جانا تھا اور یہ ذبح عظیم تھا۔ چنانچہ قرآن پاک میں سورہ اقصیٰ میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغام ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ایک ذبح عظیم کے بدلے بچا لیا تو اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ سانحہ کربلا ہی ذبح عظیم تھا اور یہ سب کچھ عشق کا ایک ارتقائی مظہر تھا۔

صدقِ خلیلؑ بھی عشقِ صبرِ حسینؑ بھی عشق

معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق (اقبال)

## اضافی ابواب

بہر حال اس ساری کہانی کو مکمل کرنے کے لئے ان دو ابواب کے علاوہ جن تین اور ابواب کا اضافہ کیا جا رہا ہے ان میں پہلا باب اسلامی نظام حکومت کے ایک خاکہ پر مشتمل ہوگا، جہاں غیروں کے نظامہائے حکومت سے موازنہ کرتے ہوئے اور غیر اسلامی اقدار کی نشاندہی کے ساتھ چند بنیادی باتیں لکھی گئی ہیں۔ چونکہ نظام حکومت اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہونا چاہیے تو اس سے اگلے باب میں اسلامی فلسفہ حیات کی چند جھلکیاں ہیں اور حکومت کے بنیادی ڈھانچہ کی وضاحت ہے جس میں زیادہ زور اسلام کے سیاسی فلسفہ پر دیا گیا ہے۔ تیسرا اور آخری باب اسلام کے فلسفہ دفاع اور جنگ کے طریق کار کی نشاندہی کرتا ہے جس میں اسلام کے اصولوں کے تحت جنگ کے لئے تنظیم، حکمت عملی اور تدبیرات کا سرسری بیان ہے۔

## پرانی تواریخ

اس کتاب کے لئے بھی بنیاد تو طبری اور ابن خلدون کی تاریخوں کو بنایا گیا ہے اور طبقات ابن سعد سے جتنی ثانوی مدد لی گئی ہے لیکن اس کتاب کے مضامین اور واقعات ہماری کتابوں، اخباروں اور رسالوں میں بہت دفعہ زیر بحث آچکے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں بھی ان پر بہت تبصرے ہو چکے ہیں لیکن ان واقعات کا جائزہ اور تحقیق آپ لوگوں کو یہاں پر بالکل مختلف نظر آئے گی۔ اکثر لوگ یہاں آکر خاموش ہو جاتے ہیں اور کئی لوگ ان واقعات کے سلسلہ میں شکوک لئے پھرتے ہیں۔ بے شک مجھے بھی اس زمانے میں

کچھ غلط مثالیں ضرور نظر آئیں۔ لیکن کچھ ایسی ارفع مثالیں بھی نظر آئیں کہ انہوں نے میری زندگی کا رخ ہی تبدیل کر دیا اور میں صرف مسلمان رہ گیا۔ تمام تفرقے میرے سامنے محض حادثات بن گئے۔ بے شک مشیت ایزدی کی کئی باتوں میں کچھ راز تھے، اسباق تھے، انسانی کمزوریوں کے مظہر تھے اور بہت کچھ تھا لیکن عظیم صحابہؓ کی شان پر کوئی حرف نہیں آتا اور ان کے کردار میں ہمارے لئے بڑے اسباق ہیں کہ ناموافق حالات میں بھی وہ کس طرح حق پر قائم رہے۔

چنانچہ فضول قسم کی اختلافی اور تفرقہ والی باتوں کے سلسلہ میں جائزے پیش کر کے انکو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلام کے فلسفہ حیات پر جو پردے ڈال دیئے گئے ہیں ان کو ہٹانے کی سعی کی گئی اور غلط روایات کو قرآن پاک و حدیث کی روشنی میں پرکھنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ علاوہ ہم نے نادانی میں غیروں کی جو نقالی شروع کر دی ہے یا غیر اسلامی باتوں کو اسلامی بنایا ہے۔ ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ بڑا مقصد قوم میں وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرنا ہے اور یہی مقصد مکمل طور پر ذہن میں رہا۔ گو جنگوں کے مطالعے تفصیل سے نہیں کئے گئے ہیں لیکن بنیادی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اگر کسی کو جنگی پہلو زیادہ نمایاں نظر آئیں تو یہ بھی یاد رہے کہ ہم نے قرآن پاک اور سنت سے یہ ثابت کیا ہے کہ پوری ملت اللہ کی فوج ہے اس لئے زیادہ زور ان باتوں پر دیا ہے جن کی مدد سے پوری قوم کو اللہ کی فوج بنایا جاسکے۔

فقہ یعنی اسلام کا اخلاقی اور معاشرتی فلسفہ یا مادی ضرورتوں کے فلسفے اور قوانین کو اسلام میں ثانوی حیثیت حاصل ہے کہ ان کی مدد سے پوری قوم کو اللہ کی فوج بنایا جاتا ہے۔ اس لئے قوم میں اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ہم نے "فقہ عسکریت" کی اصطلاح کو اس کتاب میں واضح کیا ہے کہ اسلام یا کسی قوم کے لئے اولین حیثیت سیاسی فلسفہ کی ہوتی ہے۔ ہمارا سیاسی فلسفہ ہمارے فلسفہ حیات کے تابع ہوتا ہے اس لئے اس کو نظام مصطفیٰ یا نظام جہاد کا نام بھی دے سکتے ہیں اور آگے اس کتاب میں بھرپور تبصرہ کیا گیا ہے کہ فلسفہ دفاع یا جہاد بالسیف اس سیاسی فلسفہ یا نظام جہاد کے تابع ہے۔

بہر حال اس گنہگار کی کوشش قارئین کے سامنے ہے اور اس چیز کا بڑا خیال رکھا گیا ہے کہ بیانات میں تضاد نہ ہو اور ساتھ ہی یہ خیال تھا کہ واقعات کے جائزوں یا تبصروں میں کسی فرد،

کسی مکتب فکر یا کسی وقائع نگار یا مورخ کی دل آزاری نہ ہو لیکن یہ بڑا مشکل کام تھا جہاں وحدت اور مرکزیت کی بات تھی وہاں ہم نے اختلاف کرنے والوں یا تفرقہ ڈالنے والوں کی کھل کر مخالفت کی۔ لیکن ساتھ ہی لکھ دیا کہ شاید یہ کسی کی نادانی تھی یا کسی اور نے کوئی اضافی بات کسی کے ذمہ لگا دی۔ اس سلسلہ میں بھی اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ان سے معذرت خواہ ہوں۔ میں اپنی کتابوں کو تحقیق کا نام نہیں دے سکتا۔ البتہ تاریخ کی تحقیق کے سلسلہ میں بسم اللہ ضرور کہوں گا۔ آخر میں میں پھر امت واحدہ کے اتحاد کی دعا کرتا ہوں۔

امیر افضل خان



## کچھ اپنے اور کرم فرماؤں کے بارے میں

کتبوں کے اس سلسلے میں میں اپنے ماں باپ، فقیر بہن، رشتہ داروں، استاداؤں اور دیگر کرم فرماؤں کا سرسری ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ میری ماں اور فقیر بہن نے جو مجھ سے عمر میں تیرہ سال بڑی تھیں مجھے پنکڑے میں اسلام کی لوری دی میں اپنے عظیم والد بزرگوار کو نہ دیکھ سکا، کہ میں چالیس دن کا تھا کہ وہ وفات پا گئے۔ اپنی ماں، بہن بارشتہ داروں اور اپنے والد کے رفقا سے یہی سنا کہ وہ اسلام کے عظیم فرزند تھے۔

وہ برٹش انڈین آرمی میں شامل ضرور ہوئے اور موجودہ سات پنجاب رجمنٹ میں نائب صوبیدار تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے شروع ہی میں عراق کے علاقہ میں قط العمارہ کے مقام پر جنرل ٹاؤنسنڈ کی فوج کے ساتھ ترکوں کی قید میں چلے گئے۔ وہاں آپ کو پہلے ترک فوج کے کرنل نور الدین اور پھر جنرل خلیل پاشا سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہی صراط مستقیم نظر آنے لگی کہ ان کی جگہ تو ترک فوج میں تھی۔ رہی سہی کسر موصل کے مقام پر نکل گئی جہاں غازی انور پاشا کی زیارت نصیب ہوئی۔ بردسہ کے مقام پر برائے نام جنگی قیدی ہے اور گو سلطنت عثمانیہ زوال پذیر تھی، لیکن پھر بھی اسلامی حکومت کی عظمت دیکھ کر اپنی حالت پر اور نادام ہوئے۔ ساتھ ہی خلیفۃ المومنین غازی سلطان محمد ارشاد خان خامس کی طرف یکم اگست ۱۹۱۶ء کو ایک قرآن پاک عطا ہوا جو اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

بہر حال قید سے واپس آکر والد بزرگوار نے انگریزی فوج چھوڑ دی گو ان کے افسروں نے ان کو فوج میں رکھنے اور ترقی دینے کی امید دلائی کہ ان سے جو نیر بھی کہاں پہنچ چکے تھے لیکن والد بزرگوار اپنی بقایا زندگی توبہ میں گزارنا چاہتے تھے اور زندگی کے آخری سالوں میں اُمتِ واحدہ کی باتیں ان کا اور ڈھنا بچھونا تھیں۔ انہوں نے میری بڑی بہن کو اسلامی تعلیم دی جو سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ میرے لئے والد صاحب کی تین نشانیاں میرے حصہ میں آئیں۔ ایک یہ قرآن پاک جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری ان کی تلوار اور تیسری ان کی ہاتھ لے کر چلنے والی کھونٹی۔ اور ان تین چیزوں میں میرے لئے سبت ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ کا علم اور احکام ہیں۔ کھونٹی پکڑ کر صراطِ مستقیم پر چلنا حضور پاک کی سنت ہے اور تلوار ہماری غیرت کی نشانی ہے کہ عسکریت کے بغیر اسلام بے جان فلسفہ ہے۔

میری پرورش میری بزرگ ماں اور بزرگ بہن نے کی۔ والدہ ماجدہ نے ۱۹۷۶ء تک میری رہنمائی کی اور بزرگ بہن نے مجھے اسلامی تعلیم دی اور جب میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا تو وہ اپنی شادی کے دن بغیر کسی بیماری کے اللہ کو پیاری ہو گئیں اور مجھے وہ اس چیز سے آگاہ کر چکی تھیں گو ان کے سلسلہ میں میں کسی غیر مرنی چیزیں دیکھ چکا تھا لیکن ان کی موت کا یقین نہ آ رہا تھا لیکن وہ کہہ چکی تھیں کہ انہوں نے میری اسلامی تعلیم کی بنیاد باندھ دی آگے تعلیم عملی طور پر ہوگی۔

بے شک میں نے اسلامی تعلیم کسی ادارہ میں حاصل نہیں کی البتہ حوصلہ افزائی کرنے والے لاتعداد تھے۔ میرے ساتھی طالب علموں میں میاں نذیر عالم مرحوم کا ذکر ضروری ہے جن کے ساتھ بعد میں ہم نے مل کر تحریک پاکستان میں کام کیا اور وہ خود ۱۹۴۷ء میں چند دن فرگود ہاضع کی مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ میرے استادوں میں مولوی میاں محمد مرحوم اور قاضی منظور الحق مرحوم کا ذکر ضروری ہے کہ وہ ہمارے اردو اور عربی کے استاد تھے۔ انہوں نے مجھے اسلام کا مایہ ناز فرزند کہنا شروع کر دیا کہ مجھے خود اس قدر حوصلہ افزائی سے مشرم آتی تھی بلکہ قاضی منظور الحق فرمایا کرتے تھے "کہ یہ غلطی بھی کرے تو اس پر غصہ نہیں آتا" اس کے علاوہ میرے والد کے دوست میاں محمد اولیا زگر مرحوم اور ان کے تمام گھروالوں یعنی ان کی زوجہ محترمہ اور ان کے بڑے بیٹے محمد لطیف جو میرے ہم جماعت تھے، کا ذکر ضروری ہے کہ ان کے گھر میں راقم نے دو سال گزارے وہاں بھی اسلام ہی اسلام تھا اور اس نے میری آئندہ زندگی پر بہت اثر کیا۔

دادا، دادی کو میں نے نہ دیکھا، اپنی نانی نانی کو میں نے دیکھا ضرور لیکن وہ بھی میرے بچپن میں ہی فوت ہو گئے لیکن ان سب کے لئے ہر جگہ سے اچھے الفاظ سننے کہ وہ کردار والے لوگ تھے۔ ویسے میرے رشتہ داروں، بزرگوں اور رفیقوں کا ایک انبوہ ہے جن کے سینوں سے میں نے اسلام کے نکتے سیکھے لیکن ان سب کا نام لکھنے سے یہ وضاحت طول پکڑ جائے گی کہ اپنے چچاؤں، بڑے بھائی اور والد صاحب کے رفیقوں میں سے کس کا ذکر کروں اور کس کا نہ کروں البتہ اپنے بزرگ چچا فتح نور خان مرحوم کا ذکر ضروری ہے جو ۱۸۸۰ء میں برما چلے گئے تھے اور وہیں آباد ہو گئے۔ آج بھی ان کی اولاد وہاں آباد ہے۔ ۱۹۳۶ء میں گاؤں آئے اور پورا ایک سال میری ذہنی پرورش کر کے برما واپس گئے۔ وہ عالم دین تھے اور مولانا ظفر علی خان مرحوم اور مولانا نصر اللہ خان عزیز کے ساتھ

بڑی دوستی تھی۔ بہر حال انہوں نے بھی امت واحدہ کا سبق دہرایا۔

اس سب کے باوجود راقم خود ۱۹۳۸ء میں انگریزی فوج میں شامل ہو گیا بلکہ یہی نہیں ان کے سوسائے بھی منائے جنہوں نے دہلی میں بہادر شاہ کی حکومت کو روند ڈالا۔ اس سب کیلئے ندامت کے طور پر ایک اخبار میں اظہار کر چکا ہوں کہ میں "جدید اسلام" کے چکر میں رہا۔ بہر حال یہ لمبی کہانی ہے۔ یہاں فوج کے دو صاحبان کا ذکر ضروری ہے جو ان کتابوں کے سلسلہ میں، ہر لفظ میں بیسے ساتھ رہے۔ اول میجر جنرل احسان الحق ڈار ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں ان کتابوں کے لکھنے کے باسے میں سوچ بھی نہ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سارا کام انہی نے کر دیا اور جنرل مصطفیٰؒ میں ان کا نام لئے بغیر اس سلسلہ میں اشارہ بھی کیا جا چکا ہے۔ اب وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور ان کی خدمات پر ایک الگ کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔

دوسرے کرنل شیر محمد تارہ جرات ہیں جو ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں ٹٹھوال محاذ سے آگے جنرل خالد کے نام سے جہاد کرتے رہے۔ شبانہ ۱۹۴۸ء میں کرنل بنے اور اسی عہدہ سے ۱۹۶۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ اسلامی موضوعات پر ان کے ساتھ جتنا تبادرہ خیالات ہوا وہ ایک ہزار کتابوں کی مطالعہ کی نسبت زیادہ فائدہ مند رہا۔ گو ان کتابوں کے لکھنے میں وہ عملی طور پر اپنی بیماری کی وجہ سے کوئی مدد نہ کر سکے لیکن میرے اکثر جائزوں میں ان کے خیالات میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اس کتاب کے آخری تین ابواب میں میں نے نہ صرف ان کے کتابچوں یا خیالات سے استفادہ کیا ہے بلکہ بعض جگہ الفاظ بھی انہی کے استعمال کئے ہیں۔

میں صرف اس پر اکتفا کروں گا کہ قارئین مل کر میرے ان تمام کرم فرماؤں کے لئے دعا کریں کہ جو فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے جو زندہ ہیں ان کو اس دنیا میں آسودگی حاصل ہو اور ان کا خاتمہ نیک ہو اور یہ سب جناب ابو ذر غفاریؓ کی خواہش کے مطابق روز قیامت حضور پاکؐ کے گردہ میں شامل ہوں۔ خاص کر میری اولاد کی اولاد کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی صراطِ مستقیم پر رکھے۔ میں اپنی بیوی، بچوں اور بہوؤں کا شکر گزار ہوں کہ ان سب نے گھر میں ایسا ماحول قائم رکھا کہ اس نے ان کتابوں کے لکھنے کے سلسلہ میں میری حوصلہ افزائی کی اور خاص کر میرے تین پوتے فیصل، قاسم اور سلمان جو معصوم ہیں لیکن ان کتابوں پر کام کرنے والی جگہ پر بیٹھ کر وہ راحت اور اطمینان محسوس کرتے ہیں۔

مصنف کتاب



## پہلا باب

# حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت

## حضرت عثمانؓ کی شہادت

اسلام کی تاریخ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت بلاشبہ ایک سانحہ عظیم ہے۔ اسلام کا مرکز پاش پاش ہو گیا۔ ایسے حالات میں مرکز کو سہارا دینا یا ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑنا کوئی آسان کام تھا۔ خانہ جنگی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ ہر شہر میں ایسے واقعات ہو سکتے ہیں کہ لوگ اپنے امرا کو شہید کر دیتے یا امارت کیلئے ہرجگہ آپس میں ٹکر لینا شروع کر دیتے۔ ہر صوبے کا عامل اس صورت سے دوچار ہوتا کہ ماتحتوں کو کیسے قابو میں رکھے اور مرکز سے کیا ہدایات لے یا کیسے تعلقات قائم رکھے۔ اسلام میں جانشینی کا مسئلہ ایسے توڑ تھا کہ بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا وارث تخت پر بیٹھ جاتا۔ اب اسلام کے مرکز میں ایک خلا پیدا ہو چکا تھا۔

حضور پاکؐ کی وفات کے وقت چند لمحوں کے لئے ایک خلا پیدا ہوا تھا۔ جس کو باہمی مشاورت سے طے کر لیا گیا تھا۔ جناب صدیق اکبرؓ اپنی وفات سے پہلے جناب فاروقؓ کو اپنا جانشین منتخب کر چکے تھے۔ جناب فاروقؓ نے یہ کام مجلس مشاورت کو سونپ دیا۔ لیکن یہاں پر تو حالات کا رخ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ نہ حضرت عثمانؓ کسی کو نامزد کر گئے اور نہ کسی مجلس مشاورت کے ذمہ یہ کام لگائے کہ وہ کس امیر کا تقرر کریں۔ البتہ قوم کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے انہوں نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کو پیش کر دی۔ اب مدینہ شریف میں جو عظیم صحابہ کرامؓ موجود تھے، وہ خلافت کے سلسلہ میں کوئی مشاورت کیسے طلب کرتے کہ بقول حضرت علیؓ وہ خود مغلوب ہو چکے تھے۔ یہاں سے آگے بڑھنے سے پہلے قارئین ذہن میں ان حالات کے تصور کا نقشہ بنائیں تو اگلے حالات بہتر طور پر سمجھ آسکیں گے۔

## مرکز کو سہارا

چنانچہ ان حالات میں مرکز کو سہارا دینے کی ذمہ داری قبول کر کے جناب علیؓ نے اسلام کی عظیم

ندمت کی ہے اور اگر وہ اس پر تیار نہ ہوتے تو حالات اتنے بھیانک ہو جاتے کہ نتائج کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا۔ باغی اور مفسدین اس وقت تک مدینہ شریف میں دندناتے پھرتے تھے۔ وہ ان بھیڑیوں کی طرح تھے۔ جن کے منہ کو خون لگ جائے۔ مدینہ کے نئے آبادکار یا غلاموں کی زیادہ تعداد بھی اب ان "بھیڑیوں" کی طرف مائل ہو رہی تھی یا یہ لوگ ان سے متاثر ہو رہے تھے۔ یعنی آزادی کا بھڑوت ان کے سر پر بھی سوار ہو رہا تھا۔ روایت ہے کہ چار دن تک مفسدین کا لیڈر عافتی بن حرب ہی مدینہ کا امیر بنا رہا اور وہی مسجد نبوی میں امامت کراتا رہے۔ مدینہ کے پرانے لوگ یعنی خاص کو صحابہ کرامؓ گوشہ نشین ہو چکے تھے۔

## نادانوں کو ہوش آنے لگا

سازشیوں کو اپنے گہرے مقاصد میں سے ایک مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ باقی مقاصد حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ حالات کا جائزہ لیں اور پھر کوئی تجویز بنائیں۔ اس لئے وہ کچھ خاموش تھے۔ لیکن مفسدین اور باغیوں میں "نادان" لوگوں کو اب سمجھ آئی کہ وہ ایک بھیانک غلطی کر چکے ہیں اور ایسے لوگوں میں اشتراک نہیں پیش تھا۔ اس نے سوچا کہ حضور پاکؐ کے کسی عظیم صحابیؓ کو آگے لایا جائے کہ وہ خلافت سنبھالے۔ تیسری کتاب کے آخری ابواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ بنو امیہ کے کسی لوگوں نے جناب علیؓ، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کو طعنہ دیا تھا بلکہ ان کے خلاف ایسے سخت الفاظ استعمال کئے تھے کہ جناب علیؓ اور دونوں عظیم صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے گھر سے اٹھ آئے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے کہ اس فساد کے ذمہ دار ہی تینوں عظیم صحابہؓ ہیں کہ وہ خلافت کے امیدوار ہیں۔ ان حالات میں تینوں عظیم صحابہؓ میں سے کوئی ایک بھی آگے بڑھ کر خلافت کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہ تھا۔ اب باغیوں میں سے "نادان" لوگوں کے دماغ کچھ درست ہو رہے تھے۔ انہوں نے جناب سعدؓ بن ابی وقاص اور جناب عبداللہؓ بن عمرؓ تک رسائی حاصل کی اور ان کو خلافت سنبھالنے کے لئے کہا۔ لیکن دونوں عظیم صحابہؓ نے انکار کر دیا۔ باغیوں کے نادان گروہ کو اب اگر "ذی ہوش" گروہ کا نام دے دیں تو کوئی حرج نہیں کہ انہوں نے سوچا کہ امام یا خلیفہ کے بغیر اسلامی سلطنت جو اتنی وسعت اختیار کر چکی ہے، اس کے کام کیسے چلیں گے؟

مدینہ شریف میں سنجیدہ لوگوں کی تعداد کوئی ایک ہزار کے قریب تھی، جن میں سے سات سو تو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے جنگ کرنے پر بھی تیار تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ سب گوشہ نشین ہو گئے اور کچھ نزدیک کے دیہات میں چلے گئے۔ غلاموں یا نئے آبادکاروں کے تعداد بھی ہزار ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی اور باغی یا مفسدین بھی اتنی ہی تعداد میں تھے۔ چنانچہ باغیوں اور مدینہ کے نئے آبادکاروں نے مل کر اہل مدینہ کے گوشہ نشین لوگوں کو گھروں سے باہر نکالنا شروع کر دیا اور اعلان کیا کہ اہل مدینہ کا سنجیدہ طبقہ اگر عظیم صحابہؓ کو امارت یا خلافت سنبھالنے کے لئے مجبور نہیں کرتا، تو باغی عظیم صحابہؓ کو باری باری شہید کرتے جائیں گے اور ابتداً جناب علیؓ، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ سے کریں گے۔

## اشتر نخعی

اب جو حالات پیدا ہوئے تو باغیوں کی باگ ڈور تقریباً اشتر نخعی کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ وہ مفسدین میں ضرور شامل تھا۔ لیکن جناب عثمانؓ کی شہادت میں وہ سیدھے طور پر ملوث نہ تھا لیکن جناب عثمانؓ نے اشتر کو بلا کر نام بھی کیا تھا اور گھیراؤ کے آخری دو دنوں میں وہاں پر اشتر کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اشتر بہادر آدمی تھا اور اس سلسلہ کی دوسری کتاب میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ کہ جنگ یرموک کے بعد اس نے کسی دستوں کی کمانڈ کی تھی لیکن وہ کچھ زیادہ ہی "آزاد" ہو گیا تھا اور امراء پر اعتراض کرنا اس کی عادت میں شامل ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ اہل کوفہ کا لیڈر ضرور تھا اور اہل کوفہ جناب زبیرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ سب لوگ جناب زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو خلافت سنبھالنے کے لئے کہا۔ لیکن جناب زبیرؓ نے بالکل انکار کر دیا۔ اہل مصر کی سرداری حکیم بن جبلة کے ہاتھ آچکی تھی اور اہل مصر حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ خلافت سنبھال لیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ امیر ہونے کی بجائے وزیر ہونا زیادہ پسند کریں گے۔ ویسے اس زمانے میں حکیم بن جبلة بصرہ میں آباد تھے اور اس کا ذکر آگے بھی آئے گا۔ اس لئے حکیم بن جبلة اہل بصرہ کے ساتھ جناب طلحہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اہل بصرہ جناب طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن جناب طلحہؓ نے

بھی انکار کر دیا۔

اب باغیوں نے اشتر نخعی کی سرداری میں مدینہ شریف سے تمام گوشہ نشین لوگوں کو باہر نکالا اور مسجد نبوی میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ اہل مدینہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے میں سے کسی کو مسلمانوں کا خلیفہ یا امام بنائیں۔ اشتر کے الفاظ یہ تھے :

”آپ لوگ اہل شوریٰ ہیں۔ آپ کا حکم تمام امت محمدیہ پر جائز و نافذ ہے۔ آپ امام مقرر کریں ہم آپ کے مطیع ہیں اور آپ اس کام کو انجام دیں۔ ہم آپ کو دو دن کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس مدت میں امام مقرر نہ کیا گیا تو ہم عظیم صحابہؓ کو شہید کرتے جائیں گے۔“

ابن اشتر کے مطابق ترجیحات کے طور پر جناب علیؓ، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے نام لئے گئے۔

## تبصرہ

اگر سوچا جائے تو اصول طور پر مفسدین کا یہ ”نادان گروہ“ آگے چل کر ”ذی ہوش گروہ“ بن گیا تھا۔ اس کی سوچ یا طریقہ کار صحیح معلوم ہوتا ہے کہ امیر کی موجودگی ہر وقت ضروری ہے۔

## حضرت علیؓ اور خلافت

حضرت علیؓ بھی اپنے گھر میں گوشہ نشین تھے اور اس وقت تک باغیوں کو یہ ہمت نہ پڑی تھی کہ حضرت علیؓ یا باقی عظیم صحابہ کرامؓ کو دوسروں کی طرح زبردستی گھروں سے نکال کر مسجد نبوی میں لے جاتے۔ چنانچہ اہل مدینہ کے سنجیدہ لوگ باغیوں کی تنبیہ سننے کے بعد جناب علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ خلافت سنبھال لیں۔ جناب علیؓ تذبذب میں تھے۔ امام حسنؓ کا خیال تھا کہ اول تو خلافت قبول ہی نہ کی جائے لیکن اگر مجبوری ہے تو پھر بھی تمام بلاد اسلامیہ سے وفود منگوائے جائیں اور جب تک سب وفود جناب علیؓ کو خلافت سنبھالنے کی گزارش نہیں کرتے، تب تک خلافت قبول نہ کی جائے۔

بدقسمتی یہ تھی کہ یہ معاملہ بڑا مشکل تھا۔ وفود کے آنے میں بڑی دیر لگتی اور آ بھی جاتے تو اگر ان میں اختلاف ہوتا تو حالات اور خراب ہو جاتے۔ پھر لوگوں کا کیا بھروسہ، وہ وفود بھیجنے کے بعد بھی تبدیل ہو سکتے تھے۔ جناب علیؓ علم کا دروازہ تھے اور ان سے کوئی پہلو پوشیدہ نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ



صوبوں کے عامل اپنے چھوٹے علاقوں کے امرا سے مشورہ کریں گے اور ہر جگہ سے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جائیں گی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مرکز میں کسی ایک آدمی کا امیر مقرر ہونا بہت ضروری ہے اور یہ کاروائی جتنی جلدی کی جاسکے، بہتر ہوگا۔ تذبذب یہ تھا کہ وہ خود یہ کام سنبھالنے کو تیار نہ تھے۔ آخر جناب علیؑ نے فرمایا کہ کل تمام لوگ مسجد نبویؐ میں اکٹھے ہوں اور یہ فیصلہ وہاں پر ہوگا چنانچہ مسجد میں جمع ہونے کا اعلان کر دیا گیا لیکن عظیم یا مشہور صحابہؓ میں سے بہت کم لوگ مسجد نبویؐ میں آئے یہاں تک کہ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ بھی نہ آئے۔ یہ حالات دیکھ کر باغی یا باغیوں کا ذی ہوش گروہ مدینہ میں پھیل گیا۔ حکیم بن جبہ جناب زبیرؓ کو لے آئے اور اشتر نخعی جناب طلحہؓ کو، اور اس طرح کافی صحابہ کرامؓ کو زبردستی مسجد نبویؐ میں لایا گیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرکز میں ایک امیر کی ضرورت ہے اور جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ میں سے جو صاحب بھی خلافت قبول کریں وہ ان کی بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ نے فرمایا کہ جناب علیؑ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور جناب طلحہؓ نے اٹھ کر حضرت علیؑ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد جناب زبیرؓ سمیت مسجد نبویؐ میں جتنے لوگ موجود تھے سب نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی۔ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ نے بیعت کرتے وقت اپنی آواز میں یہ الفاظ ادا کئے:

”ہم اس شرط پر بیعت کر رہے ہیں کہ جناب علیؑ کتاب اللہ

اور سنت رسولؐ کے مطابق کام کریں گے اور شرعی حدود

کو قائم کریں گے۔“

## تبصرہ

قارئین! جن حالات کے تحت جناب علیؑ کو خلافت قبول کرنا پڑی، وہ بڑے عجیب و غریب تھے۔ ان حالات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ آگے چل کر اس بیعت کے طریق کار یا بیعت کرتے وقت ”الفاظ کی ادائیگی“ بڑے مسئلے بن جائیں گے۔ حضرت علیؑ مجبور تھے۔ لیکن اگر مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرامؓ میں سے کوئی اس امید پر بیعت کر رہا تھا کہ خلیفہ بن جانے کے بعد جناب علیؑ تمام قاتلین عثمانؓ کو اسی دن یا چند ماہ کے اندر اندر قتل کر دیں گے یا قصاص کا مقدمہ چلائیں گے تو یہ خیالات

ٹھیک نہ تھے یا اگر کسی کو یہ خیال تھا کہ اس نے جناب علیؓ کی بیعت مجبوری کے تحت کی تو اس بات میں بھی کوئی جان نہ تھی۔ حضرت علیؓ خود مجبوری کے تحت خلافت سنبھال رہے تھے اور اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ امت میں تفرقہ سے حالات اتنے بھیانک تھے کہ مسلمان گروہوں میں بٹ کر وہ سب کچھ کھو بیٹھے جو انہوں نے پچھلے چالیس سالوں میں حاصل کیا تھا۔ اگلا سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتل کون تھے اور یہ مقدمہ کن لوگوں پر چلایا جاتا؟ تمام وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کا گھیراؤ کیا ہوا تھا، ان پر مقدمہ چلانا تو عملی طور پر ناممکن تھا، انہی لوگوں کے کہنے پر جناب علیؓ نے خلافت قبول کی اور وہ کہتے تھے کہ ان کا حضرت عثمانؓ کی شہادت میں کوئی ہاتھ نہ تھا۔ شہادت ایک حادثہ تھی اور اس میں چند لوگ شامل تھے اور کچھ بے وقوفی کر بیٹھے اور جناب عثمانؓ کو شہید کرنے والوں میں سے دو آدمی تو ادھر ہی مارے گئے۔ محمد بن ابوبکرؓ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھر کی دیوار توڑ کر ان کے گھر میں داخل ہوئے لیکن اندر جا کر ندامت ہوئی تو واپس آگئے۔ اب ان پر مقدمہ چلانا بھی کچھ عجیب معلوم ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا قصاص طلب کرنے والے لوگ دراصل وہ تھے جو حضرت علیؓ کو پسند نہ کرتے تھے اور حضرت علیؓ اگر تمام گھیراؤ کرنے والوں کو پکڑ بھی لیتے تو یہ لوگ راضی نہ ہوتے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ حضرت علیؓ کن لوگوں کی مدد سے گھیراؤ کرنے والوں کو پکڑتے۔ بس قارئین اس پہلو کو مد نظر رکھیں۔

## باقی صحابہ کبار کا رویہ

گو مسجد میں کافی صحابی موجود تھے لیکن کئی صحابہ کرامؓ غیر حاضر بھی تھے۔ ان میں جناب سعد بن ابی وقاص اور جناب عبد اللہ بن عمرؓ قابل ذکر ہیں۔ اس لئے اشتر کا گروہ، جناب سعد بن ابی وقاص کو گھر سے نکال لایا۔ مسجد میں پہنچ کر جناب سعدؓ نے کہا کہ جب باقی صحابہؓ بھی بیعت کر لیں گے تو وہ تب بیعت کریں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "ان کو رہنے دو اور کچھ مت کہو" پھر جناب عبد اللہ بن عمرؓ کو لایا گیا۔ انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ لوگوں نے کہا ضامن دو۔ جناب عبد اللہؓ نے کہا کہ وہ ضامن نہیں دے سکتے۔ اشتر نے حضرت علیؓ سے اجازت طلب کی کہ اسے جناب عبد اللہؓ کو قتل کرنے کی اجازت دی جائے۔ جناب علیؓ نے فرمایا "نہیں چھوڑو میں ان کا ضامن ہوں۔"

## تبصرہ

قارئین اس واقعہ کو بھی یاد رکھیں۔ حضرت علیؓ اگر بیعت نہ کرنے والوں پر سختی کرتے یا لوگوں کو اجازت دیتے کہ وہ ایک آدھ مخالف کو قتل کر دیتے، تو معاملات اسی دن حل ہو جاتے اور اس طرح بعد میں کسی کو بھی بغاوت کرنے یا حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن جناب علیؓ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کی طرح اپنی امارت کو قائم رکھنے کے لئے کسی خون خرابے کے حق میں نہ تھے۔ وہ قوم میں وحدت چاہتے تھے لیکن با اصول اور پُر امن وحدت۔ آگے جو انہوں نے بغاوت ختم کرنے کے لئے تلوار اٹھائی تو وہ مجبوری کے تحت تھی۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ بہت سخت تھے وہ غلطی پر ہیں اپنوں کے لئے جناب علیؓ جتنا رحم دل ہونا ناممکن ہے۔ غصہ تو ان کو آتا ہی نہیں تھا اور یہی بہادر آدمی کی نشانی ہے کہ اس کو غصہ نہیں آتا۔

## بیعت میں دیر

ابن خلدون کے مطابق کچھ اور صحابہؓ نے بھی اس دن بیعت نہ کی لیکن پانچ روز کے بعد مدینہ کے سب لوگوں نے بیعت کر لی جنہوں نے اس دن بیعت نہ کی ان میں انصار سے حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخد، ابوسعید خدری، محمد بن مسلمہ، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ اور سلمہ بن سلامہ شامل ہیں بلکہ نعمان بن بشیر، جناب عثمانؓ کی زوجہ نانکہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں اور حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیض لے کر شام میں امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ جن مہاجرین نے اس دن بیعت نہ کی ان میں عبداللہ بن سلام، صہیب بن سنان (ان کو صہیب رومی بھی کہتے ہیں) اسامہ بن زیدؓ، قدامہ بن قطعون اور مغیرہ بن شعبہ کا نام لیا جاتا ہے۔ ابن سعد، طبری اور ابن خلدون سب آگے چل کر یہ کہتے ہیں کہ چند روز بعد سب نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی۔ ہم اس پر شک نہیں کر سکتے، لیکن ان صاحبان میں سے اکثر لوگوں اور جناب سعدؓ اور جناب عبداللہ بن عمرؓ سمیت کسی نے بھی حضرت علیؓ کی خلافت میں مکمل طور پر ان کا ساتھ نہ دیا۔

ان میں سے کچھ غیر جانبدار رہے، کچھ وفات پا گئے۔ لیکن ان میں سے جناب مغیرہؓ بن شعبہؓ، مسلمہؓ بن مخلد اور ابو سعیدؓ خذری وغیرہ نے بعد میں امیر معاویہؓ کی بھرپور مدد بھی کی اور جناب معاویہؓ کی خلافت میں ان کے منظور نظر بھی رہے۔ ان لوگوں کے علاوہ بنو امیہ کے خاندان میں سے متعدد لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی۔ ان میں مروان وغیرہ شامل تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ شام چلے گئے تھے۔ وہاں سے کچھ مکہ چلے گئے اور آگے حضرت عثمانؓ کے بیٹوں سمیت متعدد لوگوں نے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کا ساتھ دیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

یہ مدینہ شریف کے حالات تھے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پکڑنے میں دیر لگائی وہ یہ سوچیں کہ حضرت علیؓ کس کس کو پکڑتے۔ حکومت کے ساتھ مکمل وفاداری نہ دکھانا بھی ایک کوتاہی ہے اور اس وقت زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ لوگ حضرت علیؓ کو مکمل وفاداری دکھاتے اور جو لوگ وفاداری نہ دکھاتے، حضرت علیؓ بالکل حق بجانب تھے کہ وہ ان کو پکڑ کر ان کے خلاف کارروائی کرتے۔ قارئین اس نکتہ کو بھی مد نظر رکھیں۔

## جناب علیؓ اور جناب فاطمہؓ کی شان

یہاں تک حالات کا سرسری جائزہ پیش کرنے کے بعد ہم قارئین کو پہلی کتاب کے پہلے باب میں واپس لے جاتے ہیں۔ جہاں پر ہم نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شان بیان کی تھی کہ وہ دنیاوی معاملات سے بہت بلند تھے اور آج اس کا عملی مظاہرہ ہو رہا ہے کہ اپنی امارت کی خاطر وہ کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ قارئین! یاد رکھیں کہ جناب علیؓ کی عمر نو یا دس سال تھی کہ حضور پاکؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ جن چار عظیم ہستیوں کا اول اسلام لانے کا ذکر ہے۔ ان میں ام المومنین جناب خدیجہؓ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا زینبؓ حارث کا ذکر آتا ہے۔ ہم اس چکر میں نہ پڑیں گے کہ فلاں چند لمحے پہلے اسلام کے آغوش میں آگئے اور مردوں میں فلاں پہلے تھے اور عورتوں، لڑکوں یا غلاموں میں فلاں کو پہل حاصل ہے۔ ہمارے لئے سب ہمارے سر کے تاج ہیں۔ لیکن ہمارے اس بامقصد مطالعہ میں ایک پہلو نکھر کر سامنے آتا ہے کہ حضور پاکؐ کے چچا زاد بھائی بھی بہت تھے اور نو دس سال کے بچے بھی کئی ہوں گے لیکن یہ اللہ کی شان ہے خانہ کعبہ میں پیدائش اور آنکھیں اس وقت

کھونا جب حضور پاکؐ کا چہرہ مبارک سامنے ہوا یہی ایک پہلو ایسا ہے جس پر کسی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

جناب علیؑ نے اس عمر میں اپنے عظیم چچیرے بھائی کے ساتھ جو وقت گزارا اس کے ایک ایک لمحہ پر تمام دنیا کے علوم اور عشق قربان کئے جاسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور پاکؐ نے فرمایا: "علیؑ علم کا دروازہ ہے" اور عشق کی مثال جناب علیؑ کے فرزند اور حضور پاکؐ کے اپنے فرزند میدان کربلا میں قائم کر گئے۔ اس لئے اس گھرانے کی بات کرتے وقت اپنے قلموں کو لگام دینا ہی ادب کا پہلا قرینہ ہے۔

حضور پاکؐ نے ہجرت کی تو جناب علیؑ کو اپنے بستر پر چھوڑ گئے۔ مدینہ میں عقد مواخذہ کرایا تو جناب علیؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "میرے بھائی علیؑ ہیں۔ اپنی پیاری بیٹی فاطمہؑ کو جناب علیؑ کی زوجیت میں دے کر اس دنیا میں ایک ایسے عظیم گھر کی بنیاد رکھی اور لاثانی مثال قائم کی کہ وہاں پر جنت کے نوجوانوں کے سردار امام حسنؑ اور امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ جناب فاطمہ الزہرہؑ کی شان کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتا۔ حضور پاکؐ کے بعد کون افضل ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارے لحاظ سے چار یاروں کے بارے بھی وہی الفاظ بہتر ہوں گے۔ جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے لئے قرآن پاک میں استعمال کئے یعنی لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ كُمْ ان میں کوئی فرق نہیں۔ ویسے مسلمانوں کے سوا دُاعِظَم میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نام لکھتے ہوئے وہ ترتیب استعمال کی جاتی ہے جس ترتیب سے انہوں نے خلافت سنبھالی یعنی خلیفہ راشد اول، دوم، سوم اور چہارم وغیرہ۔

ایک بیان جناب مجدد الف ثانیؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو مسلمان درجوں کے لحاظ سے چار یاروں کو اس طرح ترجیحی طور پر افضل نہیں سمجھتا جس طرح انہوں نے خلافت سنبھالی تو ایسے مسلمان کو اہل سنت و الجماعت سے خارج سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کا یہ بیان ان کے ایک خواب کی وضاحت میں تھا لیکن ہمیں اس کی صحت پر شبہ ہے کہ امام شافعیؒ جو اہل سنت و الجماعت کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاکؐ کے بعد جناب فاطمہ الزہرہؑ افضل ہیں تو اب ہم اس چکر میں پڑ جائیں کہ کون افضل ہے تو وحدت کی بجائے ہم میں تفرقہ

بڑھ جائے گا۔ قرآن پاک کے لحاظ سے اور حضور پاکؐ کی سنت کے لحاظ سے ہم سے روز قیامت یہ نہ پوچھا جائے گا کہ حضور پاکؐ کے رفقاء یا اولاد میں سے کون افضل تھا اور ہم کس کو افضل مانتے تھے اور اگر ایسا سوال پوچھا بھی جائے تو میرا جواب تو یہ ہوگا کہ سب ہمارے سردوں کے تاج ہیں اور ہم ان کی جوتیوں کے بھی غلام ہیں۔

پہلے تین خلفائے راشدین کی شان بیان ہو چکی ہے۔ یہ خیال رہے کہ جب ہم ان کی شان بیان کرتے رہے تو ان کی عظمت کی بلندیوں تک ہماری پہنچ نہ تھی۔ اب جب جناب شیر خداؑ پر پہنچے ہیں تو ہم تبوک کی بات یاد آجاتی ہے کہ حضور پاکؐ نے حضرت علیؑ کو مدینہ شریف میں اپنا جانشین چھوڑا تو فرمایا: "اے علیؑ! آپ میرے لئے اسی طرح ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے حضرت ہارونؑ تھے۔ ہاں! بے شک میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

## خلافت کا بوجھ

البتہ خلافت کے سلسلہ میں ایک بات تسلیم شدہ اور عملی ہے کہ خلافت راشدہ کا جو بوجھ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری چند ماہ میں نبھایا یا حضرت علیؓ نے اپنی ساری خلافت اس بوجھ کے تحت گزاری، ایسا بوجھ پہلے دو خلفائے راشدین کو نہ اٹھانا پڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلے دو خلفاء کا امت کے بہت لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑا تھا۔ ان کی مشیر جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ کرم اللہ وجہہ جیسی عظیم ہستیاں تھیں لیکن جناب علیؓ کے پاس کوئی بہت بڑے پایہ کا مشیر نہ رہ گیا تھا۔ اس پہلو کو ہم آگے پانچویں باب میں اور وضاحت سے بیان کریں گے۔

## حضرت علیؓ کی شان کی تاویلات

ہم نے اپنے بس کے مطابق جناب امیرؓ کی شان کو آسان الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ بعض لوگوں نے جناب علیؓ کی شان کو بڑھانے کی کوشش کی جس کا ذکر تیسری کتاب میں بھی ہو چکا ہے اور بعض نے رد عمل کے طور پر یا ذاتی عداوت کی وجہ سے آپؓ کی

شان کو گھٹانے کی کوشش کی۔ شان کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے سلسلہ میں ہم عبداللہ بن سبا اور اس کی تاویل دابۃ الارض کا ذکر تیسری کتاب کے نویں باب میں کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں امام حسنؓ کے بیانات کے بعد اس معاملہ کو ادھر ہی چھوڑ دیتے ہیں لیکن شان کو گھٹا کر بیان کرنے والوں نے معاملات کو جناب علیؓ کے عظیم والد پر ناجائز حملوں کے ذریعہ سے شروع کیا۔ آگے بنو امیہ کے کچھ لوگوں نے جناب عثمانؓ کی شہادت کی ذمہ داری بھی آپؓ پر ڈال دی اور یہاں سے آگے بڑھ کر یہ اعتراض کیا کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ، محمدؓ بن ابوبکرؓ اور اشتر نخعی جیسے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں بھرپور حصہ لیا تھا اور جناب علیؓ نے ان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

اب جناب عمارؓ بن یاسرؓ کے بارے میں تو خود حضور پاکؐ فرما گئے ہیں کہ "اے عمارؓ! آپؓ کو باعنی لوگ شہید کریں گے" تو ان کے سلسلے میں سب الزام بے معنی ہو جاتے ہیں لیکن محمدؓ بن ابوبکرؓ اور اشتر سیدھے طور پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذمہ دار نہ تھے اور اگر حضرت علیؓ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی دشمنی کرتے تو وہ اسلام کے مرکز کو سہارا کیسے دیتے کہ بڑے بڑے عظیم صحابہ کرامؓ یا تو غیر جانبدار ہو چکے تھے یا کھل کر حضرت علیؓ کی مخالفت کر رہے تھے۔ یہ جناب علیؓ ہی کی شان ہے کہ ان حالات میں اسلام کے مرکز کو سہارا دیا۔ اگلے ابواب میں ان الجھتوں کی عملی تفصیل آئے گی۔

## جناب ابوطالبؓ کا اسلام

لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ چودہ سو سالوں کے بعد بھی ہم فضول باتوں کی وجہ سے تفرقوں میں پڑے ہوئے ہیں اور جناب ابوطالبؓ کا اسلام خواہ مخواہ آج بھی امت میں ایک نزاع کی وجہ بنا ہوا ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ اس فضول تفرقہ کے عملی پہلو کو بیان کر کے کئی اور فضول تفرقوں کے بارے میں بھی ایسے ہی رویہ پر عمل کیا جائے۔

سب سے پہلے بنو امیہ کے کچھ لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ خلافت کیلئے جناب علیؓ کی نسبت امیر معاویہؓ زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے والد ابوسفیانؓ اسلام لے آئے اور

جناب علیؓ کے والد جناب ابوطالبؓ اسلام نہ لائے۔ اسلام کی تاریخ یا مغازی کی کتابیں زیادہ تو بنو امیہ کے زمانے میں لکھی گئیں۔ اس لئے بنو امیہ کو خوش کرنے کے لئے اکثر لوگوں نے تاریخوں میں لکھ دیا کہ جناب ابوطالبؓ کے اسلام لانے کا کوئی پکا ثبوت موجود نہیں ہے۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس نے خلافت سنبھالی تو ان کو علویوں سے خطرہ تھا کہ پہلے علوی اور عباسی یا سارے ہاشمی مل کر بنو امیہ کی مخالفت کر رہے تھے اور ان کا امام حضرت علیؓ کے بیٹے محمدؓ بن حنیفہ کا پوتا تھا۔ انہوں نے چونکہ خلیفہ سفاح کے بڑے بھائی ابراہیم کے گھر وفات پائی۔ اس لئے انہوں نے ابراہیم کو امام نامزد کر دیا اور امیہ کی شکست کے وقت ابراہیم بھی چونکہ جنگ میں مارا گیا۔ اس لئے خلافت اس کے بھائی سفاح نے سنبھال لی۔

اب خلافت حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی اولاد نے سنبھال لی، تو انہوں نے بھی بنو امیہ کے اس شوشہ کو تقویت دی کہ جناب ابوطالبؓ کے اسلام کا کوئی ثبوت نہیں ملا اور ان کے دادا جناب عباسؓ اسلام لائے تھے۔ اس لئے خلافت کے وہ زیادہ حق دار ہیں۔ بد قسمتی سے امیہ اور عباسی خاندان کے زمانے میں علم حدیث بڑے بڑے اماموں یا عالموں تک محدود رہا اور اس کی تدوین تقریباً تین سو سال بعد عباسی خاندان کے زمانے میں ہوئی۔ گو اس وقت عباسی خاندان کی شوکت کو بھی دھچکا لگ چکا تھا لیکن خلیفہ برائے نام سہی وہ انہی کے خاندان سے تھا اور کئی سو سال ایسے ہی رہا بلکہ سقوط بغداد کے بعد بھی ایک خلیفہ کو کہیں سے تلاش کر کے مصر میں ایک برائے نام خلافت کو مملوکوں کے زمانے میں بھی قائم رکھا گیا کہ عباسی خاندان کا ایک آدمی کہیں سے مل گیا تھا۔ عباسی خلافت کا خاتمہ سوہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم نے کیا اور وہ خود خلیفہ المسلمون بن گیا اور خلافت کا خاتمہ اس صدی میں کمال ترکی نے کیا۔

اپ چونکہ ہم امت واحدہ کی طرف واپس آنے کی کوشش کر رہے ہیں تو بہتر ہے کہ تفرقوں کی تاریخ میں جا کر ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور یہاں پر ایک عملی قصہ سے اس تفرقہ کو ختم کر دیں۔ چنانچہ جب علویوں کے مخالفین نے جناب ابوطالبؓ کے اسلام پر شک کیا تو جناب علیؓ کے ہمدردوں نے جواب دیا کہ جناب ابوطالبؓ کیسے دوزخ میں جاسکتے ہیں کہ انہوں



نے باپ کی طرح حضور پاکؐ کی پرورش کی۔ مخالفین کا جواب تھا کہ بالکل اسی طرح جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر دوزخ میں جانے لگا کہ وہ بت پرست تھا اور یہ دوزخ میں جانے والی بات لوگوں نے اتنی بڑھائی کہ حضور پاکؐ کے عظیم والدین کے بارے میں بھی کہہ گئے کہ وہ بھی مسلمان نہ تھے۔ (نعوذ باللہ)۔

یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ بن جانے ہم لوگ دوزخ اور بہشت کا فتویٰ اس جہان میں دے دیتے ہیں اول تو اس سے گریز ضروری ہے۔ دوم ہمارا یہ ایمان ہے اور ہمارے بزرگوں میں متعدد فقرا اور ابن اثیر نے یہ لکھا ہے کہ جس کی پشت میں نبی کا نور چلتا رہا۔ وہ دوزخ کی آگ میں نہ جلے گا۔ آذر اول حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نہ تھا کہ ابن اسحق نے حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تاج لکھا ہوا ہے۔ لیکن اگر وہ آذر ہی تھا تو ضرور مسلمان ہو گیا ہو گا کہ ہم لوگ ہر نماز کے آخر میں حضرت ابراہیمؑ کی ہی دعا کو دہراتے ہیں کہ اے رب ہمارے ماں باپ اور باقی مسلمانوں کو بخش دے۔ یہی بات حضور پاکؐ کے والدین کے لئے ہے کہ وہ دین حنیف کے پیرو تھے اور خدا را ہم ایسی بے ادبیوں سے بچیں۔

## جناب ابوطالبؓ کی شان

اسی طرح جناب ابوطالبؓ کی اپنی شان ہے۔ ان کے مسلمان نہ ہونے کی روایت کا راوی جناب ابوسعیدؓ خدری کو کہا گیا ہے جو انصار تھے اور روایت منسوب کرتے وقت قرآن پاک کی آیت کا ذکر ہے کہ یہ آیت جناب ابوطالبؓ کے لئے ہے کہ ان کی بخشش نہ ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابوسعیدؓ کا نام استعمال کیا گیا کہ وہ امیر معاویہؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ دوسرے راوی حضرت مشیبؓ ہیں جن کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ آپ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

ہم اس بحث کو مزید طول نہ دیں گے۔ ابن اسحقؓ میں واضح الفاظ میں حضور پاکؐ کے چچا جناب عباسؓ اس چیز کے خود راوی ہیں اور ان کے بیٹے معبد کی اولاد جو خلافت کے دعویٰ داروں میں نہ تھی۔ تین سو سال یہ روایت کرتے رہے کہ ان کے دادا جناب عباسؓ، جناب ابوطالبؓ کے وفات کے وقت وہاں موجود تھے اور آخری وقت بھی جو ان کے ہونٹ ہل رہے تو وہ لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ پڑھ رہے تھے اور جناب عباسؓ نے حضور پاکؐ کو عرض کی کہ یہ تو کلمہ پڑھ رہے ہیں تو حضور پاکؐ مسکرا دیئے۔

حضور پاکؐ شاید جناب عباسؓ کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ جناب ابوطالبؓ تو ہمیشہ کلمہ پڑھتے رہے۔ اب جناب عباسؓ کی باری ہے اور اس دن کے بعد جناب عباسؓ نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا لیکن بیعت عقبہ ثانی وغیرہ ثابت کرتی ہیں کہ جناب عباسؓ بھی دل سے مسلمان ہو گئے تھے جناب ابوطالبؓ نے حضور پاکؐ کے ساتھ اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کی۔ جب سوتے تھے تو حضور پاکؐ بھی ان کے پہلو میں سوتے، جب باہر نکلتے تھے تو حضور پاکؐ بھی ساتھ ہوتے تھے اور جب حضور پاکؐ اپنے دادا کی وفات کے بعد ان کے گھر آئے تو ساتھ برکت اور رحمت بھی آگئی جب کھانا شروع ہوتا تو جناب ابوطالبؓ اپنی اولاد کو روک دیتے اور فرماتے "ٹھہر جاؤ! میرے بیٹے کو آنے دو ان کی وجہ سے میرے گھر میں رحمت آگئی ہے ورنہ تم لوگ تو کھانے سے سیر ہی نہ ہوتے تھے" جب قریش کے کئی خاندانوں نے حضور پاکؐ کی مخالفت پر کمر باندھ لیا تو جناب ابوطالبؓ نے سواشعار کی جو نظم فی البدیہہ پڑھ دی وہ بنو ہاشم کے بچے بچے کی زبان پر تھی اور آپؐ نے صاف فرمایا، "ہمیں ہماری جانوں کی قسم! چمکتی تلوار میرے ہاتھ میں ہے اور میرے خاندان کے لوگ میرے ساتھ ہیں۔ خبردار! جو حضور پاکؐ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔"

علاوہ قریش کے سرداروں کے ساتھ جناب ابوطالبؓ کی ایک بخت کے الفاظ ادب کے لحاظ سے عربی زبان میں ایک شہ پارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، "واللہ تم لوگ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ یہ بڑا عزیز اور ذلیل سودا ہے کہ تم کہتے ہو کہ میں اپنا بیٹا تمہیں دے دوں کہ آپ اس کو قتل کر دیں اور میں آپ کے بیٹے کی پرورش کروں۔"

جناب ابوطالبؓ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپؐ نے سب سے پہلے حضور پاکؐ کی شان میں نعت کہی جس میں آپؐ کو پیغمبر تسلیم کیا ایک شعر یہ ہے، "ہمیں محمدؐ مل گئے ہیں اور وہ بھی حضرت موسیٰؑ کی طرح پیغمبر ہیں۔"

چنانچہ جناب ابوطالبؓ کے مسلمان ہونے کے سینکڑوں ثبوت موجود ہیں لیکن اگر کوئی صاحب پھر بھی شک میں رہتے ہیں تو یہ ان کی اپنی قسمت۔ بہر حال اس پہلو کو امت میں تفرقہ بنانے کا ذرہ

تو نہ بنایا جائے۔

## سازش جاری تھی

یہ تجزیہ اور تبصرہ پیش کرنے کے بعد ہم پھر مدینہ شریف واپس جاتے ہیں جہاں مشکل حالات میں جناب علی رضی نے خلافت کو قبول کر لی۔ لیکن اہل سازش کی سازش ختم نہ ہوئی تھی۔ ان میں سے چند لوگوں نے جناب طلحہ رضی اور جناب زبیر رضی کو بھڑکایا کہ جناب علی رضی، حضرت عثمان رضی کے قصاص کے سلسلہ میں کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے۔ چنانچہ دونوں عظیم صحابہ رضی نے حضرت علی رضی سے ایک ملاقات میں حضرت عثمان رضی کے قصاص کے سلسلہ میں بات کی۔ حضرت علی رضی نے فرمایا کہ اس معاملہ پر دھیان دینے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ ابھی تک مدینہ شریف میں ان لوگوں کی تعداد بہت کافی ہے۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضی کا گھیراؤ کیا تھا۔ صوبوں کے باسے میں مجھے کوئی خبر نہیں کہ وہاں کیا حالات ہیں جو امرا جس جگہ پر موجود ہیں۔ کس حد تک حالات ان کے قابو میں ہیں اور میں ان پر کتنا بھروسہ کر سکتا ہوں۔ یہ ایسے معاملات ہیں جو فوری توجہ چاہتے ہیں اور میں پہلے ملک کے حالات ٹھیک کر لوں اور بعد میں ان معاملات پر توجہ دوں گا۔ اگر میں حالات کا جائزہ لئے بغیر پکڑ دھکڑ شروع کر دوں تو اس کا رد عمل دُور دور تک ہو گا اور ایک فتنہ کی بجائے کئی فتنے شروع ہو جائیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جناب طلحہ رضی اور جناب زبیر رضی پھر حضرت علی رضی کے پاس آئے اور کوفہ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی رضی نے فرمایا کہ ان کو ان دونوں عظیم صحابہ رضی کی مشاورت کی مدینہ شریف میں ضرورت ہے اور ان کی اول کوشش یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے آئے ہیں۔ انہیں اپنے گھروں کو واپس کیا جائے۔ انہیں اس میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ جناب طلحہ رضی و زبیر رضی ان کی مدد کریں کہ فی الحال مدینہ شریف میں امن مانی نہیں کی جاسکتی۔ مفسدین اور باغیوں کا کافی اثر ہے۔ اور ان کے پاس طاقت بھی ہے۔

جناب طلحہ رضی و جناب زبیر رضی یہ سننے کے بعد کوفہ تو نہ گئے۔ لیکن وہ حضرت علی رضی کو کوئی مشورہ بھی نہ دیتے تھے اور اکثر لوگوں نے اس بات کو غلط رنگ میں پیش کر دیا۔ دراصل بات یہ تھی کہ حضرت علی رضی علم کا دروازہ تھے اور ان کو مشورہ دینا سورج کو چراغ دکھانے والی بات تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ رضی

نے فرمایا تھا کہ وہ امیر کی بجائے وزیر ہونا زیادہ پسند کریں گے اور پہلے خلیفہ آپ کے مشورہ کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ جناب علیؓ کے زمانے میں لوگوں کا کام تھا کہ ان کے احکام کی تعمیل کرتے جاتے اور پھر نتیجے دیکھتے۔

## حضرت عثمانؓ کے عامل

اب جناب علیؓ کے لئے سب سے بڑا اور مشکل مسئلہ یہ تھا کہ صوبوں میں جناب عثمانؓ کے مقرر کردہ عاملوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں۔ اکثر عامل یہ کہہ چکے تھے کہ حضرت علیؓ کو خلافت کی چاہت ہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تو ایسے لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فتنہ و فساد میں جناب علیؓ کا بھی ہاتھ تھا۔ پہلے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کا نام بھی لیتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے تمام تر بوجھ جناب علیؓ پر ڈال دیا اور جناب علیؓ اس سلسلہ میں پیشگوئی کر چکے تھے۔ ان حالات میں حضرت علیؓ کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عاملوں کو تبدیل کر دیں۔

## جناب مغیرہ بن شعبہ

جناب مغیرہ بن شعبہ جو منجھے ہوئے سیاستدان تھے، وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جناب علیؓ کی خدمت میں عرض کی کہ ”جناب عثمانؓ کے مقرر کردہ عاملوں کو تبدیل نہ کیا جائے“ اس پر جناب علیؓ نے اپنا نقطہ نظر جناب مغیرہؓ پر واضح کر دیا اور جناب مغیرہؓ لاجواب ہو گئے کہ سیاست صحیح علم کا سیدھا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جناب مغیرہؓ نے اس سلسلہ میں سوچ بچاؤ کرنے کا وعدہ کیا اور عرض کی کہ دو تین دن کے بعد وہ حتمی رائے دیں گے۔ چنانچہ دو تین دن کے بعد جناب مغیرہؓ نے حضرت علیؓ سے عرض کی کہ وہ ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ دراصل جناب مغیرہؓ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جناب علیؓ کے سامنے وہ اکثر لاجواب ہو جایا کریں گے اور جناب علیؓ کے طریقوں کے سامنے جناب مغیرہؓ کے طوطی طریقے کوئی مقام حاصل نہ کر سکیں گے اور قارئین اس نکتہ کو ذہن نشین کریں۔

## جناب عبداللہ بن عباسؓ

جناب عبداللہ بن عباسؓ بھی پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے صاف گوئی سے کام لیا اور فرمایا جناب مغیرہؓ کی پہلی رائے یا تجزیہ سیاسی لحاظ سے بالکل صحیح تھا۔ اب یہ دوسری رائے مصلحت کے تحت ہے کہ ہاں میں ہاں ملانی جا رہی ہے اور بے شک جناب عبداللہؓ صحیح تھے۔ اس کے بعد جناب مغیرہؓ بن شعبہ مکہ مکرمہ چلے گئے اور انہوں نے حضرت علیؓ کی کوئی مدد نہ کی بلکہ حضرت علیؓ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے آپ امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

اب جناب علیؓ کے پاس، جناب عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ کوئی اور عظیم صحابی موجود نہ تھا جو ان کو کوئی مشورہ دے سکے۔ کچھ صحابہ کرام یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ کچھ بین بین تھے اور کچھ دل سے حضرت علیؓ کے مخالف تھے۔ اس لئے حالات کو سہارا نہ مل رہا تھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اول ہرجسگد افراتفری تھی۔ پہلے حضرت عثمانؓ کے امرا کے خلاف شکایات تھیں۔ ایسی شکایات کرنے والوں کا ایک گروہ بن چکا تھا جس میں کچھ اہل سازش تھے۔ کچھ نادان اور کچھ تماشہ بین۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فائدے اٹھائے اور اس فکر میں تھے کہ اب کیا ہوگا۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے اور اس کا ازالہ ہونا چاہیے اور چوتھا گروہ ان سنجیدہ لوگوں کا تھا جو کہتے تھے کہ پہلے حضرت علیؓ کی مدد کی جائے کہ وہ حالات کو ٹھیک کریں اور باقی معاملات پھر طے ہوں۔

اب جناب علیؓ کے ساتھ اس چوتھے گروہ کے علاوہ پہلے گروہ کے نادان لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ کچھ اہل سازش نے بھی ادھر ہی پناہ حاصل کر لی۔ اور کچھ غیر جانبدار لوگ بھی وقتی طور پر جناب علیؓ کے ساتھ شامل تھے۔ قارئین اس نکتہ کو نوٹ کریں کہ جناب علیؓ کے ساتھ جو لوگ تھے۔ ان میں مکمل طور پر وحدت فکر نہ تھی۔

## مکمل غیر جانبداری

سب سے عجیب و غریب پہلو یہ تھا کہ کچھ لوگوں نے مکمل غیر جانبداری اختیار کر لی۔ ان

لوگوں میں عظیم صحابہؓ میں سے جناب سعدؓ بن ابی وقاص، جناب عبداللہؓ بن عمرؓ، جناب اسامہؓ بن زیدؓ، جناب زیدؓ بن ثابت اور جناب محمدؓ بن مسلمہ کے پایہ کے لوگ تھے۔ ایسے لوگ مکمل طور پر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور جناب سعدؓ فرماتے تھے کہ وہ اس صورت میں باہر نکلیں گے کہ ان کی تلوار کی آنکھیں ہوں اور وہ پہچان سکے کہ صحیح کون ہے اور غلط کون۔ تاکہ وہ صرف غلط آدمی پر وار کر سکیں۔ قارئین اندازہ لگائیں کہ قوم کتنے گروہوں میں بٹ چکی تھی۔

## جناب علیؓ کی مجلس مشاورت

اب جناب علیؓ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ خود گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر مشیر کی رائے میں اس کے ذاتی مقاصد کی جھلک ہوتی تھی۔ اس لئے ثقہ مشیر صرف جناب عبداللہؓ بن عباسؓ ہی تھے۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ باقی عالموں کو تو تبدیل کر دیا جائے لیکن امیر معاویہؓ کو نہ چھیڑا جائے۔ جناب علیؓ ہر کام کسی اصول کے تحت کرتے تھے۔ وہ جناب معاویہؓ کو کیسے رہنے دیتے۔ اول اگر عمال کو تبدیل کرنا ضروری ہے تو امیر معاویہؓ کو سرفہرست ہونا چاہیے تھا۔ کہ ان کی امارت کو بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ دوم دمشق میں امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف الزامات کی ایک مہم شروع کر دی تھی اور ان کی وفاداری پر نہ صرف شبہ تھا بلکہ صاف ظاہر ہو چکا تھا کہ جناب معاویہؓ حضرت علیؓ کے دل سے مخالف ہیں۔

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ چونکہ شام کے علاقہ کی سرحدیں ملک روم کے ساتھ ملتی ہیں۔ اس لئے جناب عبداللہؓ بن عباسؓ ایسے علاقہ کی ذمہ داری سنبھال لیں لیکن جناب عبداللہؓ نے دمشق کی ذمہ داری قبول نہ کی چنانچہ حضرت علیؓ نے عظیم انصار صحابی جناب سہلؓ بن حنیف کو ملک شام کے لئے عامل مقرر فرمایا۔ آپ اسلام لانے والے اولین لوگوں میں سے تھے اور انصار میں سے حضور پاکؐ نے جناب علیؓ کا عقد مواخذہ انہی سے کرایا۔

## حضرت علیؓ کے عامل

سب سے پہلے جناب علیؓ نے حضرت سہلؓ کو عامل بنا کر ملک شام کی طرف روانہ کیا۔ آپؓ

جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر انہیں ملک شام سے آنے والا ایک سوار دستہ ملا۔ ان لوگوں کو امیر معاویہ نے متعین کیا ہوا تھا کہ ملک شام میں داخل ہونے والے ہر آدمی سے پوچھ گچھ کریں اور جس شخص کی ہمدردیاں حضرت علیؓ کے ساتھ ہوں۔ اس کو ملک شام میں داخل نہ ہونے دیں لیکن ظاہری طور پر یہ الفاظ نہ استعمال کئے جائیں۔ چنانچہ ان سواروں نے جناب سہلؓ سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ جناب سہلؓ نے فرمایا کہ وہ امیر شام ہیں اور خلیفہ وقت نے ان کو اس کام پر مامور کیا ہے۔ سوار کہنے لگے کہ اگر حضرت عثمانؓ کے زمانے کا کوئی خط ہے تو وہ دکھا کر آگے جاسکتے ہیں اگر ایسا نہیں اور اگر وہ اپنی جان کی خیر چاہتے ہیں تو واپس مدینہ چلے جائیں۔ جناب سہلؓ کے پاس اتنی طاقت تو نہ تھی کہ وہ فوجی سواروں کے ساتھ لڑائی لڑتے یہ سب کچھ جناب معاویہؓ کی تجویز سیاست کے تحت ہو رہا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کا سیدھے طور پر تو انکار نہ کر رہے تھے بلکہ حالات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یہ طریقہ بالواسطہ تھا کہ وہ جناب علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس کا ردوائی کا یہ پہلا مظاہرہ تھا۔

## جناب قیس بن سعدؓ

مصر کے حالات عجب صورت اختیار کئے ہوئے تھے وہاں پر حضرت علیؓ نے عظیم انصار صحابی جناب سعد بن عبادہ کے بیٹے قیسؓ کو عاقل مقرر فرمایا۔ جناب سعدؓ کا ذکر پہلی کتاب میں بھی ہو چکا ہے کہ آپ خلافت کے امیدوار تھے اور سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع آپ ہی کی رائے سے ہوا تھا۔ بہر حال آپ اسلام کے عظیم فرزند تھے اور آپ کے بیٹے قیسؓ بھی مانے ہوئے بہادر اور مدبر مسلمان تھے۔ حضرت علیؓ کا یہ انتخاب بڑا صحیح نکلا۔ مصر کے حالات بہت خراب تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے کے عامل عبداللہؓ بن ابی مرثد مصر کو چھوڑ چکے تھے کہ بغاوت ہو گئی تھی اور عارضی طور پر محمد بن ابو خدیقہؓ نے امارت سنبھال لی تھی۔

جناب قیسؓ نے بڑی مصلحت سے کام لیا۔ انہوں نے راستے میں اپنی امارت کا کسی کے سامنے ذکر نہ کیا۔ انہوں نے ایلہ (عقاہ) والا راستہ استعمال کیا اور خاموشی کے ساتھ فسطاط پہنچ گئے۔ وہاں جا کر اعلان کر دیا کہ ان کو حضرت علیؓ نے امیر مقرر کیا ہے اور لوگوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لینے کا

لا جبال مصطفیٰ صفحہ ۱۱۳۳، ۱۱۸۱، ۱۲۵۰، اور ۲۹۰ پر ان کا ذکر ہے۔

اعلان بھی کیا۔ کافی لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی۔ لیکن جو لوگ کسی تذبذب میں تھے۔ انکو جناب قیسؓ نے مہلت دے دی اور کہا کہ وہ سوچ لیں۔ اس طرح مصر کے کافی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر جناب قیسؓ نے مصر کی عملداری سنبھال لی۔

## عثمان بن حنیف

جناب علیؓ نے بصرہ پر جناب عثمان بن حنیف کو عامل بنا کر بھیجا۔ وہاں پر حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی جناب عبداللہ بن عامر تھے اور آپ کے والد عامر حضرت علیؓ کے بھی چھوٹے زاد بھائی تھے۔ یہاں رشتہ داری تو دونوں طرف تھی لیکن حالات کے تحت جناب علیؓ ان کو تبدیل کر رہے تھے کہ غلط یا صحیح لوگوں نے ان کے خلاف شکایات کی تھیں۔ تیسری کتاب کے ساتویں باب میں ہم جناب عبداللہؓ کی فتوحات کا ذکر کر چکے ہیں۔ بہر حال بصرہ میں جناب عثمان بن حنیف نے امارت سنبھال لی۔ اور جناب عبداللہؓ مکہ مکرمہ چل پڑے۔ روایت ہے کہ ان کے پاس چھ لاکھ درہم کی رقم تھی اور یہ شاید ان کی اپنی ملکیت ہو کہ انہوں نے کافی جنگوں میں حصہ لیکر مالِ غنیمت حاصل کیا تھا۔ بہر حال بصرہ کے لوگوں نے جناب عثمان بن حنیف کے سامنے حضرت علیؓ کی بیعت کی اور اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا۔

## جناب عمارہ بن شہاب

جناب علیؓ نے حضرت عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا عامل مقرر کیا۔ وہ جب زیالہ کے مقام پر پہنچے تو ان کی ملاقات طلحہ بن خویلد سے ہو گئی۔ طلحہؓ اس علاقے میں کوفہ کے عامل جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف سے امیر تھے۔ انہوں نے جناب عمارہؓ کو بتایا کہ اس علاقے میں جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کے اعلان پر تمام لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے لیکن یہاں کے لوگ ابو موسیٰؓ کے بغیر کسی

لے طبقات ابن سعد کے مطابق ان فتوحات سے جناب عبداللہؓ نے حضرت عثمانؓ کی سفارش پر بیس ہزار درہم تو جناب علیؓ کو بھی پیش کئے تھے



اور شخص کو امیر دیکھنا پسند نہ کریں گے اور میں تم کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں گا۔ یہ بڑے عجیب حالات تھے۔ طلحہؓ خود بخود ایسا کر رہے تھے یا جناب ابو موسیٰؓ کا کوئی ایسا حکم تھا۔ بہر حال جناب عمارہؓ کو مدینہ واپس لوٹنا پڑ گیا جس کے بڑے خراب اثرات نکلے۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

## جناب عبید اللہ بن عباسؓ

جناب علیؓ نے یمن کے علاقے میں جناب عبید اللہؓ بن عباسؓ کو عامل مقرر فرمایا۔ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عثمانؓ کے زمانے کے عامل یعلیٰ بن منبہ اپنا مال و اسباب لاد کر مکہ مکرمہ روانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے جناب عبید اللہؓ کو کوئی خاص تکلیف نہ ہوئی۔

## تبصرہ

یہ تھے وہ حالات جن سے جناب علیؓ دوچار تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت نے اسلام کے مرکز کو پاش پاش کر دیا تھا۔ اور فتنہ سے فتنہ نکل رہا تھا۔ شام میں ایک طرح سے حضرت علیؓ کو تسلیم نہ کیا گیا۔ مصر میں کئی لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی۔ ہاں امیر حضرت علیؓ کی مرضی کا تھا۔ کونہ میں ابو موسیٰؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کا اعلان کر دیا کہ تمام لوگوں نے برضا و رغبت حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کے اپنے عامل واپس چلے جانے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو کوئی بھروسہ نہ تھا کہ وہ کونہ کے عامل یا لوگوں پر انحصار کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بصرہ کے علاقہ کی باگ ڈور حضرت علیؓ کے عامل نے سنبھال لی لیکن بصرہ اہل سازش کا گڑھ تھا اور ان میں سے اکثر لوگ حضرت علیؓ کی جگہ جناب طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یمن کو اتنی اہمیت نہ تھی اور مدینہ کے حالات لکھنے جا چکے ہیں کہ اکثر لوگ غیر جانبدار تھے۔ ان حالات میں جو لوگ یہ تنقید کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جناب عثمانؓ کے قاتلوں کو پکڑنے میں دیر کی وہ حالات کا بغور جائزہ نہیں لیتے۔

بہر حال جناب علیؓ نے حالات کو سنبھال دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے سب عاملوں کو

ہدایت کی کہ وہ حالات ٹھیک کریں۔ آپ نے جناب سبرہؓ جہنی کے ہاتھ جناب معاویہؓ کو ایک خط بھیجا کہ نہ تو انہوں نے حضرت علیؓ سے وفاداری کا اعلان کیا تھا اور نہ ان کے عامل کو اپنے علاقہ میں داخل ہونے دیا تھا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اب بھی وہ راہِ راست پر آجائیں جناب معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو تین ماہ تک اپنے پاس روکے رکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ربیع الاول چھتیس بجری میں جناب سبرہؓ کے ساتھ اپنے ایک قاصد قبیعہ جسی کو بھی ایک خط دے کر بھیجا اور کہا کہ کچھ باتیں زبانی بھی کرنا۔ خط میں صرف یہ کچھ لکھا تھا۔ ”علیؓ کی طرف اور معاویہؓ کی جانب سے۔“ یعنی خط اس لئے دیا کہ قاصد کی حیثیت تسلیم ہو جائے ورنہ بات کوئی نہ لکھی تھی۔

جناب علیؓ یہ خط دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبیعہ جسی سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ قبیعہ نے کہا ”میں قاصد ہوں اور آپ میرے لئے امن کا وعدہ کریں تو حالات عرض کروں گا“ جناب علیؓ نے فرمایا ”امن ہے“ قبیعہ کہنے لگا کہ ”میں شام میں ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آیا ہوں جو کسی طرح آپ سے راضی نہ ہوں گے۔ یعنی آپ کو خلیفہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ میں نے ساٹھ ہزار شیوخ کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیض پر روتے ہیں اور یہ قمیض لوگوں میں جوش پیدا کرنے کی غرض سے جامع دمشق کے منبر پر رکھی گئی ہے۔“

جناب علیؓ نے جواباً یہ فرمایا ”اے اللہ میں خونِ عثمانؓ سے بری ہوں۔ قاتلینِ عثمانؓ سے اللہ سمجھے۔“

لیکن وہاں کچھ ایسے لوگ بھی بیٹھے تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھیراؤ میں شریک تھے۔ وہ پکار اُٹھے ”کہ قبیعہ کتے کو مارو“ قبیعہ نے کہا کہ وہ امن طلب کر چکا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے قبیلہ کے چار ہزار لوگ تیار کھڑے ہیں۔ اگر میرا بال بھی بیکا ہوا تو وہ بدلہ لیں گے۔“ جناب علیؓ نے معاملہ رفع دفع کر دیا کہ قاصد کو امان ہے اور قبیعہ چلا گیا لیکن وہ صحیح تھا کہ امیر معاویہؓ نے مدینہ شریف کے شمال میں قبیعہ کے جسی قبیلہ کے ساتھ رابطہ قائم کیا ہوا تھا اور اگر قبیعہ کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوتی تو یہ قبیلہ مدینہ کی طرف پیش قدمی ضرور کرتا۔

### بذکر حالات

حالات ابھی اور بھیانک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت کی طرح قبیلے اور گروہ

آگے آ رہے تھے۔ بنو امیہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے انہوں نے اہل شام کو بھی ساتھ ملا لیا تھا اور باقی جگہ بھی ہمدردیاں پیدا کر رہے تھے۔ کئی قبیلوں کو بھی ساتھ ملا رہے تھے اور حضرت علیؓ کے پاس چند مخلص اور سنجیدہ لوگوں کو چھوڑ کر زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو یا تو حضرت عثمانؓ کے خلاف گھیراؤ میں شریک تھے یا گھیراؤ والوں کے حامی تھے یعنی وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ یا ان کے امرا کی کسی نہ کسی طرح مخالفت کر چکے تھے وہ تمام تر حضرت علیؓ کے ساتھی بنتے جاتے تھے کیونکہ دمشق میں جو کچھ ہو رہا تھا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے پرانے مخالفین کو ایک ایک کر کے حضرت علیؓ کی طرف دھکیل دیا۔

## جناب علیؓ کی شام پر لشکر کشی کی تیاری

اب جناب علیؓ کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ امیر معاویہؓ کو طاقت کے ذریعے راہ راست پر لاتے اور اگر لڑائی نہ بھی ہو تو جب تک کوئی فوج وہاں نہ بھیجی جاتی دمشق میں حضرت علیؓ کے نامزد کردہ عامل کا امارت حاصل کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اہل مدینہ نے حالات کو بھانپنے کے لئے حضرت علیؓ کا رد عمل معلوم کرنا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں زیادہ تر حنظلہ منیمہ جناب علیؓ کے پاس آتے اور پوچھا کہ ان کے کیا ارادے ہیں۔ حضرت علیؓ نے صاف صاف بتا دیا کہ جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔ زیادہ تر حضرت علیؓ سے عرض کی کہ وہ اس سلسلہ میں اور سوچیں۔ جناب علیؓ نے فرمایا کہ زبانی کوشش تب کامیاب ہو سکے گی جب اس کے ساتھ طاقت موجود ہو، اور آپؓ نے مجاہدین جمع کرنے شروع کر دیئے۔

لیکن اہل مدینہ کو جیسے ہی پتہ چلا کہ حضرت علیؓ کوئی فوج اکٹھی کرنا چاہتے ہیں تو ان میں سے اکثر نے مدینہ کو چھوڑ دیا بلکہ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ نے بھی حضرت علیؓ سے اجازت چاہی کہ وہ مکہ مکرمہ میں عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو نہ روکا۔ حضرت علیؓ مکہ مکرمہ کے بارے میں اس وقت تک فکرمند نہ تھے اور ان کو اُمید بھی نہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں بھی کوئی فساد ہو سکتا ہے اور بے شک فساد تو نہ ہو رہا تھا لیکن مکہ مکرمہ میں لوگ اکٹھے ہو چکے تھے جنہوں نے الام تراشی شروع کر رکھی تھی کہ حضرت علیؓ جناب عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کر رہے۔ مروان حضرت عثمانؓ کے

بیٹے، عبداللہؓ بن عامر سابق گورنر بصرہ سعید بن عاص سابق گورنر کوفہ وغیرہ سب مکہ مکرمہ پہنچ چکے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بھی وہیں تھے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حفصہؓ اور عبداللہؓ بن عمرؓ بھی مکہ مکرمہ میں تھے۔

حضرت علیؓ مدینہ شریف میں لشکر اکٹھا کرنے میں لگے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے بیٹے محمدؓ بن حنیفہ کے علاوہ عبداللہؓ بن عباسؓ، عمرو بن ابی سلمہ، عمرو بن سفیان اور جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے بھتیجے ابولیلیؓ بن عمر کو لشکر کے دستوں پر امیر مقرر فرمایا تاکہ وہ مدینہ کے گرد و نواح سے فوج اکٹھی کریں۔ پھر اپنے وفادار عاتقوں کو بصرہ، کوفہ اور فسطاط میں خط لکھے کہ وہ فوج اکٹھی کر کے مدینہ شریف بھیجیں۔

## تجزیر میں تبدیلی

جناب علیؓ اس تیاری میں تھے کہ ان کو خبر ملی کہ مکہ مکرمہ میں لوگ جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے گرد اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہاں پر ایک تحریک چل رہی تھی کہ حضرت علیؓ سے پوچھا جائے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو کیوں نہیں پکڑتے چنانچہ لوگ اس تحریک میں اکٹھے ہو کر مدینہ شریف کی طرف کوچ کریں گے۔ اب جناب علیؓ نے اہل مدینہ کو اکٹھا کیا اور ان کو حالات سے آگاہ کیا کہ بجائے اس کے کہ عظیم صحابہؓ مینزی مدد کرتے انہوں نے میرے ہی خلاف تحریک شروع کر دی ہے۔ اس لئے شام پر فوج کشی کرنے کا توفی الحال سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے پہلے مکہ مکرمہ چلیں اور عظیم صحابہؓ سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مدینہ شریف میں بھی اکثر لوگ تذبذب میں پڑ گئے اور ان کو سمجھ نہ آرہی تھی کہ کیا کریں لیکن جناب خزیمہؓ بن ثابتؓ، زیادؓ بن حنظلہ اور ابو الہیثمؓ بن التیہان نے لوگوں کو کچھ شرم دلائی۔ تب کچھ لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئے۔

۱۔ آپؐ کا مکمل ذکر تیسرے باب میں ہو گا جہاں آپؐ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

## تبصرہ

امیر معاویہؓ نے سیاست کے ذریعہ سے تین ماہ کی التوا حاصل کر لی تھی۔ اب مکہ مکرمہ میں الزام تراشی کے حالات سے بھی امیر معاویہؓ کو فائدہ ہوا کہ حضرت علیؓ کا رخ بھی تبدیل ہو گیا اور امیر معاویہؓ دمشق میں بیٹھ کر اپنی پوزیشن مضبوط کر رہے تھے۔

## حضرت علیؓ کا بصرہ کی طرف کوچ

حضرت علیؓ مکہ مکرمہ جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ خبر ملی کہ جناب زبیرؓ، جناب طلحہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ مکہ مکرمہ سے بصرہ کی طرف جا رہے ہیں۔ ان کو یہ امید تھی کہ وہاں پر زیادہ لوگ ان کی حمایت کریں گے اور وہاں سے تحریک شروع کر کے وہ طاقت کے ذریعے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور کریں گے۔ اب اس چیز کو بغاوت کا نام دیں یا نہ دیں، ہمیں خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ اس میں عظیم صحابہؓ ملوث ہیں۔ لیکن یہ طریق کار صحیح نہ تھا اور خود عظیم صحابہؓ اس تمام کارروائی پر نادم ہوئے۔ اسی لئے ہمیں بھی یہ الفاظ لکھنے کی ہمت ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا وہ ہم اگلے باب میں بیان کریں گے۔ فی الحال اتنا کافی ہے کہ جناب علیؓ نے جب یہ خبر سنی تو آپؓ نے فیصلہ کیا کہ اب مکہ مکرمہ کی بجائے بصرہ کا رخ کیا جائے۔ روایت ہے کہ عبداللہ بن سلام نے حضرت علیؓ کو بہت روکا۔ کہ وہ مدینہ شریف کو اس طرح نہ چھوڑیں اگر مسلمانوں کا امیر مدینہ شریف سے چلا گیا تو پھر امارت مدینہ شریف میں کبھی واپس نہ آئے گی۔ اور امام حسنؓ کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔ لیکن مشیت ایزدی بھی تھی اور حالات ایسی صورت اختیار کر چکے تھے کہ یا تو حضرت علیؓ خلافت سے دستبردار ہو جاتے یا حالات کو سنبھالا دینے کے لئے پہلے جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ سے معاملات طے کرتے اور یہ وہ ذاتی طور پر خود ہی کر سکتے تھے۔

بہر حال ابھی ایسے ہی صلاح و مشورے جاری تھے کہ خبر ملی کہ جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور ام المومنین عائشہؓ بصرہ پر قابض ہو گئے ہیں اور حضرت علیؓ کے عامل عثمان بن حنیف شکست کھا چکے ہیں۔ بصرہ میں

کیا کچھ ہوا۔ وہ سب ہم اگلے باب میں بیان کریں گے کہ یہ تمام واقعات جنگِ جمل کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور اگلا باب اسی موضوع پر ہے۔

## نتائج و اسباق

ہمارا خیال ہے کہ قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ نے کن حالات میں خلافتِ سنبھالی اور کن حالات سے دوچار ہوئے۔ یہ حضرت علیؓ کی شخصیت تھی کہ وہ مرکز کو کچھ مہارا دیتے رہے ورنہ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو حالات بد سے بدتر ہو جاتے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بیس سال تک بڑے پُر امن طریقے سے حکومت کی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر امیر معاویہؓ یا عمرو بن عاص جیسا کوئی سیاسی آدمی اس زمانے میں خلافتِ سنبھال لیتا تو حالات ٹھیک ہو جاتے۔ ہمارا تجزیہ ہے کہ اگر اس وقت ان میں سے کوئی ادھر آجاتا تو اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بچ جاتی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر جناب طلحہؓ یا جناب زبیرؓ، یا جناب سعد بن ابی وقاص یا عبداللہؓ بن عمرؓ جیسا کوئی صحابیؓ خلیفہ بن جاتا تو شاید حالات سنبھل جاتے۔ ہمارا تجزیہ ہے کہ ان صاحبان سے اگر کوئی بھی خلیفہ ہوتا تو صورت حال اور زیادہ تکلیف دہ ہوتی اور وہ بہت جلد خلافت سے دستبردار ہو جاتے۔ جناب سعدؓ اور جناب عبداللہؓ تو ان حالات میں گوشہ نشین ہو چکے تھے اور جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ نے جو کچھ کیا۔ اس پر وہ خود بعد میں نادم ہوئے۔ اور قارئین اگلے واقعات پڑھنے کے بعد خود تسلیم کریں گے کہ مرکز کو ان چار سال کے لئے حضرت علیؓ نے جو مہارا دیا وہ صرف آپؓ ہی دے سکتے تھے اور امیر معاویہؓ نے بعد میں جو بیس سال حکومت کی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چار سال کے بھیانک حالات نے لوگوں کو خاموش کر دیا لیکن امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد دس سال کے عرصہ میں حالات دوبارہ بدتر ہو گئے اور مسلمان ایک اور نئی ڈگر پر چل پڑے۔ یہ سب دراصل اسی زمانے کی آزاد فکری کا نتیجہ تھا جس کا ذکر ہم تیسری کتاب میں کر چکے ہیں۔

۱۰۲ اب ایسی باتوں کے کچھ لوگ بڑے عجیب و غریب تجزیے شروع کر دیتے ہیں کہ اسلام عملی طور پر صرف پہلے دو خلفاء کے زمانے میں نافذ رہا یا چند سال تک حضرت عثمانؓ کے عہد میں۔ تو پھر

کیا اسلام عملی مذہب نہیں؟ معاذ اللہ ایسی بات نہیں۔ یہی تو دین فطرت کا راز ہے کہ امتحان جاری ہے اور گئے گزرے زمانے میں بھی بلند مرتبہ لوگ صراطِ مستقیم پر قائم رہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی جان قربان کر کے اس راستے پر رہنے کا عملی ثبوت دیا۔ جناب علی رضی اللہ عنہ سب قباحتوں کے باوجود اسلام کے مرکز کو چار سال بہار ا دیتے رہے اور صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتے رہے اور امتحان اتنا سخت تھا کہ بڑے بڑے لوگ بھی متزلزل ہو گئے اور کئی لوگ تو مکمل طور پر دنیا کی طرف مائل ہو گئے۔

۳۔ پہلے ہی گزارش کر دی گئی ہے کہ زمانہ تبدیل ہو چکا تھا اور جناب علی رضی اللہ عنہ تبدیل شدہ حالات میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول کے صحیح راستے کی نشاندہی فرما رہے تھے اور جن مشکل حالات میں انہوں نے خلافت کا بوجھ سنبھالا یہ آپ ہی کی شخصیت تھی جو ایسا کر سکی۔

۴۔ قارئین ہم اب بہت مشکل زمانے میں داخل ہو رہے ہیں۔ قدم قدم اور لفظ لفظ میں اسباق ہیں جن پر تبصرہ سے بات لمبی ہو جائے گی لیکن اصلی بات یاد رکھیں اپنی آزادی فکر "افلاطونی"، حبت دنیا، گروہ بندی، ذاتی مفاد، نادانی، سازشیوں اور دانشوروں کا روپ دھار کر ہمیں گمراہ کرنا، فلسفہ حیات سے روگردانی اور جاہلیت کے قبائلی گروہ سب چیزیں واپس آ رہی تھیں۔ حق پر عمل کرنے والے چند لوگ تھے اور بڑے بڑے عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی ماحول کے اثرات ہو جاتے تھے۔ انسان توبہ کرے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم مانگتا رہے۔





## دوسرا باب

## جنگِ حمل (ایک حادثہ)

## مکہ مکرمہ کے حالات

پچھلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے حالات پر اس باب میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ اب قارئین خود ہی اندازہ لگائیں کہ جب قوم میں وحدت فکر ختم ہو جائے تو حالات کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ ایسے حالات جنہیں جناب علیؑ جیسی عظیم ہستی بھی مکمل طور پر سنبھالا نہ دے سکی۔ بڑے بڑے عظیم صحابہؓ کو یہ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ ترجیحات کیا ہیں۔ کچھ نے تو گوشہ نشینی کو پسند کیا اور کچھ نے حضرت علیؑ کے ہاتھ مضبوط کرنے کی بجائے قصاصِ عثمانؓ کو ترجیح دی۔

## ام المومنین حضرت عائشہؓ

اب لطف کی بات یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی معاملات کی تہہ تک نہ پہنچ سکیں آپؓ مکہ میں تھیں۔ جب آپؓ نے حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر سنی تو آپؓ نے جناب احفاب بن قیس کی ایک روایت کے مطابق لوگوں کو حضرت علیؑ کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا اور مدینہ منورہ میں سے افراتفری کے حالات کی خبر سن کر مکہ مکرمہ ہی میں رک گئیں۔ آپؓ کے ساتھ ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی تھیں بعد میں جناب عبداللہؓ بن عمرؓ، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ امیر معاویہؓ کی ہدایت پر مروان بھی مکہ شریف میں تھا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے دونوں بیٹوں کو لوگوں کے سامنے کیا اور جگہ جگہ یہ تقریر شروع کر دی کہ ان کے مظلوم باپ کا قصاص نہیں لیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے بصرہ کے عامل عبداللہؓ بن عامر اور یمن کے عامل یعلیٰ بن مہنبہ بھی وہاں آگئے اور کوفہ کا سابق گورنر سعید بن عامر بھی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا جس نے ایک نئی تحریک شروع کی کہ اب خلافت بھی مظلوم حضرت عثمانؓ کے بیٹوں کو ملنی چاہیے تاکہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جاسکے۔

## مکہ مکرمہ میں صلاح و مشورہ

چنانچہ مکہ مکرمہ میں صلاح و مشورہ کے بعد تحریک یہ شروع کی گئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سلسلے میں قصاص لینا امت پر فرض ہے اور اتنے مہینے گزر گئے ہیں حضرت علیؓ نے قصاص عثمانؓ کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں کیا۔ بنو امیہ کے لوگوں نے یہ شبہ دی کہ اب بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے خلاف گھیراؤ کرنے والوں اور ان کو شہید کرنے والوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ بد قسمتی سے کسی نیچے نہ سوچا کہ حضرت علیؓ کس کی مدد سے قصاص لیتے۔ ان کے پاس صرف چند وفادار ساتھی تھے۔ اور باقی ایسے لوگ تھے جن کی ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ تھیں جو حضرت عثمانؓ کا گھیراؤ کر چکے تھے۔ بہر حال جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور جناب عائشہؓ نے لوگوں کو اکٹھا کیا کہ وہ ایک تحریک کی صورت اختیار کریں اور حضرت علیؓ کو قصاص عثمانؓ کے لئے مجبور کریں۔ اس اکٹھے میں وحدت فکر پیدا نہ ہو سکی۔ صرف چند آدمیوں نے عظیم صحابہؓ کے ساتھ اتفاق کیا۔ زیادہ لوگ غیر جانبدار رہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بھی کافی تھی جنہوں نے اعلان کیا کہ پہلے جناب علیؓ کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں اور تمام مملکت میں امن قائم کیا جائے۔ قصاص والی بات کو اس کے بعد لایا جائے۔ یعنی پہلے فتنہ اور تفرقہ کو ختم کیا جائے۔ اور بے شک اسلام کے لحاظ سے یہی طریقہ کار درست ہے کہ جس امیر سے کام مطلوب ہو تو پہلے اس کی اطاعت کا دم بھرا جائے۔

اب جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور جناب عائشہؓ عجیب و غریب حالات سے دوچار ہو گئے۔ وہ کھلم کھلا طور پر حضرت علیؓ کے خلاف باتیں کر چکے تھے لیکن اہل مکہ نے ان کی مدد نہ کی اور وہ اگر مدینہ شریف واپس جاتے تو ان کو نادم ہونا پڑتا۔ اس لئے ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ حضرت علیؓ کی تنقید ہو چکی تھی۔ تحریک کے الفاظ کو استعمال کر لیا تھا لیکن جب اہل مکہ سے کوئی خاطر خواہ امداد نہ ملی تو عبداللہؓ بن عامر آگے بڑھا۔ اس نے کہا کہ ان کے پاس کافی رقم موجود ہے سفر کے لئے سواریاں اور خرچ کا بندوبست وہ کر سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ بصرہ کا رخ کیا جائے۔ وہاں کے لوگ جناب طلحہؓ کو پسند کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وجہ سے کافی لوگ ہمارے ساتھ مل جائیں گے اور ہم طاقت کے ذریعے جناب علیؓ کو مجبور کریں گے کہ یا تو وہ حضرت عثمانؓ

کے قصاص کا بندوبست کریں یا خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔  
 اس بات پر اتفاق ہو گیا۔ لیکن اسی دوران سعید بن العاص نے کہا کہ اگر ہم حضرت علیؓ کے  
 خلاف کامیاب ہو جائیں تو پھر خلافت حضرت عثمانؓ کے بڑے بیٹے کو ملنی چاہیے۔ جناب طلحہؓ  
 اور جناب زبیرؓ نے کہا کہ ایسی کوئی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ نو عمر لڑکوں کو خلیفہ بنایا جائے۔  
 خلیفہ وہ ہو گا جس کو امت چاہے گی اور وہ عمر رسیدہ آدمی ہونا چاہیے۔ اس بات کا کچھ آدمیوں نے  
 یہ مطلب یا کہ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ خلافت کے لئے اپنے آپ کو موزوں سمجھتے ہیں یا خلافت کے  
 امیدوار ہیں اور حضرت عثمانؓ کا قصاص ایک بہانہ ہے۔ چنانچہ وہاں پھر اختلاف پیدا ہو گیا۔

## گریہ وزاری والادن

یہ اختلافات کسی قسم کی جدائیاں لے آئے۔ اول تو جناب سعید بن عاص سابق گورنر کوفہ  
 جناب مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن خالد وغیرہ کسی لوگوں نے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ  
 دیا۔ جناب سعید بن عاص نے حضرت عثمانؓ کے بیٹوں کو بھی روکنے کی کوشش کی کہ وہ جناب طلحہؓ  
 اور جناب زبیرؓ کا ساتھ نہ دیں۔ لیکن مروان کی کوشش کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے دو بیٹے جناب ابانؓ  
 اور جناب ولیدؓ نے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کا ساتھ دیا۔ البتہ جناب عثمانؓ کے دو بیٹے جناب سعیدؓ  
 اور جناب خالدؓ کم عمری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مکہ ہی میں ٹھہر گئے۔  
 ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہی تھیں اور  
 ان کو بھی جناب عائشہؓ اپنے ساتھ بصرہ لے جانا چاہتی تھیں لیکن جناب عبداللہ بن عمرؓ ان کے  
 بھائی نے ان کو روک لیا۔

اب ایک گروہ یعنی جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، بصرہ کا سابق گورنر  
 عبداللہ بن عامر، مروان اور حضرت عثمانؓ کے دو بیٹے وغیرہ تو بصرہ جانے کو تیار تھے اور دوسرے  
 گروہ جن میں جناب عبداللہ بن عمرؓ، جناب حفصہؓ، جناب سعیدؓ، جناب مغیرہؓ اور حضرت عثمانؓ  
 کے دو چھوٹے بیٹے شامل تھے وہ مکہ میں ٹھہر گیا۔ روایت ہے کہ جب یہ لوگ ایک دوسرے سے الگ  
 ہوئے تو دونوں گروہوں میں لوگ اس قدر روئے کہ تاریخ میں اس کو گریہ زاری والادن کہا جاتا

ہے۔ ظاہر ہے کہ اکثر صحابہ کرامؓ یا ان گروہوں میں شامل لوگ بھی بڑے مخلص تھے لیکن اختلافات نے ان کی وحدت فکر کو پاش پاش کر دیا تھا۔ گریہ زاری میں بھی وہ مخلص تھے کہ جدائی ہو رہی تھی صرف بدنی طور پر نہیں بلکہ فکری طور پر بھی۔ لیکن ہر آدمی اپنے آپ کو صحیح سمجھ رہا تھا اور جب قوم کی وحدت فکر ختم ہو جائے تو ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے۔

## امامت میں اختلاف

بہر حال بصرہ جانے والوں کو اب ہم حضرت عثمانؓ کے خون بہا کا مطالبہ کرنے والا گروہ کہیں گے کہ ان کے ساتھ کافی لوگ شریک ہو گئے تھے اور سازش یافتہ کرنے والوں میں سے بھی کئی لوگوں نے اب پینترہ بدل کر اس گروہ میں شرکت اختیار کر لی۔ مکہ مکرمہ سے نکلے ہی تھی کہ ظہر کی ناز کا وقت آ گیا۔ سب لوگ رُک گئے تو مروان نے اذان دی۔ اب بحث شروع ہو گئی کہ امامت کون کرے۔ جناب طلحہؓ یا جناب زبیرؓ۔ اور یہ بحث اور زیادہ اختلافات پیدا کرتی کہ ام المؤمنین جناب عائشہؓ نے فرمایا کہ جناب عبداللہؓ بن زبیرؓ امامت کرائیں کہ وہ حافظ قرآن بھی ہیں۔ جناب عبداللہؓ کی قرآن پاک کے سلسلہ میں خدمات کا ذکر تیسری کتاب کے آٹھویں باب میں بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے ہوتے ہوئے ان کی امامت "نظریہ ضرورت" کے تحت تھی کہ اس گروہ کے اندر بھی کوئی وحدت فکر نہ تھی۔ ان کا اتحاد بھی منافی بنیادوں پر تھا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت میں وہ متحد تھے یا اس کو حضرت علیؓ کے خلاف خروج کا نام بھی دیا گیا ہے۔ بہر حال ہم صرف یہ کہیں گے کہ اسلام میں ہر اتحاد اللہ اور رسولؐ کے احکاموں کے تحت ہونا چاہیے اور منافی بنیادوں والے اتحاد کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے معاملات حل نہ ہو رہے تھے۔

## چشمہ خواب کے کتے

چنانچہ یہ قافلہ بصرہ کی طرف چلتا رہا کہ ایک منزل "چشمہ خواب" کے نزدیک پہنچ گئے۔ وہاں پر آکر کتے اس زور زور سے بھونک رہے تھے کہ سب حیران تھے، بلکہ یہ کتے دوڑ دوڑ کر آتے تھے اور

قافلہ کے اوپر حملہ کرتے تھے۔ جناب عائشہؓ نے پوچھا "کہ کونسا مقام ہے؟" عرض کی گئی "کہ چشمہ خواب ہے۔"

جناب عائشہؓ کو حضور پاکؐ کی ایک حدیث مبارکہ یاد آگئی جس میں آپؐ نے فرمایا تھا: "اے عائشہؓ! جب چشمہ خواب پر کتے بھونکیں گے تو تم غلطی پر ہوگی۔" حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ ان کے اونٹ کو بٹھا دیا جائے اور اب ہم آگے نہ جائیں گے چنانچہ ایک دن وہاں پر ہی قیام کیا اس گروہ میں جو سازش ولے تھے۔ انہوں نے تاڑ لیا کہ اگر جناب عائشہؓ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو ان کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک ڈھونگ رچایا۔ چند آدمی ایک طرف سے دوڑتے ہوئے آئے اور شور مچا دیا کہ خبر ملی ہے کہ جناب علیؓ کا لشکر ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ اس لئے یہاں سے بھاگ کر بصرہ پہنچیں کہ اپنی حفاظت کا کوئی بندوبست کریں اور ایسی ہٹ بونگ اور افراتفری مچائی گئی کہ جلدی میں جناب عائشہؓ کے اونٹ کو بھی اٹھا کر قافلہ میں شامل کر لیا کہ اب بات بچاؤ کی تھی۔ قارئین نقشہ اول پر حضرت علیؓ کے کوچ کا راستہ دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کا راستہ بھی الگ تھا اور شاید انہوں نے اس وقت مدینہ بھی چھوڑا تھا یا نہیں لیکن سازشی ہر جگہ کامیاب ہو رہے تھے۔

## بصرہ میں بخت مباحثہ

بہر حال جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور جناب عائشہؓ جب بصرہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے جناب عبداللہؓ بن عامر کو بصرہ بھیجا کہ جناب احنفؓ بن قیس اور صبرہؓ بن شیمان وغیرہ کے ساتھ بات کریں۔ یہ لوگ نہر کے عمائدین تھے اور ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی اور جناب احنفؓ پہلے جناب عبداللہؓ کے ماتحت کام کر چکے تھے جس کا ذکر تیسری کتاب میں موجود ہے۔ ادھر جناب علیؓ کے عامل جناب عثمانؓ بن حنیف نے عمرانؓ بن حصین اور ابو الاسود دولی کو جناب عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیجا کہ ان سے معلوم کریں کہ وہ کس غرض سے آئی ہیں۔ جناب عائشہؓ نے فرمایا کہ "وہ حضرت عثمانؓ کے تقاص کے سلسلہ میں لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا چاہتی ہیں تو عمرانؓ وغیرہ نے کہا کہ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ بھی آپؓ کے ساتھ ہیں جو حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے ہیں تو اب اس

خروج یا بغاوت کا کیا مطلب ہے" تو دونوں عظیم صحابہؓ کا جواب یہ تھا کہ "بیعت کے وقت تلوار ہمارے سر پر تھی اور بیعت اس شرط پر تھی کہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے گا۔"

## تبصرہ

قارئین تھوڑی دیر کے لئے مدینہ شریف واپس چلیں کہ بیعت کن حالات کے تحت ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں تو جناب طلحہؓ و زبیرؓ ٹھیک تھے کہ بیعت کے الفاظ شرعی حدود کو قائم کرنے کے بارے تھے اور شاید یہ بات عظیم صحابہؓ کے دل میں ہو کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے لحاظ سے اس سلسلے میں جناب عثمانؓ بن حنیف کا رد عمل صحیح تھا جس کا بیان آگے آتا ہے۔

## عثمانؓ بن حنیف کا رد عمل

اب عمرانؓ نے واپس جا کر بصرہ کے عامل جناب عثمانؓ کو حالات سے آگاہ کیا۔ جناب عثمانؓ نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کو بصرہ کے لوگوں نے تو شہید نہیں کیا اور نہ ہی قاتل یہاں موجود ہیں پھر ام المومنین حضرت عائشہؓ اور عظیم صحابی بصرہ کس کام کے لئے آئے ہیں۔ میں تو مرکز اور جناب علیؓ کا وفادار ہوں۔ چنانچہ جناب عثمانؓ بن حنیف نے اہل بصرہ کو بڑی مسجد میں اکٹھا کر کے انہیں صحیح حالات سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہم باہر نکل کر ام المومنینؓ اور عظیم صحابہؓ کو روکیں کہ وہ واپس مدینہ چلے جائیں۔ اور یہ معاملات جناب علیؓ کے ساتھ طے کریں۔ لیکن گورنر بصرہ کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ مسجد میں چند لوگوں نے ان کے خلاف باتیں شروع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ سازش والے ہر جگہ تفرقہ پھیلا رہے تھے۔ جناب عثمانؓ حالات کو زیادہ خراب نہ کرنا چاہتے تھے جن لوگوں پر ان کو بھروسہ تھا ان کو اکٹھا کیا اور شہر سے باہر نکل کر بصرہ میں داخلے کے راستوں کو مسدود کر دیا۔ زیادہ نفری کے ساتھ آگے بڑھ کر جناب عائشہؓ اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھیوں کو بصرہ سے واپس ہونے کے لئے کہا۔ آگے سے جناب عائشہؓ نے جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے طرز عمل کی وضاحت کی تو جناب عثمانؓ بن حنیف کے ساتھیوں میں حکیم بن جلدہ قسم کے لوگ بھی تھے۔ پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ یہی حکیم بن جلدہ جناب زبیرؓ کو گھر سے مسجد نبوی میں لے آیا تھا کہ خلافت کا فیصلہ کیا جائے چنانچہ اس نے سب کو

سخت سست کہا اور حضرت علیؓ کی سخت طرفداری کی اور ساتھ ہی کہا کہ جناب عائشہؓ کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ اس طرح گھر سے باہر نکلتیں۔ اس بات پر تو تو میں میں کی وجہ سے دونوں گروہوں میں لڑائی شروع ہو گئی جس کو بڑی مشکل کے ساتھ روکا گیا اور پھر بخت شروع ہو گئی کہ معاملات کے ساتھ کیسے پٹا جائے۔

## طرفین کی بحث

اب بحث نے ایک اور شکل اختیار کر لی۔ یہ سوچنے کی بجائے کہ اُمت کے معاملات کو کیسے حل کیا جائے۔ انہوں نے جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے طرز عمل پر بحث شروع کر دی کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کرنے کے بعد یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھیوں کا جواب تھا کہ بیعت مجبوری کے تحت کی گئی ہے۔ بات تو صحیح تھا لیکن حضرت علیؓ نے خلافت بھی مجبوری کے تحت سنبھالی تھی کیونکہ مرکز کو سہارا دینے کی ضرورت تھی لیکن معاملات بحث مباحثے میں تبدیل ہو گئے۔ فیصلہ ہوا کہ ایک وفد تشکیل دیا جائے جو مدینہ شریف جا کر معلوم کرے کہ صحیح صورتحال کیا ہے چنانچہ کعب بن سور قاضی کے ماتحت بصرہ سے مدینہ شریف کی طرف ایک وفد بھیجا گیا۔ اس دوران حضرت علیؓ مدینہ شریف چھوڑ چکے تھے۔

مدینہ شریف پہنچ کر کعبؓ نے مسجد نبویؐ میں جا کر حالات معلوم کرنے کی کوشش کی جناب اسامہ بن زیدؓ بول اٹھے "کہ جناب طلحہؓ و زبیرؓ نے مجبوری کی حالت میں بیعت کی" یہ سنتے ہی کچھ لوگوں نے جناب اسامہؓ پر حملہ کر دیا کہ وہ غلط کہتا ہے اور بڑی مشکل کے ساتھ جناب ابوالیوب انصاریؓ، صہیبؓ رومی اور محمد بن مسلمہ نے ان کو بچایا۔

کعبؓ جب واپس بصرہ پہنچے تو ان کی رپورٹ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے حق میں تھی۔ لیکن جب انہوں نے پوری کہانی سنائی تو حضرت علیؓ کے عامل جناب عثمانؓ نے کہا کہ یہ رپورٹ تو بین بین ہی ہے اور پھر بخت شروع ہو گئی لیکن اس دوران جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھیوں کی تعداد بڑھ چکی تھی اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ کے عامل جناب عثمانؓ کو گرفتار کر لیا۔ جناب علیؓ کے طرفداروں میں اب صرف حکیم بن جلدہ رہ گئے تھے۔ جنہوں نے جوابی حملہ کر کے جناب عثمانؓ کو

چھڑانے کی کوشش کی لیکن لڑائی میں وہ خود ہی مارا گیا اور بصرہ پر جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے حامیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ روایت ہے کہ ان تمام جھڑپوں میں تقریباً چھ سو مسلمان شہید ہو گئے۔ البتہ بصرہ پر قبضہ کر لینے کے بعد جناب طلحہؓ اور زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے عامل جناب عثمانؓ کو رہا کر دیا اور بعد میں وہ ذی قار کے مقام پر جا کر حضرت علیؓ کے ساتھ مل گئے۔

## حضرت علیؓ کا کوچ

پہلے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کو مدینہ شریف ہی میں خبر مل گئی تھی کہ بصرہ پر جناب طلحہؓ و زبیرؓ کا قبضہ ہونے والا ہے۔ بہر حال جناب علیؓ نے مدینہ شریف سے بصرہ کی طرف کوچ کیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ پہلے کوفہ سے کچھ امداد لیں گے اور پھر بصرہ کا رخ کریں گے۔ نقتہ اول کے مطالعہ سے حضرت علیؓ کے کوچ کے راستے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ آپؓ نے مکہ والا راستہ اختیار نہ کیا۔ جناب سہلؓ بن حنیف کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور مکہ میں قثمؓ بن عباسؓ کو عامل بنایا اور خود مدینہ شریف میں سے بڑی مشکل کے ساتھ کوئی سات سو مجاہدین اکٹھے کر سکے۔ آپؓ ان کو لے کر ذی قار کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ وہی ذی قار ہے جس کا ذکر پہلی کتاب میں اکثر ہوتا رہا کہ قادیہ کی فتح کے لئے یہاں پر مسلمانوں کا پڑاؤ ہوتا تھا۔ آج بدقسمتی سے اسی مقام پر اپنوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اکٹھے ہو رہا تھا۔

بہر حال مدینہ شریف سے چلنے کے بعد کچھ اور مجاہدین بھی جناب علیؓ کے ساتھ شامل ہوتے رہے اور تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ آپؓ کو زیادہ امداد کوفہ کے گوردونواح سے ملنے کی امید تھی لیکن آپؓ کو ذی قار کی طرف نہ جانا چاہتے تھے۔ آپؓ کا رخ ذی قار کی طرف تھا اور ذی قار پہنچنے سے پہلے ہی آپؓ نے محمدؓ بن ابوبکرؓ اور اپنے بھتیجے محمدؓ بن جعفر طیارؓ کو کوفہ بھیجا کہ گوردونواح کو ذی قار کو کہہ کر وہاں سے مجاہدین اکٹھے کریں لیکن جناب ابوموسیٰؓ نے صاف جواب دے دیا کہ ان حالات میں کسی جنگ پر نکلنے کی بجائے وہ بیٹھے رہنے کو ترجیح دیں گے۔ چنانچہ ان دونوں صاحبزادوں نے جناب علیؓ کے پاس ذی قار جا کر یہ خبر پہنچائی بلکہ روایت ہے کہ جناب ابوموسیٰؓ کے ساتھ ان کی ٹوٹو میں بھی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جناب علیؓ نے جناب عبداللہؓ بن عباسؓ



اور اشتر کو جناب ابو موسیٰؓ کے پاس بھیجا لیکن جناب ابو موسیٰؓ نے پھر بھی تامل کیا۔ جناب علیؓ نے اشتر کو جناب ابو موسیٰؓ کے سلسلے میں قائم مقام کے حقوق بھی دے دیئے تھے اور اشتر نے جناب ابو موسیٰؓ پر واضح کیا کہ جناب علیؓ کے قائم مقام کے طور پر وہ ان کو معزول کر سکتے ہیں۔ لیکن جناب ابو موسیٰؓ پھر بھی کسی مدد پر تیار نہ ہوئے بلکہ غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ یہ بڑی عجیب و غریب صورت حال تھی اور جناب عبداللہؓ بن عباسؓ کے مشورہ پر جناب ابو موسیٰؓ کو معزول نہ کیا گیا اور ایک دفعہ پھر حضرت علیؓ کو حالات سے آگاہ کیا۔ اب جناب علیؓ نے اپنے بیٹے امام حسنؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو بھیجا۔ ان سے پہلے جناب عائشہؓ نے بصرہ سے زیدؓ بن صوحان کو قاصد بنا کر بھیجا کہ وہ ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ البتہ جناب ابو موسیٰؓ نے مکمل غیر جانبداری کا اعلان کر دیا اور جناب عائشہؓ کو امداد دینے سے بھی انکار کر دیا۔

## بصرہ کا سابق گورنر

اس دوران ذی قار میں حضرت علیؓ کے مقرر کئے ہوئے بصرہ کے سابق گورنر جناب عثمانؓ بن حنیف بھی پہنچ گئے اور آپؓ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اپنے زخم دکھائے۔ جو لوگ حضرت علیؓ کی طرفداری کرتے ہوئے شہید ہوئے ان کا ذکر کیا۔ خاص کر حکیم بن جبہ کی بہادری کی بات کی اور جناب امیر المؤمنینؓ کو بتایا کہ ان کے متعدد ساتھی شہید ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے شہدار کے لئے دعا فرمائی اور جناب عائشہؓ اور عظیم صحابہ جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے طرز عمل پر افسوس کیا۔ خاص کر اس بات پر زیادہ افسوس ہوا کہ جناب طلحہؓ و زبیرؓ نے بیعت کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا۔

## قعقاعؓ بن عمرو

کوفہ کے مقام پر صرف ایک بات امید افزا تھی اور وہ جناب قعقاعؓ کی وہاں موجودگی تھی ورنہ جناب ابو موسیٰؓ نے تو اہل کوفہ کو صلاح دی کہ وہ اپنی تلواریں نیام میں رکھیں اور وہ ٹیکری بن جائیں

لے آپؓ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پہلی تینوں کتابوں میں آپؓ کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔

جس کے سایہ کے نیچے ہر طبقہ کا مسلمان بیٹھ سکے۔ جناب ابو موسیٰؓ کا مطلب مکمل غیر جانبداری سے تھا کہ کچھ بھی نہ کیا جائے لیکن ادھر حضرت علیؓ کے بصرہ کے سابق گورنر نے حالات کی صحیح نشاندہی کی تھی کہ برب کعبہ اسلام کی چکی چل چکی تھی۔ دیکھئے۔ اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ چھ سو آدمی بصرہ میں شہید ہو چکے تھے اور لوگوں کو سمجھ نہ آرہی تھی کہ کون صحیح کون غلط ہے۔ لیکن تعقاعؓ بن عمرو نے کوفہ میں اعلان کر دیا کہ ان پر فرض ہے کہ وہ مرکز کی وفاداری کریں۔

ادھر جناب ابو موسیٰؓ نے کہا کہ سنو قریش دارالہجرت یعنی مدینہ شریف کو چھوڑ چکے تھے تو تم لوگ کسی کا ساتھ نہ دو۔ جناب تعقاعؓ کے خیالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب عبدخیرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب ابو موسیٰؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی" جناب ابو موسیٰؓ نے ہاں میں جواب دیا۔ اب جناب عبدخیرؓ نے سوال کیا "کہ حضرت علیؓ کی بیعت کیوں توڑی جا رہی ہے؟" تو جناب ابو موسیٰؓ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اب عبدخیرؓ نے ادھر کھڑے ہوئے بڑی پیاری تحریر کی کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان حالات میں جناب علیؓ کی مدد کرے۔

امام حسنؓ اور جناب عمارؓ بن یاسرؓ بھی مسجد میں پہنچ چکے تھے۔ اب امام حسنؓ نے آگے بڑھ کر منبر سنبھال لیا۔ انہوں نے حالات کا جائزہ بڑے پیار سے الفاظ میں پیش کیا اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ ویسے جناب علیؓ اور جناب فاطمہؓ کے عظیم فرزند اور حضور پاکؐ کے نواسے جناب امام حسنؓ کے جلال و جمال کو شاید اہل کوفہ میں سے کچھ لوگ پہلی دفعہ دیکھ رہے تھے۔ اور روایت ہے کہ آپ کافی حد تک حضور پاکؐ کے ہم شکل تھے تو جناب حسنؓ کی تقریر سن کر اہل کوفہ نے دیوانہ وار حضرت علیؓ کے حق میں نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ اشر نخعی بھی نزدیک تھا اور اس کے تمام قبیلے نے حضرت علیؓ کی مدد کا اعلان کیا۔ اس طرح نو ہزار مجاہدین نے جناب علیؓ کی امداد کا اعلان کر دیا اور جناب ابو موسیٰؓ کو کہا کہ وہ کوفہ کی امارت سے مستعفی ہو جائیں۔ دراصل کچھ لوگ ابو موسیٰؓ کا سامان لٹے پر بھی تیار ہو گئے لیکن اشر نے انہیں منع کیا۔

## لشکر کی ترتیب

امام حسنؓ نے کوفہ کے لشکر کو ترتیب دی۔ جناب معقل بن بسیرا کو قبیلہ اسد، کنانہ، ہمیم، رباب

اور مزینہ پر امیر مقرر کیا۔ قابل قیس زیادہ تعداد میں تھے ان پر مختار ثقفی کے چچیرے بھائی سعد بن مسعود ثقفی کو امیر مقرر کیا اور مخدوم زہلی کو بنو بکر، بنو تغلب اور بنو علتہ کا امیر بنایا۔ حجر بن عدی کو قابل مذبح اور اشعریں پر امیر مقرر کیا۔ مخنف بن سلیم کو قبیلہ بجیلہ، انار، خشم اور ازد کا امیر بنایا۔ کوفہ والوں کے چار لشکر بنائے گئے جن پر سعد بن مالک، ہند بن مالک، ہند بن عمرو، شہیم بن شہاب امیر تھے اور ان چاروں پر آگے جناب قعقاع بن عمرو امیر مقرر کئے گئے۔ جنگ کی ترغیب دینے والے یعنی جو لوگ خطبات دیتے تھے ان میں عدی بن حاتم، اشتر نخعی، زید بن صوحان، صیب بن کبیر اور زید بن قیس وغیرہ شامل تھے۔ زید بن صوحان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جناب عائشہؓ کا پیغام لے کر ابو موسیٰ کے پاس آئے تھے۔ لیکن اب وہ بھی جناب علیؓ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

## ذی قار میں اجتماع

یہ تمام لشکر کوفہ سے ذی قار کی طرف کوچ کر کے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح قبیلہ عبد القیس کے لوگ یا دوسرے لوگ جو بصرہ میں جناب طلحہؓ اور زبیرؓ سے اختلاف کرتے تھے یا وہ لوگ جن کے رشتہ دار بصرہ کی جھڑپوں میں شہید ہو چکے تھے وہ بھی سب ذی قار کی طرف آگئے اور حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف گھیراؤ وغیرہ میں حصہ لیا تھا۔ ان میں سب قبیلوں کے لوگ تھے اور اب غیر جانبدار رہنے کی بجائے ان میں سے کچھ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور کچھ جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر میں۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنی حفاظت بہتر طور پر کر سکیں گے۔

جناب علیؓ نے تمام مجاہدین کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ ان کی اگلی منزل بصرہ ہے۔ آپؓ نے تمام تر حالات کا جائزہ پیش کیا اور فرمایا کہ "وہ خانہ جنگی نہیں چاہتے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ اور جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں کہ آخر وہ کیا چاہتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے میں قعقاع بن عمرو کو بصرہ بھیج رہا ہوں کہ وہ ام المومنین اور عظیم صحابہؓ کے ساتھ بات چیت کریں۔ ہم ان کے پیچھے پیچھے کوچ کریں گے۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنے کی ضرورت ہوئی تو ہم نزدیک ہی ہوں گے۔ اس طرح آپؓ نے جناب قعقاعؓ کو بصرہ روانہ کرنے کے بعد اپنے لشکر کو بصرہ کی

طرف کوچ کے احکام دیئے۔ لشکر کی تعداد پندرہ سے بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔

## جناب قعقاعؓ کا وفد

جناب قعقاعؓ جب حضرت علیؓ سے الگ ہونے لگے تو حضرت علیؓ نے فرمایا: "اے قعقاعؓ تم صحابی ہو میں نے تمہیں کوئی زیادہ ہدایات نہیں دیں۔ آپؓ معاملات کو کیسے طے کریں گے؟ جناب قعقاعؓ نے عرض کی "اے امیر المومنینؓ! آپؓ حق پر ہیں اور ہمیں سب کچھ معلوم ہے اور جو بات ہمیں معلوم نہ ہو گی اس کے سلسلہ میں ہمارا اجتہاد انشاء اللہ صحیح ہوگا۔" جناب علیؓ یہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور جناب قعقاعؓ جس طرح میدان جنگ کے شیر تھے۔ مسلمانوں میں مصالحت کرانے یا وحدت پیدا کرنے میں بھی اتنے ہی شیر تھے۔ اس لئے وہ سیدھے ام المومنین جناب عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پوچھا "آپؓ کو کس چیز نے خروج پر آمادہ کیا؟" ام المومنینؓ نے فرمایا: "اختلافات اور ان کی اصلاح نے۔"

اب جناب قعقاعؓ، جناب طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: "آپ لوگ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

قعقاعؓ: "اس اصلاح کی وجہ کیا ہے اور آپؓ کو اس کا کیا حق حاصل ہے؟" جناب طلحہؓ و زبیرؓ: "قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینا۔ اگر وہ لوگ قصاص سے بری کر دیئے جائیں تو عمل بالقرآن ترک ہو جائے گا۔"

قعقاعؓ: "آپؓ لوگوں نے قاتلین عثمانؓ کا قصاص لینے کی تحریک میں بصرہ کے چھ سو مسلمانوں کو شہید کر دیا جس کی وجہ سے چھ ہزار سے زیادہ آدمی آپؓ کے دشمن ہو گئے۔ آپؓ نے اس کے بعد حرقص بن زبیر کا تعاقب کیا تو ایسے "چھ ہزار آدمیوں" نے اس کو پچالیا۔ اس طرح اگر یہ عمل جاری رہا تو دشمنیاں بڑھتی جائیں گی۔ ایسی صورت میں اصلاح کہاں سے آئے گی؟"

ام المومنین عائشہؓ: (قعقاعؓ سے مخاطب ہو کر) "پھر تمہاری کیا رائے ہے؟"

قعقاعؓ: اس امر کا علاج بالفعل فتنہ فرد کرنا ہے اور مصالحت سے کام لینا ہے۔ اس کے بعد قصاص کی بات ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو عافیت حاصل ہو۔ آپؓ لوگ خیر و برکت کی کلید ہیں ہم کو مصیبت

میں نہ ڈالیں۔ درنہ آپؑ بھی آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ اس سے ہر دو گروہ کو نقصان پہنچے گا اور فتنہ ختم نہ ہوگا۔“

اس تقریر کا جناب ام المومنینؑ اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ پر بڑا اثر پڑا اور انہوں نے فرمایا کہ ”تمہاری رائے بڑی صائب ہے۔ آپ حضرت علیؑ کے پاس جائیں اور ان کو ہماری رائے سے آگاہ کریں کہ صلح ہو سکتی ہے۔“

چنانچہ جناب عقیقہؑ نے حضرت علیؑ کے پاس واپس جا کر ان کو یہ خوشخبری سنائی اس کے بعد جناب علیؑ نے اپنے لشکر کو اور آگے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ بالمشافہ بات چیت ہو سکے۔ آپ قبیلہ عبدالقیس کی فرودگان سے ہوتے ہوئے زادیہ پہنچے اور وہاں سے بصرہ کی طرف کوچ کیا۔ جناب ام المومنینؑ اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر نے بھی بصرہ سے نکل کر فرضہ پر پڑاؤ کیا اور پھر آگے بڑھے اور دونوں لشکر قصر کے مقام پر ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر آمنے سامنے ہو گئے۔ بصرہ کے لشکر کی تعداد بیس سے تیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔

## سازش

اس سے آگے کے حالات میں کافی تضاد بیانی ہے اور حالات کی ترتیب میں مورخین نے الگ الگ آراء دی ہیں کہ پہلے کیا کچھ ہوا۔ بہر حال جس چیز پر سب مورخین اور راوی متفق ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ میں سے کوئی بھی فریق جنگ و جدل کے خواہاں نہ تھے بلکہ حضرت طلحہؓ کے بیٹے محمدؓ سخت کوشش میں تھے کہ کسی طرح سے صلح ہو جائے۔ وہ ذاتی طور پر حضرت علیؑ کے بہت مداح تھے اور ان کو حق پر سمجھتے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ اس سلسلہ میں ملاقات بھی کی۔ یہی حالت امام حسنؑ کی تھی۔ جناب طلحہؓ ان کے خسر تھے کہ جناب طلحہؓ کی بیٹی ام اسمعقہؑ ان کے نکاح میں تھی بلکہ آپؑ کی وفات کے بعد امام حسینؑ نے ان کے ساتھ نکاح کیا۔ یہی حالت جناب زبیرؓ کی اپنی تھی کہ حضرت علیؑ ان کے ماموں کے بیٹے بھی تھے۔

لیکن ایسے لوگ دونوں لشکروں میں شامل تھے جو جنگ چاہتے تھے اول تو عبداللہ بن سبا کے فرقہ کے لوگ دونوں لشکروں میں موجود تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے گھیراؤ میں حصہ لیا تھا۔ حضرت علیؑ

کے لشکر میں اکثر نخعی وغیرہ کی ہمدردیاں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھیں اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر میں مروان وغیرہ چاہتے تھے کہ جنگ ہو جائے اور وہ چھپے ہاتھوں سے ایسے سازشیوں کی مدد کر رہے تھے جو جنگ چاہتے تھے۔

جناب قعقاعؓ کے وفد کے نتائج کے طور پر دونوں لشکروں میں اعلان کر دیا گیا کہ قاتلین عثمانؓ ان کے لشکروں سے الگ ہو جائیں۔ اب "قاتلین عثمانؓ" کے بڑے وسیع معنی ہونے لگے تھے اور اس پہلو کو مورخین اور راوی ٹھیک طور پر نہیں بیان کر سکے۔ بہر حال مختلف تاریخوں کے مطالعہ سے جو کچھ ہم سمجھ سکے ہیں۔ اس لحاظ سے قاتلین عثمانؓ دراصل وہ چند آدمی تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھر کے اندر گھس گئے تھے اور ان میں سے بھی محمد بن ابوبکرؓ اور ایک دو واپس آگئے کہ وہ چند مطالبے پیش کرنا چاہتے تھے لیکن دوسروں کی نیت میں فتور دیکھ کر وہ واپس آئے تھے۔ فتور والوں کی تعداد درجن بھر تھی جن میں سے تین مارے جا چکے تھے۔

لیکن اصل بات یہ تھی کہ ابھی تفتیش ہونا باقی تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اصل محرکین کون تھے ورنہ ہزار ڈیڑھ ہزار آدمی جو حضرت عثمانؓ کا گھیراؤ کئے ہوئے تھے وہ سب قاتلین کے زمرہ میں نہ آتے تھے اور نہ ہی ان سب کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا جاسکتا تھا لیکن حالات نے ایسا چکر کھایا کہ سب لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کا گھیراؤ کیا ان کو قاتلین عثمانؓ کے نام سے پکارا جانا شروع کر دیا گیا۔ اور ان میں سے بعض نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سب حضرت عثمانؓ کی شہادت یا قتل کے ذمہ دار ہیں بلکہ ان کے قبیلہ کے لوگ یا حضرت عثمانؓ کے امراء کے مخالف کئی لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں حق بجانب تھے۔ علاوہ اب بصرہ میں چھ سو آدمی مارے گئے تھے ان کے ورثاء بھی حضرت عثمانؓ کے ہمدردوں کے خلاف ہو چکے تھے۔

یہ ہے وہ پہلو جس کو مبصرین نے ہمیشہ نظر انداز کیا اور اس کی ذمہ داری حضرت علیؓ پر نہ آتی تھی جو غیر جانبدار یا گوشہ نشین ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ کی مدد نہ کی یا حضرت علیؓ کو غلط وقت پر قاتلین عثمانؓ سے پیٹنے کے لئے کہہ رہے تھے یا حضرت علیؓ کے خلاف تحریک چلائی یا حضرت علیؓ کو خلیفہ ہی تسلیم نہ کیا۔ اب "قاتلین عثمانؓ" ایک گروہ تھا اور وہ ایک طاقت تھے اور ایسے لوگ دونوں لشکروں میں موجود تھے۔ جب دونوں لشکر خالی یہ اعلان کر چکے کہ ان کے ہاں قاتلین عثمانؓ کے

لئے کوئی جگہ نہیں تو یہ کوئی ایسا طریقہ نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جن لوگوں نے گھیراؤ میں حصہ لیا تھا۔ ان کو پکڑ پکڑ کر باہر نکالا جاتا بلکہ یہ اعلان تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں سے کچھ لوگ ضرور الگ ہوئے لیکن کچھ خاموشی سے دونوں لشکروں میں موجود رہے اور ایسے اشخاص کا ایک دوسرے کا ساتھ بھی رابطہ تھا۔

## قاتلین عثمانؓ

ابن خلدون کے مطابق اشتر نخعی، عبداللہ بن سبا اور خالد بن ولید حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھے اور ان کو شک تھا کہ اگر تفتیش ہوئی تو ان پر کچھ نہ کچھ بات ضرور آئے گی بلکہ جناب علیؓ کے لشکر میں عدی بن حاتم، شریح بن اونی، سالم بن ثعلبہ اور علیا بن ابیہثم کی ہمدردیاں بھی قاتلین عثمانؓ کے ساتھ تھیں۔ جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکروں میں "قاتلین عثمانؓ" پردے اور پوشیدگی میں کام کر رہے تھے۔ دونوں لشکروں کے ایسے لوگوں نے خفیہ ملاقات کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ صلح ان کو بڑی مہنگی پڑے گی اور ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ عدی بن حاتم نے کہا کہ سیدھے طور پر ہم حضرت عثمانؓ کے قتل میں ملوث نہیں اور ہم سب کو کیسے قتل کیا جاسکتا ہے ہاں جو ملوث ہیں ان کو سزا ملنی چاہیے اور اگر سب کو پکڑ کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی تو پھر ہم بھی آگے سے لڑائی لڑیں گے۔

اشتر نے کہا کہ اس کی نوبت نہ آنے دی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ جناب علیؓ اور جناب طلحہؓ کو بھی شہید کر دیا جائے لیکن عبداللہ بن سبا نے کہا کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں کوئی اور طریقہ اختیار کرو۔

## تبصرہ

ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے وہ ابن خلدون کی متعدد تاریخوں سے نچوڑ کے طور پر لکھا ہے اور سب تاریخوں میں اشتر اور عدی بن حاتم کی اس خفیہ اور پوشیدہ میٹنگ میں ان باتوں یا اس قسم کی کچھ باتوں کا ذکر ہے۔ لیکن دونوں کے کردار کو جانتے ہوئے مجھے ذاتی طور پر جناب عدیؓ کی اس میٹنگ میں شرکت پر بھی شک ہے اور اشتر یہ لفظ نہ کہتا کہ حضرت علیؓ کو بھی شہید کر دیا جائے۔ خیال ہے کہ یہ محض اضافی

باتیں ہیں۔ اصل میں سب شرارت عبد اللہ بن سبا کی تھی اور اس نے قاتلین عثمانؓ کے گردہ کو سمجھایا کہ صلح انہیں بہت مہنگی پڑے گی اور اس نے یہ تجویز پیش کی :

”تمام قاتلین عثمانؓ اپنے اپنے قبیلوں میں شامل رہیں اور صلح کے اعلان والے دن صبح کو دونوں طرف سے قاتلین عثمانؓ اپنے ساتھیوں کو درغلا کر اپنے بالمقابل لشکروں پر حملہ کر دیں جو لوگ حضرت علیؓ کے لشکر میں ہیں، وہ شور مچائیں کہ حملہ جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر نے کیا اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر والے سارا الزام حضرت علیؓ کے لشکر والوں پر دیں۔ اس طرح جب لڑائی شروع ہو جائے گی تو اس کے بعد جو گروہ بھی فتح حاصل کرے گا اس کو ہماری ضرورت ہوگی۔“

اور آگے چل کر یہی ہوا۔ اس صلاح میں کون کون لوگ شامل تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنی رائے دے دی ہے۔ لیکن ہر لشکر میں گروہوں کی حد نہ تھی جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دونوں لشکروں کے علاوہ ایک اور گروہ بھی تھا جو بصرہ سے الگ ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ یہ جناب احنفؓ بن قیس کا گروہ تھا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ تیسری کتاب کے ساتویں باب میں جن فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں جناب احنفؓ نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ شہادت عثمانؓ کے وقت آپ مکہ میں تھے اور جناب عائشہؓ سے مشورہ کے بعد مدینہ شریف گئے۔ وہاں حضرت علیؓ کی بیعت کی اور واپس بصرہ آگئے۔ اب جب ام المومنینؓ واپس بصرہ آئیں تو انہوں نے جناب عبد اللہ بن عامر کو جناب احنفؓ کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کا ساتھ دے۔ جناب احنفؓ نے جواب دیا کہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کر چکا ہوں اور اس بیعت کو توڑنا پسند نہ کریں گا۔ اب جب ایک طرف حضرت علیؓ کا لشکر تھا اور دوسری طرف ام المومنینؓ اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ کا۔ تو جناب احنفؓ غیر جانبدار ہی رہنا چاہیے تھے اور جناب علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پوزیشن کی وضاحت کی۔ جناب علیؓ نے حضرت احنفؓ کو غیر جانبدار رہنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ وہ خود کوئی جنگ و جدل نہیں چاہتے وہ تو جناب طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ بھی ہر قیمت پر مصالحت کرنے کو تیار ہیں۔

## جناب علیؓ کی جناب طلحہؓ و زبیرؓ سے بات چیت

چنانچہ حضرت علیؓ نے جناب طلحہؓ و زبیرؓ کو بلا کر پوچھا کہ ان لوگوں نے ان کے خلاف کیوں خرچ

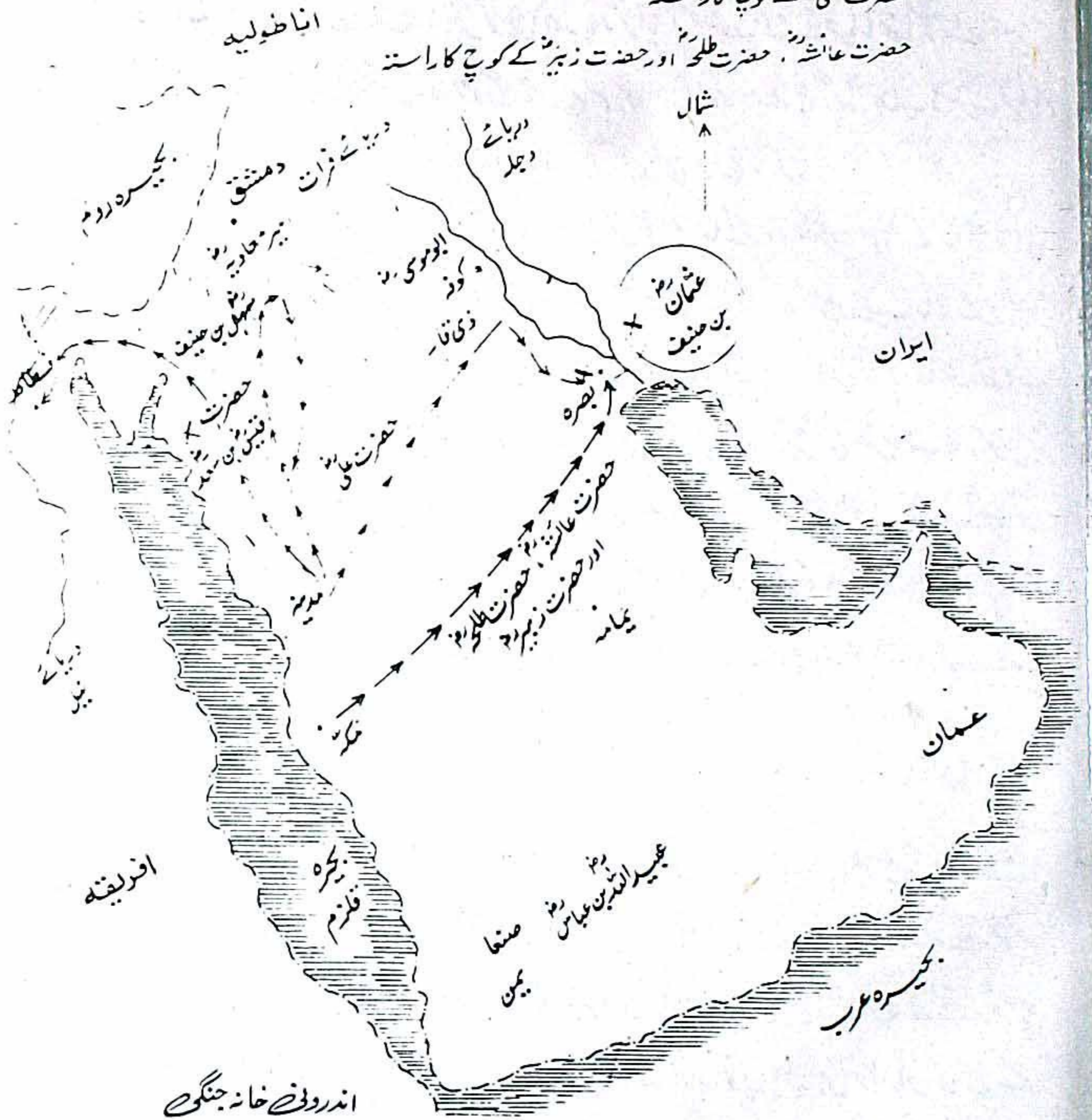


نقشہ اول۔ جنگِ جبل۔ میدانِ جنگ X ۲۵ ہجری

حضرت علیؓ کے کوچ کا راستہ

حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے کوچ کا راستہ

شمال



اندرونِ خانہ جنگی  
حضرت علیؓ کے عامل اور حالات کا نقشہ

۱ ۲ ۳ ۴  
میل

کیا ہے۔ جناب طلحہؓ نے کہا کہ "آپؐ حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش میں شامل تھے۔" جواباً حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "جن لوگوں نے ایسا کیا ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو" اس جواب پر جناب طلحہؓ خاموش ہو گئے۔ اب جناب علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو بلایا اور یاد کرایا کہ حضور پاکؐ نے فرمایا تھا کہ "اے زبیرؓ بے شک ایک دن تم ایک ایسے شخص سے لڑو گے جس پر تم ہی ظلم کرنے والے ہو گے۔" جناب زبیرؓ نے فرمایا، "مجھے یاد آگیا اور اگر آپؐ یہ بات پہلے یاد کرا دیتے تو میں کبھی بھی خروج نہ کرتا۔"

اس کے بعد جناب زبیرؓ نے اعلان کر دیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی میں شامل نہ ہوں گے۔ ان کے بیٹے عبداللہؓ نے کہا آپؐ جنگ سے ڈر گئے۔ ہمیں عجیب حالات میں چھوڑ کر یہ کہہ رہے ہیں۔" جناب زبیرؓ نے فرمایا "بیٹا! جو کچھ مرضی ہے کہہ لو میں اس تمام معاملہ سے اب کنارہ کش ہوں۔" یہ بھی روایت ہے کہ بات چیت کے دوران جناب زبیرؓ کی نظر جناب عمارؓ بن یاسرؓ پر پڑ گئی جو نوے برس کی عمر کے قریب ہوتے ہوئے بھی حضرت علیؓ کے لشکر میں شریک تھے تو جناب زبیرؓ کو حضور پاکؐ کی ایک حدیث مبارکہ یاد آگئی "کہ اے عمارؓ تم کو باغی لوگ شہید کریں گے۔" اس لئے جناب زبیرؓ اپنے لشکر میں الگ تھلگ بیٹھ گئے اور صلح کی بات چیت کا انتظار کرنے لگے۔

## اہل بصرہ کا لشکر

جناب علیؓ کے لشکر میں جو اہل کوفہ شامل تھے، ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ام المومنینؓ کے لشکر میں جو اہل بصرہ شامل تھے، ان میں قابل ذکر قبیلہ مضر اور زبایہ تھے جن کی امارت بسر کر رہے تھے۔ بنو تمیم اور بنو غمر کے لوگ بھی تھے جن کے امیر ابو الحریبا تھے۔ بنو حنظلہ کی کمانڈ ہلال بن ربیع کر رہے تھے۔ بنو سلیم کے کمانڈر جناب مجاشعؓ بن مسعود تھے۔ جن کا ذکر تیسری کتاب کے ساتویں باب میں خراسان کی فتح کے سلسلہ میں اکثر کیا جا چکا ہے۔ بنو عامر اور بنو عطفان کے امیر زفر بن الحارث تھے۔ قبیلہ ازد کی کمانڈ صبرہ بن شیمان کر رہے تھے اور بنو بکر، مالک بن مسمع کے ماتحت تھے۔ بنو ناجیہ کے سردار حریث بن راشد تھے اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ لشکر کی کل تعداد بیس، تیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور تقریباً ہر قبیلہ کے لوگ دونوں لشکروں میں شامل تھے۔

## صلح کا فیصلہ

صلح کی بات چیت جاری تھی۔ حضرت علیؓ کی طرف سے جناب عبداللہؓ بن عباسؓ نے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ سے ملاقات کی۔ صلح کی شرائط طے ہو گئیں۔ ان شرائط کا چونکہ اعلان نہ ہوا۔ اس لئے مورخین تفصیل میں نہیں گئے کہ یہ شرطیں کیا تھیں۔ ہم بھی اس تفصیل اور تضاد بیانی کو موضوع نہیں بنانا چاہتے لیکن شرائط وہی تھیں جو حضرت علیؓ چاہتے تھے اور جناب قعقاعؓ ان کا اعلان کر چکے تھے۔ بے شک اس میں جناب علیؓ حق پر تھے اور اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کے بیانات پہلے سے موجود تھے۔ اس لئے یہ معاملہ بالکل اختلافی نہیں ہو سکتا۔

بہر حال شرائط کا اعلان دوسرے دن صبح سویرے ہونا تھا کہ ان پر کارروائی کی جانا تھی۔ اس لئے دونوں طرف کے لشکر والے بڑے آرام سے سوئے اور وہ صبح کا انتظار کر رہے تھے۔

## اچانک جنگ شروع ہو گئی

لیکن ابھی صبح کی اذانیں نہ ہوئی تھیں بلکہ پو پھٹنے کے بھی کوئی آثار نہ تھے کہ دونوں لشکروں سے شور اٹھا "کہ دھوکا ہو گیا، وعدہ خلافی ہو گئی، یہ دغا بازی ہے" بصرہ کے لشکر والے شور مچا رہے تھے کہ ان پر حضرت علیؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن سنانے جو سازش تیار کی تھی وہ کامیاب ہو گئی اور دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ اب جناب علیؓ آگے بڑھے اور انہوں نے اعلان فرمایا: "کہ بے شک جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ آج دوسری دفعہ اپنے عہد سے پھر گئے ہیں۔ اس لئے اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں اور انہوں نے اپنے لشکر کو ترتیب دے کر بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔

بصرہ کے لشکر سے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ نکلے اور انہوں نے اعلان کیا کہ بے شک حضرت علیؓ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے لیکن ہم جنگ سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ پہلے جناب زبیرؓ نے میدان جنگ چھوڑ دیا اور بصرہ کا رخ کیا لیکن ایسی جگہ سے گزرے جہاں جناب احنفؓ کا غیر جانبدار لشکر ڈیرا ڈالے ہوئے تھا۔ وہاں ایک آدمی نے آپؐ کو پہچان لیا وہ عمر بن الجرموز تھا اور اس کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ ادھر اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے درمیان جنگ شروع ہے۔ اس نے ایک جگہ جناب زبیرؓ کو نماز

پڑھتے دیکھا اور ادھر ہی شہید کر دیا۔ جنگ ختم ہوئی تو وہی عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس انعام لینے کے لئے پہنچا تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے بغیر وجہ کے جناب زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے اس لئے تو جہنمی ہے۔ جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے میدان جنگ ذرا دیر سے چھوڑا، اور وہ میدان جنگ سے نکلنے ہی والے تھے کہ مروان نے پوشیدگی کے ساتھ زہر میں بچھا ہوا ایک تیران کو مار دیا جس کی وجہ سے وہ بھی شہید ہو گئے۔

## طاقت کا مرکز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تعداد میں کم تھا لیکن لوگ ترتیب سے لڑ رہے تھے۔ اہل بصرہ کا لشکر تعداد میں زیادہ تھا لیکن اس میں افراتفری تھی اور لعن و طعن بھی تھی۔ اہل کوفہ کہتے تھے کہ تم نے جنگ شروع کی۔ اہل بصرہ کہتے تھے تم نے جنگ شروع کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں اور اہل بصرہ نعرہ پر نعرہ لگا رہے تھے کہ ہماری ماں کی عزت کا سوال ہے اور ان کے اونٹ کی مہار کو ہاتھ لگانا کر اور پھر آگے بڑھ کر شہادت حاصل کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھانپ چکے تھے کہ جنگ کسی سازش کے تحت شروع کی گئی ہے اور وہ جنگ بند کرنا چاہتے تھے لیکن اہل بصرہ اپنی جان پر کھیل رہے تھے۔ وہ دیوانہ وار حملہ پہ حملہ کر رہے تھے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ خبردار کسی زخمی کو شہید نہ کرنا، بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا، کسی کا سامان نہ لوٹنا بلکہ وار بھی اس طرح کرنا کہ اگلے میں لڑنے کی سکت نہ رہے، اس کو بالکل ختم نہ کرنا وغیرہ۔

## جنگ کی کارروائی

ایسی جنگوں کی تفصیل بیان کرنے کو کسی کا جی نہیں چاہتا کہ یہ سچائی بڑی کڑوی ہوتی ہے۔ لیکن مجبوری ہے کہ حالات سے کچھ پردہ ضرور اٹھایا جائے تاکہ شاید ہم سبق سیکھیں کہ ایسے بھیانک حالات بھی ہو سکتے ہیں۔ دراصل جناب طلحہ رضی اللہ عنہ اور جناب زبیر رضی اللہ عنہ کے میدان جنگ سے چلے جانے کے بعد ایک دفعہ تو جنگ ختم ہوتی نظر آئی لیکن جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ کھڑا تھا جس کی وجہ سے اس جنگ کا نام بھی جنگ جمل پڑ گیا اور وہی طاقت کا مرکز تھا۔ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ سے فرار نہ کر سکتی تھیں

اور نہ ان کو حالات کے بارے میں کچھ علم تھا لیکن آپ صلح چاہتی تھیں اور کعب بن سور کو حکم دیا کہ قرآن پاک لے کر آگے بڑھیں اور اہل کوفہ کو بتائیں کہ اس قرآن پاک کے مطابق ہمارا فیصلہ ہونا چاہیے لیکن جیسے ہی کعب آگے نکلے حضرت علیؓ کے لشکر سے کسی سازش والے یعنی عبداللہ بن سبا کے چیلنے ان کو شہید کر دیا۔

جناب عائشہؓ کو جب یہ افسوسناک خبر ملی تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے والوں پر لعنت بھیجی اور پورے لشکر میں شور اٹھا جس سے اہل بصرہ کی صفیں بجال ہو گئیں۔ جناب علیؓ نے پوچھا "کہ بصرہ والے کیا کہہ رہے ہیں" جب لوگوں نے ان کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ہم بھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس پر اہل کوفہ نے بھی ایک ایسا نعرہ لگایا اور اہل بصرہ پر جواباً حملہ کر دیا۔

بصرہ کے بازوؤں والے سردار عبدالرحمن بن عتبہ اور عبدالرحمن بن حارث بڑی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ درمیان میں جناب عائشہؓ کا اونٹ تھا اور لوگ اونٹ کے گرد شہید ہونے میں سعادت سمجھتے تھے۔ روایت کے مطابق اونٹ کے گرد بصرہ کے لشکر سے ستر مجاہد شہید ہوئے۔

## شوق شہادت

اس سلسلہ میں جنرل گلب لکھتا ہے کہ مسلمان جو دنیا پر چھا چکے تھے اور موت سے محبت کرتے تھے۔ ان کی جنگوں میں یہ حالت ہو جاتی تھی کہ جب کوئی آدمی زخمی ہو جاتا تو وہ اور زیادہ بہادری سے لڑ کر جلد سے جلد شہادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اب پہلی دفعہ وہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ لیکن ہر ایک اپنے آپ کو صحیح سمجھتا تھا اور شہادت کا جذبہ اتنا ہی زیادہ تھا جو دوسری جنگوں میں ہوتا تھا۔

## تبصرہ

ہم اس پر یہ تبصرہ کریں گے کہ غیر مسلم مسلمانوں کی تاریخ کو بھی سمجھتے ہیں اور مقصد حیات کو بھی۔ گو ان کے پیمانے متعصب ہیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ اولینو امیہ اور بنو عباس کے

زمانے میں مومن کے مقصد حیات پر پردے ڈالے گئے اور اب دو سو سال کی غلامی کے بعد سارا  
تانا بانا ہی بگڑ گیا ہے اور موت سے کراہت پیدا ہو چکی ہے۔

تیغ و تہنگ دستِ مسلمان میں ہے کہاں

ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل

کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر!

(اقبالؒ)

بہر حال لڑائی اس زور شور سے جاری تھی کہ اہل بصرہ لشکر میں بے ترتیبی کے باوجود بڑی  
بہادری سے لڑ رہے تھے۔ عبدالرحمن بن عتاب کا بازو کاٹ گیا تو وہ شیر کی طرح دھاڑتے ہوتے  
اہل کوفہ پر حملہ آور ہوئے اور شہید ہو گئے۔ ناقہ کی مہار کو پکڑے ہوئے اسود بن ابوالجستری، یزید بن قیس،  
عبداللہ بن رقیہ، ابو عبیدہ بن راشد اور ربیعہ وغیرہ شہید ہو چکے تھے بلکہ اونٹ کے گرد قبیلے کے  
قبیلے ختم ہو رہے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور مردان زخموں سے نڈھال ہو کر میدان جنگ میں  
پڑے تھے اور جناب علیؓ بھانپ گئے کہ یہ لڑائی تب تک ختم نہ ہوگی جب تک یہ سب کے سب  
ناقہ یعنی اونٹ کے گرد شہید نہ ہو جائیں۔

## ناقہ پر حملہ

ان حالات میں جناب علیؓ نے سوچا کہ جنگ کو ختم کرنے کا اب صرف ایک طریقہ باقی رہ گیا  
تھا کہ آہستہ سے جا کر جناب ام المومنینؓ کے اونٹ کو اس طرح زخمی کیا جائے کہ بھاگنے کی بجائے  
وہ ادھر ہی بیٹھ جائے۔ یہ کام جناب قعقاعؓ نے ایک آدمی کی مدد سے بڑی خوبی سے اور خوش اسلوبی  
سے انجام دیا۔ ورنہ بصرے والے کسی کو اونٹ کے نزدیک نہیں پہنچنے دیتے تھے پس اونٹ کی اگلی اور پھلی  
ٹانگوں پر بیک وقت ایسا وار کیا گیا کہ اونٹ بیٹھ گیا۔ محمد بن ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے جلدی  
اسے ہودہ کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور ہودہ کو اونٹ سے الگ کر دیا کہ اونٹ کھڑا ہونے یا لیٹنے کی کوشش  
کے تو ہودے کو نقصان نہ پہنچے۔ پھر ہودے کو اٹھا کر ایک طرف کر دیا اور اس پر پردہ کر دیا گیا

یہ حالت دیکھ کر بصرہ والوں نے بھاگنا شروع کر دیا لیکن جناب علیؓ نے حکم دیا کہ خبردار کسی کا تعاقب نہ ہوگا۔

## ام المومنینؓ اور جناب علیؓ کی ملاقات

اس کے بعد جناب علیؓ خود ہوسے کے پاس گئے اور ام المومنینؓ کو سلام عرض کیا اور پوچھا: "اے ماں! آپ کیسی ہیں؟ جناب عائشہؓ نے فرمایا: "الحمد للہ میں خیریت سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپؓ سے درگزر کرے۔" جناب علیؓ نے فرمایا: "اور آپؓ سے بھی اللہ تعالیٰ درگزر کرے۔"

## تبصرہ

ان الفاظ کو تفرقہ ڈالنے والوں نے خوب اچھالا کہ دونوں ایک دوسرے کو تصور دار سمجھتے تھے اور ہر تفرقہ ڈالنے والے نے جائزہ ایسا پیش کیا کہ کسی نہ کسی طرف الزام ڈال دیا۔ تاریخین! بات سیدھی تھی، صلح ہو چکی تھی۔ ام المومنینؓ جناب عائشہؓ اور جناب طلحہؓ و زبیرؓ، حضرت علیؓ کی شرائط پر صلح کر رہے تھے اور مان چکے تھے کہ وہ حق پر تھے لیکن اب جو اچانک لڑائی شروع ہو گئی تو جناب عائشہؓ کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ نے لڑائی شروع کرائی۔ علاوہ وہ لڑائی بند کرانے میں بھی ناکام ہوئیں کہ ان کے قاصد کعبہؓ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ ان حالات کی وجہ سے وہ حضرت علیؓ سے ناراض ضرور تھیں۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ آپؓ کو معاف کرے لیکن الفاظ کو دیکھیں کہ وہ اپنے سخت نہ تھے۔ روایت ہے کہ جب جناب قعقاعؓ اور آپؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ نے حقیقت حال سے آپؓ کو آگاہ کیا کہ جنگ انہوں نے شروع نہ کی تھی تو آپؓ نے فرمایا: "کاش وہ آج سے بیس سال پہلے مرجئی ہوتیں!"

در اصل حضرت علیؓ اور ان کے لشکر والوں کو بھی جنگ کے کئی دن بعد معلوم ہوا کہ یہ جنگ کسی شرارت سے شروع ہوئی تھی لیکن پوری حقیقت تو کئی سال بعد واضح ہوئی بہر حال جیسے ہی جنگ ختم ہوئی تو جناب علیؓ، ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ضرور ہوئے اور جو آپؓ نے بھی جواباً یہ کہا: "کہ آپؓ سے بھی اللہ تعالیٰ درگزر کرے" تو جناب علیؓ، ام المومنینؓ کو حضور پاکؐ کی وہ حدیث یاد

دلا رہے تھے جس میں حضور پاکؐ نے چشمہ خواب کے کتوں کے بھونکنے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔

## ام المومنینؓ کی عزت افزائی

جناب علیؓ کے احکام پر جناب محمدؓ بن ابوبکرؓ، جناب عائشہ صدیقہؓ کو بصرہ میں عبداللہؓ فرمائی کے گھرے گئے۔ جناب عبداللہؓ، جناب علیؓ کے ساتھیوں میں سے تھے اور اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ تو ان کے خاندان والوں نے ایسی عزت افزائی پر جناب علیؓ کا شکریہ ادا کیا۔ کچھ عرصہ جناب ام المومنینؓ نے وہاں قیام کیا۔ پھر رجب ۳۶ ہجری میں جناب علیؓ نے آپؓ کو حجاز روانہ کر دیا۔ چالیس خواتین معیت میں دیں اور محمدؓ بن ابوبکرؓ کے ماتحت ایک فوجی دستہ ساتھ بھیجا جب یہ قافلہ وہاں سے چلا تو خود جناب علیؓ کئی میل تک ساتھ پیدل چلے گئے۔ پھر جناب امام حسنؓ نے ایک دن کی مسافت تک ہمراہی کی۔ آپؓ پہلے مکہ شریف گئے وہاں حج تک ٹھہریں اور پھر مدینہ شریف چلی گئیں۔ آپؓ کی وفات جناب معاویہؓ کے زمانے میں مدینہ شریف ہی میں ہوئی۔

## جنگ کے فوری نتائج

جنگ جمل ایک حادثہ ہے اس میں عبرت ہے کہ حضور پاکؐ کے عظیم رفقاءؓ میں بھی ایسے واقعات رونما ہو سکتے ہیں۔ اس میں بہت بڑا سبق ہے کہ اپنے اختلافات کو مسجد یا گھر کے اندر ختم کیا جائے۔ اگر ایسے اختلافات بازاروں یا میدانوں میں چلے گئے تو پھر ہم فتنہ و فساد والوں یا سازش والوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائیں گے۔

بہر حال میدان جنگ کی عجیب و غریب حالت تھی۔ ایک روایت ہے کہ دس ہزار مسلمان شہید ہوئے جس میں نو ہزار بصرہ کے لشکر کے تھے اور ایک ہزار کوفہ کے لشکر کے۔ دوسری روایت ہے کہ چھ ہزار مجاہدین شہید ہوئے جن میں پانچ ہزار بصرہ کے لشکر کے تھے اور ایک ہزار کوفہ کے لشکر کے۔ ہم کسی روایت پر شک نہیں کرتے مسلمان جذبہ شہادت سے سرشار تھے اور ضرور کافی لوگ شہید ہوئے ہوں گے۔ لیکن قربانی بے مقصد تھی۔

جناب عائشہؓ کے لشکر سے جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ کے علاوہ جناب طلحہؓ کے بھائی عبدالرحمنؓ



اور بیٹا محمدؑ بھی شہید ہو گئے۔ جناب علیؑ کو جناب محمدؑ کے ساتھ بڑا پیار تھا وہ کالی ٹوپی پہنے ہوئے تھے اور جناب علیؑ نے کسی دفعہ فرمایا۔ سیاہ ٹوپی والے کا خیال رکھنا لیکن بقول ابن خلدون کے میرے اللہ کو ایسے ہی منظور تھا۔ باقی شہدا میں جناب کعبؑ بن سور، محرزؑ بن حارث، مجاشعؑ بن مسعود اور ان کے بھائی خالدؑ قابل ذکر ہیں اور کچھ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جناب علیؑ کے لشکر کے شہدا میں سے جناب عبداللہؑ بن حکیم خزاعی اور ہندؑ بن ابی ہالہ قابل ذکر ہیں۔ جناب ہندؑ ام المؤمنین خدیجہ طاہرہؑ کے پہلے خاوند سے بیٹے تھے۔

## شہدا کا جنازہ

جناب علیؑ نے سب شہدا کی لاشوں کو اکٹھا کر لیا اور دونوں طرف کے شہدا کی نماز جنازہ پڑھی۔ شاید یہ اپنی قسم کی ایک عجیب و غریب جنگ تھی کہ دونوں طرف کے لڑنے والوں کو شہید کہا جاتا ہے کہ جنگ غلط نہیں یا حادثہ کی وجہ سے ہوئی۔ یہ غلط نہیں کیوں پیدا ہوئی۔ حالات کیسے ہاتھ سے نکل گئے کہ ایک غلطی کرنے کے بعد بہتر ہوتا ہے کہ غلطی کو تسلیم کر لیا جائے ورنہ جس طرح ایک جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے سو اور جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے اور معاملات وہیں کے وہیں رہتے ہیں۔ اسی طرح غلطی کو تسلیم نہ کرنے سے غلطیاں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔

## جنگِ جمل میں بنو امیہ کے لوگ

بنو امیہ کے متعدد لوگ اس جنگ میں جناب عائشہؑ کے لشکر میں شامل تھے۔ ان میں سے شہید تو کوئی نہ ہوا لیکن اکثر زخمی تھے اور انہوں نے میدان جنگ سے بھاگ کر بصرہ کے متعدد مقامات پر جا کر پناہ لی۔ ان میں عتبہؑ بن ابوسفیانؑ، عبداللہؑ بن عامر، حضرت عثمانؑ کے دو بیٹوں ابانؑ اور ولیدؑ کے علاوہ مروان اور اس کے دو بھائی عبدالرحمن اور یحییٰ بھی شامل تھے۔ کچھ لوگوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور حضرت علیؑ کے سامنے لے آئے۔ جناب علیؑ نے سب کو رہا کر دینے کا حکم دیا۔ بلکہ روایت ہے کہ عبداللہؑ بن عامر کو حضرت عائشہؑ کے ساتھ حجاز جانے کی اجازت دے دی اور

۱۔ عتبہ امیر معاویہؑ کا سگا بھائی تھا۔

باقی سب کو اجازت دی کہ وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اور اکثر ملک شام میں امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں اکثر لوگوں نے کوشش کی کہ کم از کم مروان کو قید میں رکھا جائے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر مروان نہ ہوتا تو ام المومنینؓ چشمہ خواب سے واپس مدینہ شریف چلی جاتیں یا بعد میں صلح ہو جاتی اور مروان کسی گہری سازش میں ملوث تھا وغیرہ۔ جناب علیؓ نے فرمایا کہ نہ وہ لشکر کا سپہ سالار تھا اور نہ نائب۔ اس کے لئے وہی احکام ہیں جو باقی لوگوں کے لئے۔ مروان سامنے کھڑا تھا اور جناب علیؓ نے فرمایا: ”جامیاں! جا! تم نے پتہ نہیں ابھی کیا کیا کرنا ہے۔“

## فقرا اور اہل نظر کا بیان

صوفیا اور فقرا کے تین سلسلے یعنی قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ، جناب علیؓ کی طرف منسوب ہیں ان کے لحاظ سے مروان کو چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی جو جناب علیؓ نے اپنے رفقا کو تین دن بعد بتائی کہ ان کو مروان کی پشت میں اسلام کے تین اولعزم بادشاہ نظر آ رہے تھے وہ مروان کو کیسے قتل کرواتے یا قید رکھتے۔ بے شک تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ مروان نے بعد میں خلافت سنبھالی اور اس کی اولاد میں سے عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک وغیرہ اپنے زمانے میں دنیا کی اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت کے سربراہ تھے بلکہ جناب عمرؓ بن عبد العزیز بھی مروان کے پوتے تھے جن کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

بے شک بہترین زمانہ حضور پاکؐ اور ان کے رفقا کا تھا لیکن مروان یا باقی بنو امیہ کے حکمرانوں کے زمانوں میں بھی اسلام کی عظمت، دبدبہ اور غیرت قائم رہی۔ موجودہ آغا خان کے دادا مرحوم آغا خان نے ایک دفعہ ہمارے دانشوروں کو مشورہ دیا کہ اسلام کے پہلے سو سالوں کی تحقیق کر کے وہ پہلے سو سال والا اسلام قوم کے سامنے پیش کریں کسی نے کہا کہ بنو امیہ کا زمانہ بھی ان سو سالوں میں شامل ہے تو آغا خان نے کہا کہ بے شک وہ بھی ہماری عظمت کا زمانہ تھا۔

اے حضرت علیؓ نے خلیفہ کا لفظ استعمال نہ کیا بلکہ ملوک کا لفظ استعمال کیا۔

اور قارئین! محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر بلکہ جناب عقبہ بن نافع جیسے عظیم فاتح سب کے سب بنو امیہ کے زمانے میں ہوئے بلکہ ہمارے عظیم علماء امام باقر، امام جعفر صادق، امام شعبی، امام اعظم، امام مالک، امام زہری (ابن شہاب) وغیرہ کے علاوہ جناب حسن بصری، جناب سفیان ثوری، جناب حبیب عجمی، جناب داؤد طائی، جناب عبداللہ بن مبارک، جناب حماد بن ابی سلیمان، جناب زید بن امام زین العابدین بھی بنو امیہ کے زمانے میں ہوئے۔ سلطنت اور حکومت معمولی چیزیں ہیں اہل چیز اسلام کا صراط مستقیم ہے اور فلسفہ حیات ہے جس پر عمل کرنے والے عظیم مسلمان ہر زمانے میں موجود رہے۔

## زیاد بن سمیہ

تیسری کتاب میں جناب مغیرہ بن شعبہ کے خلاف گواہی کے سلسلہ میں ہم زیاد کا ذکر کر چکے ہیں جس کو یا تو زیاد بن ابی یعنی اپنے باپ کا بیٹا کہتے تھے اور یا وہ اپنی ماں سمیہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ جب بصرہ پہنچے تو آپؓ نے زیاد کے بھتیجے عبدالرحمن بن ابوبکرؓ سے زیاد کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا وہ بیعت نہ کرے گا۔ عبدالرحمن نے عرض کی کہ وہ بیمار ہیں۔ اور پھر زیاد حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر بھی ہوا۔ جناب علیؓ نے اس کی قابلیت کے مد نظر، اس کو امارت دینا چاہی تو زیاد نے گزارش کی کہ وہ مالی امور کا مشیر ہی ٹھیک رہے گا۔ یہاں پر بھی فقرا اور صوفیا کے مطابق جناب علیؓ، زیاد کو بڑے غور سے دیکھتے رہے لیکن کچھ کہا نہیں اور صرف مسکرا دیئے اور پھر چہرہ پر سخت سنجیدگی آگئی۔

قارئین آگے چل کر اسی زیاد کے بیٹے عبید اللہ کا ذکر ساتویں باب میں پڑھیں گے کہ سانحہ کربلا کی زیادہ ذمہ داری اسی پر آتی ہے اور کچھ بزرگوں نے لکھا ہے کہ جناب علیؓ کو نظر آ رہا تھا کہ زیاد کی اولاد ان کی اولاد کے ساتھ کیا کرے گی لیکن جناب علیؓ نے زیاد کو مالی امور پر مقرر رکھا بلکہ زیاد، جناب علیؓ کا بہت وفادار تھا۔ جناب علیؓ کی شہادت اور امام حسنؓ کے خلافت سے مستعفی ہونے کے بعد بھی امیر معاویہؓ کو جس شخص سے زیادہ خطرہ محسوس ہوتا تھا وہ زیاد تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے زیاد کو زیاد بن ابوسفیانؓ بنا کر اپنا بھائی بنا دیا۔ کہ روایت ہے کہ جہالت کے زمانے میں ابوسفیانؓ بھی

سمیہ کے پاس طائف میں اکثر جایا کرتے تھے اور زیادہ کچھ جناب ابوسفیانؓ کا ہم شکل بھی تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

## بصرہ کی امارت

چنانچہ جناب علیؓ نے بصرہ پر جناب عبداللہؓ بن عباسؓ کو امیر مقرر فرمایا اور جو کچھ بصرہ کے خزانے میں تھا وہ اہل لشکر میں بانٹ دیا لیکن یہ رقم بہت تھوڑی تھی۔ لوگوں کو مال غنیمت یا لوٹ مار ہاتھ نہ آئی۔ غیروں کے خلاف جنگوں کے نتائج مختلف تھے۔ اب اپنوں کو کیسے لوٹا جائے۔ اس لئے جن لوگوں کو دنیا کی چاہت تھی ان کیلئے حضرت علیؓ کی ہمراہی میں کشتش کم ہوتی چلی گئی۔ بصرہ کے حالات ٹھیک کرنے کے بعد آپؓ کو ذر روانہ ہو گئے اور اسی جگہ کو اپنا دار الخلافہ یا مرکز بنایا کہ آگے ایک اور جنگ کی تیاری کرنا تھی جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا اور یہ مشیت ایزدی تھی کہ اسلام کے مرکز کو بھی حرکت کرنا تھی گو حرکت خراب حالات کے تحت ہوئی لیکن ایسی ہمت شاید کسی اور کو نہ ہوتی۔ جناب علیؓ نے راہ نکالی اور یاد رکھیں دین اسلام متحرک دین ہے اور اس کا قافلہ رواں دواں ہے۔ ساکن اور مقامی چیزوں کی اسلامی فلسفہ میں محدود حد تک گنجائش ہے۔

## نتائج و اسباق

۱۔ جنگ جمل ایک حادثہ تھی اس کے نتائج و اسباق پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے کہ ایسی عظیم ہستیوں کے ساتھ بھی اس قسم کے حادثے ہو سکتے ہیں۔ یہاں جناب علیؓ کی شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے اللہ کے شیر ہر جنگ میں دشمن کی صفوں کو چیر کر رکھ دیتے تھے۔ ان کے خطاب میں وہ رعب تھا کہ کوئی اس کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے کچھ یہ تاثر بھی لے لیا کہ آپؓ بڑے سخت ہیں۔ نہیں! ایسی بات نہ تھی۔ دراصل آپؓ دشمنوں کے لئے اَشْدَّ عَلَى الْكُفَّارِ کا اور اپنوں کے لئے رَحِمًا بَيْنَهُمْ کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔

۲۔ ایک مغربی مبصر لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں جناب علیؓ کے علم اور عمل کی جو تصویر پیش کی گئی ہے۔ وہ پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے اور حیرانگی اور بڑھ جاتی ہے کہ اتنے عظیم انسان کے

ساتھ ان کی قوم نے کیا برتاؤ کیا۔ بے شک مغربی مبصر کا یہ تبصرہ کافی حد تک حقیقت پسندانہ ہے اور تاریخ کے با مقصد مطالعے کے تحت ہم آگے جو جائزے پیش کر رہے ہیں۔ ان میں یہ واضح کریں گے کہ حضرت علیؓ اور اصحاب ثلاثہؓ اتنے بلند ہیں کہ ان کے مقامات کو بیان کرنا ہماری قلم کے بس سے باہر ہے۔

۳۔ بد قسمتی سے ایک طرف حسد و بعض کی وجہ سے چند غلط روایات گھڑ لی گئیں اور ان کی مدد سے غلط جائزے پیش کر دیئے گئے۔ دوسری طرف عبد اللہ بن سبا کی سازش کے تحت آپؐ کے بارے ایسی باتیں مشہور کر دی گئیں جن کے بارے میں نہ تو حضور پاکؐ نے کچھ فرمایا اور نہ ہی اسلام کے پہلے سو سالوں میں آپؐ کی اولاد میں سے کسی نے ایسی بات کہی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس زمانے میں کم از کم آپؐ یا حضرت عثمانؓ کی شان کو گھٹانے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی سوائے ایک کالم نویس کے جو خود ساختہ عالم دین بھی بن گئے۔

۴۔ چند جائزے حسب ذیل ہیں :

- ۱۔ جن لوگوں نے مدینہ شریف میں آپؐ کی بیعت نہ کی۔ ان سے بھی درگزر کیا۔
- ب۔ جن لوگوں نے مدد کرنے کی بجائے آپؐ کے راستے میں مشکلات پیدا کیں، ان کو بھی راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔
- ج۔ جنگ و جدل سے گریز کیا اور جنہوں نے آپؐ کی کھلم کھلا مخالفت کی ان کو بھی سمجھانے کی انتہائی کوشش کی۔
- د۔ جو لوگ آپؐ کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے ان کو بھی معاف کر دیا۔ ان میں سے جو شہید ہوئے ان کی نماز جنازہ بھی ساتھ ہی پڑھائی بلکہ جو لوگ آپؐ کے خلاف سازش کر رہے تھے ان کو بھی معاف کر دیا۔

س۔ البتہ یہ معافی صرف اس لئے تھی کہ جناب علیؓ کی ذات بیچ آجاتی تھی۔ ویسے آپؐ اس وقت کبھی بھی معاف نہ کرتے، جب کوئی آدمی اللہ اور رسولؐ کے خلاف فتنہ کھڑا کرتا۔ بے شک جناب علیؓ کے خلاف فتنہ بھی اللہ اور رسولؐ کے خلاف فتنہ تھا کہ حضرت علیؓ اسلام کے مرکز کو بہارا دے رہے تھے لیکن جناب امیر المؤمنینؓ نے اپنی ذات کے بیچ آجانے کی

وجہ سے درگزر کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے امارت کی بجائے مشاورت کو پسند کرتے تھے اور خدا کے ہم اس پہلو کو سمجھ جائیں۔

۴۔ اگر جنگِ جبل کے بعد آپ نے مخالفین کو تہس نہس کر دیتے تو امیر معاویہؓ کو بغاوت کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی اور لوگ جا کر اس طرح امیر معاویہؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ امیر معاویہؓ سمیت ایسے سب لوگوں کو معلوم تھا کہ شکست کی صورت میں جناب علیؓ ان کو معاف کر دیں گے۔

۵۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ یا جناب ام المومنینؓ کی کارروائی کو بغاوت یا خروج کا نام دیں۔ ہم صرف اسی پر اکتفا کریں گے جو ام المومنینؓ اور عظیم صحابہؓ نے خود اپنی زبان سے کہا اور عملی طور پر مظاہرہ بھی کیا۔ دونوں عظیم صحابہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی اور جنگ سے الگ ہو گئے۔ ام المومنینؓ کی جواز واپسی کی کہانی، جناب علیؓ کی ان کی عزت افزائی، ہماری تاریخ کے درخشاں باب ہیں لیکن افسوس کہ کچھ لوگوں کو اسلام کے معطر باغ سے ایسی خوشبو میں کم آتی ہیں۔

۶۔ جنگِ جبل کے بعد مالِ غنیمت زیادہ نہ ملا۔ اس لئے دنیا کی طمع رکھنے والوں کے لئے حضرت علیؓ میں کشش ختم ہو رہی تھی اور کچھ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔ جناب علیؓ کے پیچھے نماز پڑھنے میں بڑا لطف آتا ہے اور جناب معاویہؓ کا دسترخوان وسیع تر ہے بلکہ لوگوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ جناب علیؓ کے ساتھ ملو گے تو آخرت میں فائدہ ہو گا اور جناب معاویہؓ کے ساتھ ملنے سے دنیا ملے گی پھر توبہ کر لیں گے اور آخرت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

۷۔ جنگِ جبل سے فائدہ صرف امیر معاویہؓ کو ہوا۔ سیاست کو التوا میں ڈالنے سے فائدہ ملتا ہے۔ حق کو التوا میں رکھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہاں حق کا مقابلہ سیاست کر رہی تھی اور اس نے ایک اور التوا حاصل کر لی۔

۸۔ جناب عثمانؓ کے قاتلین کا معاملہ الجھ گیا۔ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا کہ قاتلین کی تلمیح وسعت اختیار کر رہی تھی۔ جناب علیؓ کے تمام ساتھیوں کو "قاتلین عثمانؓ" کہہ کر پکارا جا رہا تھا۔ بصرہ کی پہلی جھڑپوں میں چھ سو مجاہد شہید ہوئے۔ اب کم از کم چھ ہزار مجاہد شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا مسند روز بروز الجھ رہا تھا اور اس سلسلہ میں قصاص لینا مشکل کام بنا جا رہا تھا۔

- ۷۔ خانہ جنگی ختم نہ ہوئی، ایک جنگ ختم ہوتی تو دوسری کی تیاری ہو جاتی۔
- ۸۔ جناب علیؓ کو البتہ اتنا فائدہ ہوا کہ بصرہ اور کوفہ کے صوبے مکمل طور پر ان کی عملداری میں آگئے اور جناب احنف بن قیس بھی اپنے لشکر سمیت جناب علیؓ کے ساتھ مل گئے۔
- ۹۔ اسلام کے مرکز کی حرکت پہلے مدینہ سے کوفہ میں ہوئی تو ایسی حرکت بھی کوئی عظیم صحابیؓ ہی کر سکتا تھا۔ ورنہ لوگ اعتراض کرتے تو پھر اسلام کا مرکز حرکت میں آگیا۔ کوفہ سے دمشق پھر بغداد پھر قاہرہ اور آخر میں قسطنطنیہ اب پھر مرکز مکہ و مکرمہ اور مدینہ منورہ بن رہے ہیں؛
- ۱۰۔ کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے

یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

(اقبالؒ)

## تیسرا باب

## جنگ صفین

جنگ صفین کے واقعات بیان کرنے سے پہلے چند اور وضاحتیں بھی پیش کرنا ہوں گی اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ جناب علیؓ نے کوفہ ہی کو دار الحکومت قرار دے دیا۔ مدینہ شریف دور تھا اور اندرونی حالات کچھ صحیح نہ تھے۔ کوفہ اور بصرہ کے وسیع علاقے تھے اور یہی علاقے زیادہ آباد تھے۔ ان دونوں صوبوں کی حدود کا تیسری کتاب کے دو ابواب میں تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے اور اسی زمانے میں علاقہ بختان میں بھی کچھ بغاوت ہوئی، جس کے لئے جناب علیؓ نے بصرہ کے گورنر جناب عبداللہ بن عباسؓ کو لکھا اور انہوں نے یہ بغاوت فرد کو دی۔ اس کام کے لئے چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ربیع بن کاس عبزی کو بھیجا جنہوں نے حالات کو ٹھیک کر دیا۔

جناب علیؓ نے کوفہ کو اس لئے بھی پسند کیا کہ اب ملک شام میں جناب معاویہؓ کی بغاوت کو فرد کرنا ضروری تھا اور اس کے لئے کسی لشکر کو بھیجنے کی بجائے جناب علیؓ خود جانا چاہتے تھے کہ معاملات بڑے نازک تھے۔ جناب علیؓ بصرہ اور کوفہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے ہی یہ کام کرنا چاہتے تھے لیکن پچھلے باب میں جن حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے ان کی وجہ سے آپؓ یہ کام نہ کر سکے۔

## ملک مصر

مصر کے حالات کو پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہاں پر حضرت علیؓ کے عامل جناب قیس بن سعدؓ نے امارت سنبھال لی تھی۔ انہوں نے مصر کے حالات کو کافی ٹھیک کر لیا تھا۔ اکثر لوگوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ ونا داری کا اعلان کر دیا۔ معاویہ بن خدیج، یزید بن الحارث اور مسلمہ بن مخلد وغیرہ نے غیر جانبدار رہنا چاہا تو جناب قیسؓ نے ان کے ساتھ میعاد میعادہ کر لیا اور حالات کو خراب نہ ہونے دیا۔ بہر حال جس زمانے میں حضرت علیؓ بصرہ کے معاملات میں الجھے ہوئے تھے تو امیر معاویہؓ اس پوزیشن میں تھے کہ



مصر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے لیکن انہوں نے سیاست سے کام لینے کی کوشش کی یعنی سیاست کے ذریعے سے جناب قیسؒ بن سعدؒ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ بلکہ ایک خط میں یہ وعدہ کیا کہ امیر معاویہؓ جب امیر المومنین جناب علیؓ کو شکست دے چکیں گے تو وہ عراق کی حکومت جناب قیسؓ کے حوالے کر دیں گے۔ علاوہ ملک حجاز میں بھی ایسے آدمی کو عامل مقرر کریں گے جو جناب قیسؓ کا رشتہ دار ہو۔

## جناب قیسؓ کا جواب

جناب قیسؓ نے جناب معاویہؓ کو ایک مصلحت آمیز جواب دیا جس کا متن یہ ہے :

”جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کسی سازش میں شریک نہ تھے اور مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آپ کس چیز میں میری متابعت یا موافقت چاہتے ہیں۔“

## امیر معاویہؓ کی دھمکی

امیر معاویہؓ نے جواب کے طور پر بڑا سخت خط لکھا اور لڑائی کی دھمکی دی خط کے الفاظ کچھ اس طرح تھے :

”میں نے تمہارا خط پڑھا۔ اس میں کوئی امر صاف نہیں اور کوئی چیز بھی واضح نہیں۔ میں تم کو صلح و مصالحت کے لئے بلاتا ہوں۔ تم اس سے دور نہ بھاگو۔ میں تمہیں لڑائی سے بچانا چاہتا ہوں۔ میرے جیسا شخص مکر و فریب میں نہیں آسکتا اور نہ کسی حیلے میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ اس وقت میرے پاس پیادوں اور سواروں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ والسلام“

## جناب قیسؓ کا رد عمل

جناب قیسؓ کوئی معمولی شخصیت نہ تھے۔ سیاست میں آپؓ امیر معاویہؓ اور جناب عمرو بن عاص کے پایہ کی شخصیت تھے۔ غیرت مند اور بہادر بھی تھے لیکن سب سے بڑھ کر بہت زیادہ اصول پرست تھے پھر ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو انصار میں اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپؓ کے

والد بزرگوار کا ذکر ہو چکا ہے کہ آپ بیعت عقبہ ثانی میں موجود تھے اور بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے قبیلہ خزرج بلکہ تمام انصار کے سردار تھے۔ حضور پاکؐ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا۔ جناب قیسؓ نے لڑکپن میں حضور پاکؐ کو مدینہ شریف ہجرت کرتے دیکھا اور کئی دفعہ اپنے والد کی طرف سے تحفے تحائف لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے جن کو مورخین نے سعدؓ کے بادیہ کا نام دیا ہے۔ چنانچہ جناب قیسؓ کا جناب علیؓ اور اہل بیت کے ساتھ بچپن سے والہانہ لگاؤ تھا۔ انہوں نے اندازہ لگایا کہ اب مصلحت سے کام نہ چلے گا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جناب معاویہؓ کو خط لکھا اس کا اردو ترجمہ ہم تاریخ کامل ابن اثیر سے نقل کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہم اس پر تبصرہ نہ کریں گے کہ وہ لوگ ہم زمانہ تھے وہ ایک دوسرے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے کا حق رکھتے تھے کہ ان الفاظ کے باوجود امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں جناب قیسؓ سے کوئی باز پرس نہ ہوتی جس کا بعد میں ذکر ہوگا۔ خط کا متن یہ ہے :

”مجھے تعجب ہے کہ تو مجھے فریب دینا چاہتا ہے اور تو مجھ سے یہ امید رکھتا ہے کہ میں تیرے دام فریب میں آجاؤں گا اور تو مجھے اپنی کوششوں سے شکست دے دے گا۔ کیا تو امید رکھتا ہے کہ میں اس شخص کی اطاعت سے نکل جاؤں جو امارت کے لئے بہترین آدمیوں میں سے ہے اور زیادہ سچ کہنے والا ہے۔ وہ راہِ حق کا بہت بڑا ہادی ہے اور از روئے تعلق اور اسلام حضور پاکؐ سے زیادہ قریب ہے۔ کمال ہے تو مجھے اپنی اطاعت میں داخل ہونے کا حکم دیتا ہے کہ تو امر میں لوگوں سے بعید تر ہے اور بہت بڑا مکار اور گمراہ ہے۔ از روئے قرابت اور تعلق تو حضور پاکؐ سے بھی بہت دور ہے۔ گمراہ اور گمراہ کرنے والے کے لڑکے ہو اور یہ کار دانی شیطان ہے اور تیرا یہ کہنا کہ تو سواروں اور پیادوں سے مصر کو بھر دے گا۔ اس سے مجھے کوئی ڈر نہیں۔ انشاء اللہ اگر ادھر آؤ گے تو تمہیں جان کے لالے پڑ جائیں گے۔“

## امیر معاویہؓ کی نئی چال

یہ خط پڑھنے کے بعد امیر معاویہؓ کو اندازہ ہو گیا کہ قیسؓ بن سعدؓ، امیر المؤمنین جناب علیؓ کے ساتھیوں میں ایک ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو ڈمگایا نہیں جاسکتا۔ اس لئے انہوں نے ایک نئی

چال چلی۔ اسی زمانے میں حضرت علیؓ جنگ جمل کے بعد کوفہ پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے شام کے حالات کی مخبری کے لئے جناب محمدؓ بن ابوبکرؓ اور اپنے بھتیجے جناب محمدؓ بن جعفر طیارؓ کو شام کی سرحد کی طرف بھیجا ہوا تھا۔ یہ دونوں اخیانی بھائی بھی تھے جس بات کا اکثر جگہوں پر ذکر ہو چکا ہے امیر معاویہؓ نے ان نوجوانوں تک یہ بات پہنچانے کی کوشش کی کہ وہ جناب قیسؓ بن سعدؓ کے ساتھ خط و کتابت کر رہے ہیں اور وہ ان کو جلد اپنے ساتھ ملا لیں گے۔ امیر معاویہؓ کا یہ طریقہ کامیاب رہا اور ان دونوں نوجوانوں نے حضرت علیؓ کو آگاہ کیا کہ قیسؓ بن سعدؓ کسی وقت بھی امیر معاویہؓ کے ساتھ مل سکتے ہیں۔

### جناب قیسؓ کی تبدیلی اور محمدؓ بن ابوبکرؓ کا تقدر

یہ خبر جب امیر المومنینؓ کے پاس پہنچی تو عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ اور اشتر نخعی نے بڑا سخت رویہ اختیار کیا۔ اشتر ہر معاملہ میں بڑا سخت رویہ اختیار کرتا تھا اور جناب علیؓ اگر اشتر کی باتوں کو سنتے تو شاید معاملات جلدی حل بھی ہو گئے ہوتے کہ اشتر کہتا تھا کہ تلوار کے ساتھ جلدی جلدی فیصلہ ہو جائے۔ اور اکثر جناب علیؓ صبر کی تلقین کرتے تھے لیکن اس معاملہ میں جناب علیؓ نے اشتر کی بات مان لی کہ اس میں وزن تھا۔ اشتر کہنے لگا کہ ملک مصر میں ایسا شخص عامل ہونا چاہیے جو امیر معاویہؓ کا دشمن ہو تاکہ ہم مصر کے معاملات سے بے فکر ہو جائیں اور ایسا شخص صرف محمدؓ بن ابوبکرؓ ہے کہ وہ امیر معاویہؓ کے ساتھ کبھی بھی نہیں مل سکتا۔

چنانچہ امیر المومنینؓ نے محمدؓ بن ابوبکرؓ کو مصر کا عامل مقرر کر دیا۔ جناب قیسؓ بن سعدؓ نے امارت محمدؓ بن ابوبکرؓ کے حوالے کی اور خود مدینہ شریف آگئے۔ وہاں سے جناب ہبلؓ بن حنیف کو ساتھ لیا اور کوفہ میں امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ یہ سب سن کر جناب علی المرتضیٰؓ کو بہت افسوس ہوا اور فرمایا کہ یہ جلد بازی ہو گئی ہے بہر حال جناب علیؓ کا بھروسہ جناب قیسؓ پر بہت زیادہ بڑھ گیا اور جناب قیسؓ حضرت علیؓ کے مشیر خاص بن گئے اور آخری دم تک جناب علیؓ کے وفادار رہے بلکہ امام حسنؓ کے بھی وفادار رہے۔

## تبصرہ

یہاں ایک تبصرہ بھی ضروری ہے۔ ہم فقرا اور صوفیا کا ذکر کر چکے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ کو حالات کی پہلے سے آگاہی ہو جاتی تھی۔ اب یہاں پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ پہلو کیوں نہ معلوم ہو سکا۔ اس سلسلہ میں تیسری کتاب میں ہم جناب فاروق عظیمؓ کے سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ اول مکمل ذات صرف حضور پاکؐ کی ہے حضور پاکؐ کے رفقاءؓ کے اس سلسلہ میں مقامات کے سلسلہ میں ہم عاجزی ہی کریں گے کہ وہ کہاں تک معاملات کو جانتے تھے یا مشیتِ ایزدی کے تحت اور بشری تقاضوں کے تحت خاموش تھے۔ یہ تبصرہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ آگے آنے والے واقعات کے سلسلہ میں کئی ایسی باتیں آئیں گی جو حضرت علیؓ کی خواہش کے مطابق نہ ہوں گی یا ان کو اپنے ارادوں میں مکمل کامیابی نہ ہوگی تو وہاں پر کوئی اپنے پیمانوں سے حضرت علیؓ کی روحانی اور باطنی طاقتوں کو ناپنا نہ شروع کر دے اور اعتراض فقرا اور صوفیا پر کر دے۔

## محمد بن ابوبکرؓ کی ناکامی

جناب محمد بن ابوبکرؓ مصر کے گورنر کی حیثیت سے زیادہ کامیاب نہ ثابت ہو سکے۔ اول تو کئی لوگ ان کو ناپسند کرتے تھے اور ایسے لوگوں میں امام حسنؓ بھی شامل تھے۔ محمد بن ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں کافی مدت تک ملوث تھے اور پھر انہوں نے مصر کے لوگوں کے ساتھ سختی کی۔ اب وقت کے لحاظ سے تو یہ ضرورت تھی کہ امیر المومنین جناب علیؓ جب عراق کی طرف سے شام میں امیر معاویہؓ کے خلاف پیش قدمی کرتے تو مصر کا گورنر عقب سے شام پر حملہ آور ہوتا لیکن جناب محمدؓ مشکل کے ساتھ مصر کے حالات کو سنبھالا دیئے ہوئے تھے۔ اگر قیس بن سعدؓ مصر میں رہ جاتے تو وہ یقینی طور پر امیر معاویہؓ کے عقب کی طرف سے حملہ کرتے۔ یہ سبق یاد رکھا جائے کہ اوپر والی سطح پر ایک آدمی سے اتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہمارا تجزیہ ہے کہ اگر جناب قیسؓ ہی مصر کے عامل رہتے تو آج تاریخ یکسر مختلف ہوتی۔

انصار مدینہ لی وفاداری کا ذکر جلال مصطفیٰ کے ساتویں باب اور ان کتابوں کے سلسلہ میں جایجا

موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے کہ ان کی جزا آخرت میں ہے اور ان کے لئے اس دنیا میں شہرت نہیں ہے۔

## عمرو بن عاص

ایک طرف جناب امیر المومنین حضرت علیؓ کو اس قسم کے نقصانات اٹھانے پڑ رہے تھے تو دوسری طرف بڑے بڑے سیاستدان امیر معاویہؓ کے ساتھ شریک ہو رہے تھے۔ مغیرہؓ بن شعبہ حضرت علیؓ کو کب کا چھوڑ چکے تھے۔ اور روایت ہے کہ وہ بھی ملک شام میں پہنچ چکے تھے گو مورخین، جنگ صفین میں ان کا نام لے کر کسی کاروائی میں ان کی شرکت کا ذکر نہیں کرتے۔ ویسے آپ کے قبیلہ کے زیادہ لوگ جناب علیؓ کے ساتھ تھے۔ اس لئے شاید اس وقت تک جناب مغیرہؓ غیر جانبدار ہی رہے ہوں۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو بن عاص کی موجودگی میں مغیرہؓ بن شعبہ کچھ زیادہ اوپر نہ آئے ہوں۔ عرب کے یہ دو سیاستدان اس سے پہلے کبھی کسی محاذ پر اکٹھے نہ ہوئے۔ جناب مغیرہؓ بھی اسلام سے پہلے مصر کا دورہ کر چکے تھے جس کا ذکر تیسری کتاب میں موجود ہے۔ لیکن شاید عمرو بن عاص کی مصر کے لئے دلچسپی کے سامنے جناب مغیرہؓ نے اپنی ”دلچسپیوں“ کو اس رخ پر نہ جانے دیا۔

بہر حال جناب عمرو بن عاص نے امیر معاویہؓ کے ساتھ شرکت اختیار کر لی۔ جناب عمرو بن عاص عمر کے لحاظ سے امیر معاویہؓ سے بہت بڑے تھے اور امیر معاویہؓ کے والد کے ساتھ مل کر اسلام دشمنی میں بھی بڑا کام کر چکے تھے لیکن آپ امیر معاویہؓ اور ان کے والد دونوں سے پہلے اسلام لے آئے اور اسلام میں حضور پاکؐ اور پہلے دو خلفا کے زمانے میں بھی جناب عمرو بن عاص کو بہر لحاظ سے امیر معاویہؓ پر ترجیح حاصل رہی۔ حضرت عثمانؓ اور جناب عمرو بن عاص کے اختلافات کا ذکر ہم نے تیسری کتاب میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور اب امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص کا اتحاد اسلام کی تاریخ میں ایک موڑ یا چکر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں پہل کس نے کی اس میں بھی اختلاف ہے۔ البتہ ان حالات کی تفصیل کافی سبق آموز ہے اور ہم کم سے کم تبصرے کے ساتھ ان واقعات کا ذکر کریں گے۔

اکثر راوی کہتے ہیں کہ یہ سب عمرو بن عاص کی ذاتی اختراع تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے

وقت وہ فلسطین میں تھے جب انہوں نے سنا کہ امیر معاویہؓ نے جناب علی المرتضیٰؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تو الجھن میں پڑ گئے۔ اکثر گنگاتے تھے ”علیؓ کے ساتھ آخرت ہے، معاویہؓ کے ساتھ دنیا ہے“ بہر حال جو کچھ بھی ہوا جناب عمرو بن عاص کو پتہ تھا کہ جو حالات ظہور پذیر ہو رہے تھے ان میں جناب عمرو بن عاص کی حضرت علیؓ کے ہاں زیادہ وقعت نہ ہوگی۔ لوگ دنیا کی طرف مائل ہو رہے تھے، کچھ سیاست بازی تھی۔ ساتھ ہی آزادی نکر تھی اور لوگوں کو سختی کے ساتھ دبا دینے کی ضرورت تھی لیکن جناب علیؓ کے لئے ان چیزوں کی کچھ وقعت نہ تھی وہ سیدھی اور حق بات جانتے تھے اور اپنی امارت کو قائم رکھنے کے لئے لوگوں کو تہس نہس کرنے کو تیار نہ تھے۔

چنانچہ انہی دنوں جناب عمرو بن عاص، امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے بڑے بیٹے عبداللہؓ، امیر المومنین جناب علیؓ کو صحیح سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنے والد کو روکا بھی لیکن چھوٹے بیٹے محمدؓ کا خیال تھا کہ دنیاوی زمانہ آگیا تھا۔ بہر حال جناب عبداللہؓ بھی باپ کا ساتھ نہ چھوڑ سکے۔ پہلے پہلے تو امیر معاویہؓ کو بھی شک گذرا اور کئی دن تک عمرو بن عاص کی نگرانی کی۔ لیکن عمرو بن عاص نے امیر معاویہؓ کو کہہ دیا کہ دنیا داری کا زمانہ آچکا تھا اور کامیابی امیر معاویہؓ کی ہوگی۔ لوگ آہستہ آہستہ جناب علیؓ سے الگ ہوتے جائیں گے اور وہ امیر معاویہؓ کی مکمل ادا کریں گے۔ اس کے بدلے ان کو مصر کی حکومت چاہیے۔

مصر اور جناب عمرو بن عاص کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ تیسری کتاب کے پہلے دو ابواب میں ہم ساری تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ امیر معاویہؓ کو یہ شرط پسند تھی اور جناب عمرو بن عاص نے بھی اپنی وفات سے پہلے ندامت کا اظہار کیا۔ اپنی ساری زندگی پر تبصرہ کیا اور موت سے گھبراہٹ نہ پیدا ہوئی اور اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ لیکن یہ الفاظ منہ سے ضرور نکلے ”کہ اے عمروؓ تو نے آخرت کی بجائے مصر کو پسند کیا“ پورا بیان البتہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور ان باتوں میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں کہ ایک دن ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔

## جناب علیؓ کے لئے مسائل

یہ تھے وہ حالات جن سے امیر المومنین اسد اللہ الغالب، ابو تراب جناب علی المرتضیٰؓ دوچار

تھے۔ آپؑ نے جب خلافت سنبھالی تھی تو جناب عبداللہؑ بن عباسؑ نے آپؑ کو عرض کی تھی "الحوب خدعة" جنگ میں بڑے دھوکے ہوتے ہیں۔ آپؑ اپنی تلوار پر بھروسہ کرتے ہیں اور بہادر ہیں۔ آپؑ ہر جگہ پر موجود نہیں ہو سکتے۔ ہر مقام پر آپؑ کے خلاف دھوکے اور داؤ استعمال کئے جائیں گے۔ سیاست بازی ہوگی اور پتہ نہیں کیا کیا ہوگا اور آج حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ لوگ عجیب و غریب رنگ اختیار کر رہے تھے۔ وہ وقت کے لحاظ سے تبدیل ہو جاتے تھے اور اصولوں کو بھی قربان کر دیتے تھے۔

لیکن جناب علیؑ پھر بھی چاہتے تھے کہ مسلمان قتل و غارت سے بچ جائیں۔ چنانچہ آپؑ نے مشورہ کے لئے جریر بن عبداللہ بجلید گورنر ہمدان اور اشعث بن قیس گورنر آذربائیجان کو بلایا۔ یہ دونوں صاحبان کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جناب جریرؑ صحابی ہیں اور جنگوں میں کثرت سے شرکت کی۔ اشعث ایک دفعہ مرتد بھی ہوا۔ لیکن پھر معافی مانگ لی اور اب وہ اکثر ہمارے ساتھ رہے گا۔ جناب علیؑ ان دونوں میں سے کسی ایک کو امیر معاویہؑ کے پاس بھیجنا چاہتے تھے۔

## جناب جریرؑ کا وفد

چنانچہ فیصلہ ہوا کہ جریر بن عبداللہ بجلید کو دمشق بھیجا جائے اور جریرؑ کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ امیر معاویہؑ کو راضی کریں کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کو بھول جائیں۔ اور اب امیر المومنین جناب علیؑ کی بیعت کر کے امت میں فتنہ ختم کر دیں۔ امیر معاویہؑ ایسے مواقع کی تاک میں رہتے تھے اور التوا پیدا کر کے فائدہ اٹھاتے تھے۔ انہوں نے جناب جریرؑ کو کافی عرصہ شام میں روکے رکھا اور ایسے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرائی جو حضرت عثمانؑ کے خون کا قصاص طلب کرنے پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے۔ جناب جریرؑ اس سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے۔ ادھر امیر معاویہؑ کا یہ بھی ارادہ تھا کہ جریرؑ کے بارے میں جناب علیؑ اور ان کے ساتھیوں میں شک ڈالا جائے کہ وہ شام میں زیادہ رہے اس لئے ٹھہر گئے کہ امیر معاویہؑ کے ساتھ ساز باز کرتے رہے۔

چنانچہ جب کافی عرصہ کے بعد جناب جریرؑ واپس کو نہ آئے تو انہوں نے جناب امیر المومنینؑ کے سامنے امیر معاویہؑ کی اہمیت کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ اثر بھی پاس ہی تھا۔ اس نے

کہا " کہ میرے لحاظ سے تو جریرؓ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے اور میں جانے کو تیار تھا لیکن مجھے نہ بھیجا گیا۔"

جناب جریرؓ: " اگر تم جلتے تو امیر معاویہؓ تمہیں قتل کر دیتے کہ وہ تمہیں حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شمار کرتے ہیں۔"

اشتر: " میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ امیر المومنینؓ ہم کو اجازت نہیں دے رہے۔ ورنہ ہم آپ اور امیر معاویہؓ جیسے کسی آدمیوں کو ٹھیک کر چکے ہوتے۔"

جناب علیؓ نے دونوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی لیکن جریرؓ کافی رنجیدہ ہو گئے اور تقریباً چلے گئے۔ وہاں سے شرجیل بن السمط کنڈی کی دسالت سے امیر معاویہؓ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

## تبصرہ

جناب جریرؓ کا جائزہ بھی کسی حد تک صحیح تھا اور اشتر کا بھی۔ جناب علیؓ ہر پہلو پر کھل کر بحث کی اجازت دیتے تھے تو ان کے ساتھیوں میں اختلاف ہو جاتا تھا جس سے بڑے فرق پڑے۔ امیر معاویہؓ کے لشکر میں ان کا حکم چلتا تھا اور اکثر لوگ اس لئے ان کے ساتھ تھے کہ دنیاوی فائدہ ہوگا تو ان کے خیالات میں وحدت رہی۔ یہ بھی اللہ کا راز ہے کہ ان حالات میں حب الدنیا والے دنیاوی طور پر کامیاب رہے۔

## جناب علیؓ کی تجویز

اب جناب علی المرتضیٰؓ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ملک شام کی طرف کوچ کر کے معاملات کو سختی کے ساتھ سلجھائیں۔ آپؓ نے جناب عبداللہؓ بن عباسؓ کو بصرہ سے بلا لیا۔ وہ ایک لشکر بھی ساتھ لائے اور کوفہ میں آکر جناب امیر المومنینؓ کے ساتھ مل گئے۔ جناب امیر المومنینؓ نے کوفہ میں ابو سعودؓ انصاری کو اپنا نائب مقرر کیا اور ملک شام کے لئے روانہ ہو گئے۔ نقشہ دوم پر آپؓ کے کوچ والے راستے اور صفین کے مقام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کچھ روایات کے مطابق آپؓ کے لشکر کی تعداد پچاس ہزار سے بھی زیادہ تھی اور بعض نے صرف تیس ہزار بتائی ہے۔ آپؓ کی فوج میں



ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ اور ان کے فرزند موجود تھے۔ تقریباً چھ سو وہ صحابہ شامل تھے جنہوں نے بیعت رضوان میں حصہ لیا تھا بلکہ سترہ اصحاب بدر بھی شریک تھے۔

## لشکر کا کوچ

جناب امیر المومنینؓ نے زیادؓ بن بصرہ عاتق کو آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ مقدمہ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا۔ ان کے پیچھے چار ہزار رابطہ والی فوج شریحؓ بن ہانی کے ماتحت تھی اور اس کے ذمے جناب علیؓ کے بٹے لشکر کے درمیان رابطہ کا کام کرنا تھا خود کوچ کر کے نجد آئے اور وہاں سے مدائن پہنچے۔ معدؓ بن مسعود ثقفی کو جو شہید ایران ابو عبیدہؓ ثقفی کے بھائی تھے۔ مدائن میں امیر مقرر کر کے اپنا جانشین چھوڑا اور وہاں سے تین ہزار کا لشکر جناب معقلؓ بن قیس کی سرکردگی میں موصل والے راستے روانہ کیا۔ (نقشہ دوم سے لشکر کے کوچوں کے راستوں کا مطالعہ کریں) آپؓ اس وقت تک صرف طاق کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ شاید ہر طرف سے لشکروں کی پیشقدمی کی خبر سن کر امیر معاویہؓ راہ راست پر آجائیں۔ لشکروں کو یہ بھی ہدایات تھیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی بڑی جنگ میں نہ الجھنے دیں۔ چنانچہ آپؓ جب رقبہ پہنچے تو جناب زیادؓ اور جناب شریحؓ کے لشکر بھی آ کر مل گئے اور یہاں پر دریا کو عبور کرنے کے بعد، آپؓ نے جناب زیادؓ اور شریحؓ کو پھر آگے بھیج دیا۔

## شام کی فوج سے پہلا ٹکراؤ

دونوں مقدمہ الجیش والوں کا ٹکراؤ امیر معاویہؓ کی فوج کے ایک دستہ کے ساتھ ہوا۔ جس کی کمانڈ ابوالاعورؓ کر رہے تھے۔ جب جناب امیر المومنینؓ کو یہ خبر ملی تو آپؓ نے اشرک کو آگے بھیجا کہ دونوں لشکروں کی کمانڈ سنبھال لیں لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ جب تک آگے اہل شام مقابلہ نہیں کرتے خود لڑائی کے لئے صف بندی کر کے حملہ نہ کرنا۔ لیکن یہاں پر ابوالاعورؓ سلمیٰ نے امیر المومنینؓ کے لشکر کے جیش المقدمہ کو روکا تو جنگ چھڑ گئی لیکن جنگ کم تھی اور جھڑپیں زیادہ تھیں بلکہ لعن طعن کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جناب علیؓ کے لشکر والے اہل شام کو باغی اور گمراہ کہتے تھے اور ادھر وہ جناب علیؓ کے لشکر کو قاتلین عثمانؓ

کا نام دیتے تھے۔ انہی حالات میں دوسرے دن جناب علیؓ بھی آگے پہنچ گئے اور انہوں نے جیسے ہی اشتر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ کا ایک ٹڈی دل لشکر وہاں پہنچ چکا تھا جنہوں نے دریائے فرات کے پانی پر بھی قبضہ کیا ہوا تھا۔

## جناب علیؓ کی نرمی

جناب امیر المومنینؓ نے جناب صعصعہ بن صوحانؓ کو امیر معاویہؓ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ ہم لڑائی میں پہل نہیں کرنا چاہتے اور ہم اب بھی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ میرا مقصد آپ کے نزدیک پہنچنا تھا۔ اور میں نے سختی سے حکم دیا تھا کہ لڑائی میں پیش رفت نہ کرنا لیکن آپ کے لشکر والوں نے ہمیں روکا تو ان کو پیچھے دھکیلنا پڑا۔ اب آپ لوگوں نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ پانی کے مسئلہ پر خواہ مخواہ لڑائی ہو۔ امیر معاویہؓ نے اس سلسلہ میں اپنے رفقاء کے ساتھ مشورہ کیا۔ عمرو بن عاص پانی پر سے قبضہ اٹھانے کے حق میں تھے لیکن عبداللہ بن ابی سرح سابق گورنر مصر اور ولید بن عقبہ سابق گورنر کوفہ پانی پر قبضہ کے حق میں تھے اور امیر معاویہؓ نے پانی پر سے قبضہ نہ اٹھایا۔

## پانی پر لڑائی

امیر معاویہؓ کی طرف سے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ ابوالاعور اسلمیؓ پانی پر قابض تھے۔ جناب علیؓ نے اشعث بن قیس کو چند ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا کہ پانی کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیں لیکن آگے سے امیر معاویہؓ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ عمرو بن عاص اور یزید بن اسعد کو بھیج دیا۔ اب مجبوراً امیر المومنین جناب علیؓ نے اشتر کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ آگے بھیجا اور اشتر نے ایک سخت لڑائی کے بعد دریائے فرات کے چشموں پر قبضہ کر لیا۔ اب کچھ لوگوں نے جناب امیر المومنین حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ شامی فوج پر پانی بند کر دیا جائے۔ اللہ کے شیر مسکرا دیئے۔ بھلا وہ ایسا کب کر سکتے تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ کچھ چشموں کو خالی چھوڑ دیا جائے تاکہ امیر معاویہؓ کے لشکر کے لوگ بغیر کسی ڈر کے آئیں اور

سے جناب زیدؓ کے بھائی

پانی لیتے رہیں۔ سبحان اللہ کیا شان والی بات ہے۔

## تبصرہ

کہتے ہیں کہ جنگ میں اور محبت میں سب کچھ جائز ہے لیکن یہ جنگ تو اپنوں کے ساتھ تھی مسلمان تو غیروں پر بھی پانی بند نہ کرتے تھے اور جناب علیؓ کی خلافت میں ہمارے لئے یہی اسباق ہیں کہ مشکل حالات میں بھی اصولوں کو نہ توڑا جائے اور غیروں کی طرح یہ نہ کہا جائے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ اسلام کی اس میں بڑائی ہے کہ ہر زمانے میں عظیم مسلمان موجود رہے اور یہ غلط تاثر ہے کہ اسلام صرف پہلے چند سال نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے عمل سے ہر زمانے میں اپنے فلسفہ حیات کا اصول اور عملی مظاہرہ کیا اور غلامی کے زمانے میں بھی غازی مرید حسین شہید اور غازی علم دین شہید جیسے عظیم مسلمان پیدا ہوئے جو ناموس رسولؐ پر قربان ہو گئے اور ایک ہی عمل سے غازی اور شہید بن گئے۔

## امیر معاویہؓ کی فوج

کچھ مورخین نے امیر معاویہؓ کی فوج کی تعداد نوے ہزار بتائی ہے لیکن ان مورخین نے جناب امیر المومنین حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی فوج کی تعداد بھی اسی ہزار بتائی ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی فوج زیادہ سے زیادہ ساٹھ ہزار تھی کہ آپ اکثر ساٹھ ہزار شیوخ کا ذکر کرتے تھے جو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہؓ زیادہ سے زیادہ ساٹھ ہزار فوج اکٹھی کر سکتے تھے اور اسی حساب سے ہم نے امیر المومنینؓ کی فوج کی تعداد چالیس یا پچاس ہزار کے قریب بتائی ہے کہ وہ امیر معاویہؓ کی فوج سے چند ہزار کم تھی۔ امیر معاویہؓ کی فوج میں بھی کئی صحابہ کرام تھے جن میں عمرو بن عاص ان کا بیٹا عبد اللہؓ، عبید اللہؓ بن عمر فاروقؓ، حبیب بن مسلمہ، ضحاک بن قیس، ابوالاعور اسلمیؓ، عبد اللہؓ بن ابی سرح، ولید بن عقبہ وغیرہ شامل تھے۔

امیر معاویہؓ اس بات پر مبصر تھے کہ قصاص کے طور پر وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف گھیراؤ کیا۔ ان کے حوالے کر دیئے جائیں لیکن یہ ناممکن قسم کی شرط تھی اور پہلے وہ امیر المومنینؓ کی بیعت کرتے اور پھر مقدمہ دائر کرتے لیکن اب تو حالات بالکل ہی تبدیل ہو چکے تھے کہ امت گروہوں میں بٹ چکی تھی اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہو چکے تھے جو کہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ

کا قتل واجب تھا بلکہ یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے امرا میں سے امیر معاویہؓ سمیت کسی لوگوں کو پکڑ کر ان کی تمام جائیداد حکومت کو لے لینی چاہیے۔ اس کے علاوہ بصرہ میں کسی لوگ شہید ہو چکے تھے اور لوگوں کا خیال تھا امیر معاویہؓ کی شہ پر مردان وغیرہ نے سازش کر کے بصرہ میں خانہ جنگی کرائی اور لوگ شہید ہو گئے۔ ان سب کا قصاص امیر معاویہؓ اور بنو امیہ سے لیا جائے۔

چنانچہ لوگ کہتے تھے کہ امیر معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ یا ان کے خاندان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں وہ ان کی مظلومی کا بہانہ بنا کر حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ قارئین کی توجہ تیسری کتاب کے آخری ابواب کی طرف دلائی جاتی ہے جہاں امیر معاویہؓ نے مدینہ شریف میں عظیم صحابہؓ کو کہا کہ وہ اس بوڑھے یعنی حضرت عثمانؓ کو ان کے حوالے کئے جاتے ہیں تو حضرت علیؓ نے ان کو ٹوکا تھا کہ یہ ایک غلط طرز ہے۔ حضرت عثمانؓ کی دارت ساری امت ہے کہ مسلمانوں کا امیر حضور پاکؐ کا جانشین ہوتا ہے اور اب چونکہ حضرت علیؓ جانشین تھے تو حضرت عثمانؓ کے قصاص کی ذمہ داری ان پر تھی۔ باقی لوگ دخل اندازی کر کے حضرت علیؓ کی پوزیشن کو خراب کر رہے تھے۔

## امیر المومنینؓ کی صلح کی ایک اور کوشش

چنانچہ پانی پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی جناب علیؓ نے جنگ کو آگے نہ بڑھایا اور دو دن تک صبر سے کام لیا اور اس کے بعد ایک وفد تشکیل کیا جس میں اپنے قبیلہ قریش میں سے کسی کو شامل کرنے کی بجائے انصار سے بسیر بن محض، قبیلہ تمیم سے شہت بن ربیع اور ہمدان کے علاقہ سے نو مسلم سعید بن قیس کو شامل کیا اور فرمایا کہ آپ لوگ لشکر شام میں جائیں اور امیر معاویہؓ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔

چنانچہ وفد نے امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ کر اول اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر حضور پاکؐ پر درود و سلام بھیجا اور عرض کی:

”اے معاویہؓ! امت میں تفریق نہ پیدا کرو اور خونریزی سے باز آؤ“

امیر معاویہؓ: ”ایسی نصیحت اپنے امیر علیؓ کو بھی کرو“

وفد: ”خدا کی قسم وہ اسلام کو تم سے بہتر سمجھتے ہیں وہ سابق الاسلام ہیں اور وہ حق پر ہیں“

امیر معاویہؓ میں تو صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں کہ سب قاتلین ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔“

شبت بن ربیع، اسے معاویہؓ! خدا سے ڈر۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی ذمہ داری تمام بنو امیہ پر آتی ہے اور خاص کر تمہارے اوپر۔ تم لوگوں نے مشکل وقت میں حضرت عثمانؓ کی کوئی مدد نہ کی کہ تم لوگ چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ شہید ہو جائیں اور ان کی شہادت کے ذریعہ سے آپ لوگ حکومت کے وارث بن جائیں۔ یہ آپ لوگوں کی سیاست ہے۔“

اس طرح کافی تلخ کلامی ہوئی۔ ہم شبت کے بیان پر زیادہ تبصرہ تو نہ کریں گے کہ وہ کوئی سخت قسم کا حضرت علیؓ کا حامی بھی نہ تھا۔ جنگ کربلا میں عمرو شمر کے لشکر میں شامل تھا جس کا ذکر ساتویں باب میں آئے گا۔

بہر حال وفد نے واپس آ کر جناب امیر المومنینؓ کو حالات سے آگاہ کیا تو پھر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ لیکن ذوالحجہ کا مہینہ تھا۔ جناب علیؓ نے فرمایا کہ شدت سے حملہ نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کا خون خراب ہوگا۔ سب مورخین اور مبصرین یہ کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علیؓ اگر کوئی بھرپور حملہ کر دیتے تو امیر معاویہؓ کو لشکر کوشکست ہو گئی ہوتی۔ حملہ یا جارحانہ کارروائی صرف جناب علیؓ ہی کر سکتے تھے۔ امیر معاویہؓ دفاعی طرز اپنائے ہوئے تھے کہ اس وقت تک ان کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ حضرت علیؓ کے خلاف صفین کے مقام پر کوئی کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ فتح کو آگے بڑھا سکتے۔ اس لئے وہ وقت گزارنے اور ٹالنے کی کوشش میں تھے۔ امیر معاویہؓ جانتے تھے کہ ”وقت“ ان کا ساتھی ہے اور وقت ہی کی وجہ سے وہ اتنا کچھ حاصل کر چکے تھے۔ اگر بصرہ میں حالات خراب نہ ہوتے تو جناب علیؓ شام میں بغاوت کب کی ختم کر چکے ہوتے۔ اسی وجہ سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مروان کو مکہ بھیجنے کی تجویز امیر معاویہؓ کی تھی کہ جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ اور جناب عائشہؓ نے بصرہ کا رخ کیا کہ ان سب

لے وقت سے مطلب التوا ہے۔

واقعات سے فائدہ امیر معاویہؓ ہی کو ہوا۔ جنگ میں التوا سے فائدہ ان کو ہوتا ہے جو سیاست کا داؤ استعمال کرتے ہیں۔ کلاسوٹز نے اپنی کتابوں میں اس پہلو کی خوب وضاحت کی ہے کہ التوا اچھی چیز نہیں ہے اور ہم خود کشمیر کی فائر بندی کے نتائج دیکھ چکے ہیں کہ معاملات الجھتے جا رہے ہیں۔

## جناب امیر المومنینؓ کی مصالحت کی ایک اور کوشش

اب محرم ۳۷ ہجری تھی اور جناب علیؓ نے مصالحت کی ایک اور کوشش کی اس دفعہ ثبث بن ربیع کے علاوہ وفد میں چار نئے امرار کو بھیجا گیا جن میں عدی بن حاتم، زید بن قیس اور زیاد بن حفصہ تینوں صحابی تھے۔ اب سب لوگوں نے امیر معاویہؓ کو بہت سمجھایا لیکن امیر معاویہؓ کا جواب سیاسی الفاظ میں تھا کہنے لگے: ”کمال ہے کہ تمہاری اس تقریر کا تو یہ مطلب ہوا کہ میں تمہارے دوست کی اطاعت قبول کر لوں۔ سمجھوتے کبھی یک طرفہ بھی ہوتے ہیں نہیں! نہیں! میرے لئے یہ ناممکن ہے۔ تمہارے دوست نے ہمارے خلیفہ کو قتل کر دیا اور پھر قاتلوں کو پناہ دی“

اس دفعہ امیر معاویہؓ نے جناب عثمانؓ کے ساتھ رشتہ داری کی بجائے خلیفہ کا لفظ استعمال کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں کا ایک جائز امیر ظاہر کرنے کی کوشش کی جو حق طلب کر رہا تھا تو ثبث بن ربیع کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا: ”اے معاویہؓ تو باعنی ہے، اللہ سے ڈر۔ جناب عمارؓ بن یاسرؓ بھی جناب علیؓ کے لشکر میں ہیں اگر وہ شہید ہو گئے تو تمہاری بغاوت پر مہر لگ جائے گی“

امیر معاویہؓ نے کہا کہ مجھے عمارؓ کو شہید کرنے میں کوئی مامل نہیں۔

## تبصرہ

اب یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ سب موزعین نے ایسے ہی لکھا ہے اور ایسا صحیح ہو سکتا ہے کہ جناب معاویہؓ اگر جناب علیؓ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار تھے تو جناب عمارؓ کے لئے بھی وہ ایسے الفاظ استعمال کر سکتے تھے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اگر یہ صحیح ہے تو پھر بھی یہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور امیر معاویہؓ کے درمیان ہے۔

بہر حال جناب معاویہؓ نے اب ایک داؤ کھیلا۔ انہوں نے دیکھا کہ زیاد بن حفصہ خاموش تھے کہ وہ

فطرتاً کم گو تھے تو امیر معاویہؓ ان کو ایک طرف الگ لے گئے اور ان کے سامنے امیر المومنین جناب علیؓ کا گلہ کر کے انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اور ساتھ ہی امارت کا لالچ بھی دیا لیکن جناب زیادؓ نے اونچی آواز میں جواب دے کر امیر معاویہؓ کو حیران کر دیا۔ ان کا جواب یہ تھا: "میں موید من اللہ ہوں۔ میں گنہ گاروں کا معین نہیں ہو سکتا اور نہ مجھے حکومت کی پرواہ ہے۔"

## شامیوں کا وفد

امیر معاویہؓ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ جناب علیؓ کے لشکر میں سے کسی اور کو ساتھ نہ ملا سکیں گے۔ حضرت علیؓ کئی مصالحتی وفد بھیج چکے تھے۔ اس سے امیر معاویہؓ کو ڈر لگا کہ ان کے لشکر والے ان پر تہمت لگائیں گے کہ وہ مصالحت نہیں چاہتے لیکن ان کو اصل خوف یہ تھا کہ ان کے وفد والے جناب علیؓ کی باتوں سے متاثر نہ ہو جائیں۔ اس لئے ایسے آدمیوں کو وفد میں شامل کیا جو حضرت علیؓ اور اہل عراق کے لئے ناپسندیدہ شخصیتیں تھیں۔ ان میں ایک حبیب بن مسلمہ تھے جن کے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عراقی لشکر کے ساتھ آذربائیجان میں کئی جھگڑے ہوئے۔ دوسرے شرجیل بن السمط تھے۔ جن کی وساطت سے جناب جریرؓ، حضرت علیؓ کے لشکر کو چھوڑ کر امیر معاویہؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور تیسرے معن بن یزید تھے جو امیر معاویہؓ کے پروردہ تھے۔ حضرت علیؓ کے پاس پہنچتے ہی حبیب بن مسلمہ نے ایک تقریر کر ڈالی جس کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے: "آپ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ نے ان کو قتل نہیں کیا تو پھر ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ آپ امارت چھوڑ دیں اور مسلمان جس کو چاہیں متفق ہو کر امیر بنالیں۔"

امیر المومنین جناب علیؓ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کہ اہل شام اس حد تک جا سکتے ہیں۔ انہوں نے ادھر ہی اپنے امرا کو بھی بلایا اور فرمایا کہ "سنو! اہل شام اس حد تک بھی جا سکتے ہیں" اور پھر حضرت علیؓ نے ایک خطبے میں تمام حالات کا جائزہ پیش کیا کہ حضرت عثمانؓ کس طرح شہید ہوئے۔ اور امیر معاویہؓ کی کیا سیاست ہے۔ تقریر اتنی رقت آمیز تھی کہ جناب علیؓ کے لشکر کے تمام امرا کے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر شامی وفد نے ماحول میں تبدیلی لانے کی کوشش کی اور جناب علیؓ سے یہ سوال کیا "کیا آپ شہادت دیں گے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم نہیں مارے گئے؟"

امیرالمومنین جناب علیؑ نے فرمایا: "میں نہ ان کو مظلوم کہتا ہوں اور نہ ظالم۔"  
 شامی وفد کو ایک بہانہ چاہیے تھا کہنے لگے "دیکھو عجیب بات ہے جناب علیؑ، حضرت عثمانؓ  
 کو مظلوم بھی نہیں کہتے۔" اور اٹھ کر چلے گئے۔ شامی وفد کے واپس ہونے پر جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ  
 نے یہ آیت پڑھی: "إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ فَتَهُمُ مَسْمُومُونَ"۔ پھر اپنے ساتھیوں کو خطاب فرمایا:  
 "یہ لوگ گمراہی میں اسی قدر کوشش کرتے رہیں گے جس قدر تم لوگ طلب حق اور اطاعت رب  
 میں سعی کرو گے۔"

## تبصرہ

قارئین! ہم ان واقعات پر تبصروں سے گریز کریں گے کہ ہم تفرقہ کو بڑھانا نہیں چاہتے لیکن  
 تاریخ کے بامقصد مطالعہ سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور قصاص ایک  
 شرعی یا فقہی مسئلہ تھا۔ حضرت علیؑ نے جن حالات میں اسلام کے مرکز کو سہارا دیا اور خلافت قبول  
 کی اس سلسلہ میں پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے لیکن اب جناب عثمانؓ کی شہادت  
 ایک سیاسی مسئلہ بن چکا تھا اور لوگوں نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت بنو امیہ  
 کی سازش کے تحت ہوئی جس میں امیر معاویہؓ شریک تھے اور اگر یہ لوگ ہم پر قاتلین عثمانؓ ہونے کا  
 الزام لگاتے ہیں کہ ہم جناب علیؑ کی مدد کر کے اسلام کے مرکز کو سہارا دے رہے ہیں تو بے شک  
 ہم "قاتلین عثمانؓ" ہیں۔ پہلے ایسی بات صرف وہ لوگ کہتے تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف  
 گھیراؤ میں حصہ لیا تھا یا جن کے رشتہ دار بصرہ میں شہید ہو گئے تھے لیکن اب اہل شام کا رویہ دیکھ کر  
 حضرت علیؑ کے شکر میں لوگوں نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ بنو امیہ ایسا کہتے ہیں کہ ہم "قاتلین عثمانؓ"  
 ہیں تو چلو مان لیتے ہیں کہ ہم ایسے ہیں جب قوم سے وعدت نکر ختم ہو جائے تو پھر حالات بھی ایسے  
 ہو جاتے ہیں۔

ہے زندہ فقط وعدت افکار سے ملت

وعدت ہونا جس سے وہ الہام بھی الہاد

(اقبال)



## جنگ کے واقعات

اب امیر المومنین حضرت علیؓ کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا لیکن بھرپور جنگ یا پورے لشکر سے حملہ کرنے کی بجائے جناب علیؓ نے لشکر کو دستوں میں بانٹ دیا کہ باری باری حملہ کریں گے چنانچہ صفر ۳ ہجری میں جنگ پھر شروع ہو گئی اور جنگ کے پہلے دن امیر المومنینؓ کے لشکر سے اشرع علم لے کر آگے بڑھا تو امیر معاویہؓ کے لشکر سے حبیب بن مسلمہ کا لشکر مقابلہ پر آیا اور سارا دن بھر پور لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن جناب علیؓ کے لشکر سے جناب سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ علم لے کر آگے نکلے تو امیر معاویہؓ کے لشکر سے ابی الاعدود اسلمیؓ نے مقابلہ کیا۔ تیسرے دن امیر المومنینؓ کے لشکر سے نوے برس کی عمر والے جناب عمارؓ بن یاسر علم لے کر آگے نکلے تو امیر معاویہؓ نے عمرو بن عاص کو آگے نکلنے کا حکم دیا کہ وہ بھی اسی برس کی عمر کے قریب تھے۔ آپ کے بیٹے عبید اللہؓ نے ان کو منع کیا اور حضور پاکؐ کی حدیث یاد دلائی کہ کم از کم سیدھے طور پر تو جناب عمارؓ کے سامنے نہ جاؤ لیکن یہ امیر معاویہؓ کی سیاست تھی اور مصر کی حکمرانی کی خاطر جناب عمرو بن عاص بقول ان خود کے آخرت کو بھول چکے تھے۔

چوتھے دن حضرت علیؓ کے بیٹے جناب محمد بن حنیفہ علم لے کر آگے نکلے تو امیر معاویہؓ نے آگے سے جناب فاروق اعظمؓ کے بیٹے عبید اللہؓ کو علم دیا۔ یہ بھی سیاست تھی اور سارا دن بھر پور لڑائی ہوتی رہی بلکہ شام کو عبید اللہؓ نے محمد بن حنیفہ کو مبارزت کی دعوت بھی دے دی اور محمدؓ آگے بڑھ رہے تھے کہ امیر المومنینؓ نے گھوڑا دوڑا کر اپنے بیٹے کو بلایا گو بعد میں جنگ میں عبید اللہؓ شہید ہو گئے لیکن امیر معاویہؓ چاہتے تھے کہ اولاد علیؓ اور اولاد عمرؓ میں دشمنی بٹھے۔

پانچویں روز جناب علیؓ کی طرف سے جناب عبید اللہؓ بن عباسؓ علم لے کر آگے بڑھے، تو

۱۔ جنگ قادسیہ میں شام کے لشکر کو لاکر شریک کیا جس کا ذکر پہلی کتاب میں موجود ہے۔  
 ۲۔ عبید اللہؓ اپنی والدہ کی طرف سے امیر معاویہؓ کے ساتھ رشتہ میں منسلک ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کی باقی اولاد غیر جانبدار تھی۔

امیر معاویہؓ نے جناب عثمانؓ کے اخیانی بھائی ولیدؓ بن عقبہ سابق گورنر کوفہ کو علم دیا اور بڑی عزیز جنگ ہوئی لیکن معاملات بین بن ہی رہے۔ چھٹے دن جناب علیؓ نے پھر اشرک کو آگے بڑھایا تو مقابلہ میں حبیبؓ بن مسلمہ ہی آیا لیکن لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلہ پر نہ پہنچ رہی تھی۔ جناب علیؓ کوئی بھرپور حملہ نہ کر رہے تھے کہ شاید کسی طرح امیر معاویہؓ اور ان کے حواریوں کو عقل آجائے۔ لیکن اب جناب امیر المومنینؓ مجبور ہو گئے اور بھرپور لڑائی کی تجویز بنائی۔

## بھرپور لڑائی

جناب امیر المومنینؓ نے اپنے لشکر کو نئے سرے سے ترتیب دی۔ میمنہ یر جناب عبداللہؓ رضی بن بدیل خزاعی کو مقرر کیا۔ میسرہ یر جناب عبداللہؓ رضی بن عباسؓ کو مقرر کیا۔ درمیان میں قرآن پاک کے قاری تھے جن میں جناب عمارؓ بن یاسرؓ، جناب عبداللہؓ رضی بن زید اور جناب قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ قابل ذکر ہیں۔ آگے سے حبیبؓ بن مسلمہ حسب معمول نکلا لیکن جناب علیؓ کے لشکر نے بھرپور حملہ کر دیا جس کی وجہ سے حبیبؓ بن مسلمہ اور شامی لشکر کے قدم اکھڑ گئے۔

امیر معاویہؓ چوکنے تھے اور لشکر کی پچھلی صفیں تیار تھیں۔ اسی دوران امیر معاویہؓ نے لوگوں سے موت پر بیعت بھی لے لی اور جناب علیؓ کی پیش قدمی کرنے والی فوج پر اہل شام نے اتنا سخت حملہ کیا کہ جناب عبداللہؓ رضی بن بدیل اور ان کے دستے گھیرے میں آ گئے۔ جناب امیر المومنینؓ نے ان کی مدد کے لئے جناب سہلؓ بن حنیف کو بھیجا تو وہاں حالات کو سنبھالا مل گیا لیکن اب میسرہ کی طرف حالات کچھ خراب ہو رہے تھے تو جناب علیؓ اپنے تینوں بیٹوں جناب امام حسنؓ، جناب امام حسینؓ اور محمدؓ بن حنیفہ کو ساتھ لے کر اُس طرف بڑھے کہ آگے سے ابوسفیانؓ کے پرانے خادم کیان نے حضرت علیؓ پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور جناب علیؓ کا دفاع کرتے ہوئے ان کے خادم جناب امر شہید ہو گئے۔ جناب علیؓ کو غصہ نہیں آتا تھا اور خود تو وہ کسی مسلمان پر ہاتھ نہ اٹھا رہے تھے کہ شاید کون کس "مجبوری" کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ میں شریک ہے لیکن یہاں کیان کی دیدہ دلیری کو

لے ان کا حضرت علیؓ کے ساتھ عقد مواخذہ تھا۔ شام میں ان کو عامل مقرر کرنے کا ذکر ہو چکا ہے۔

دیکھ کر آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو سر سے پکڑ لیا اور زمین پر سے اٹھا کر ایک گیند کی طرح اس طرح دور پھینک دیا کہ اس کے سب اعضا ٹوٹ گئے۔ اللہ کے شکر کی یہ طرز دیکھ کر آگے سے شامی لشکر بھاگ گیا۔ جنگ کا پانسہ تبدیل ہو چکا تھا اور اہل شام کے کچھ مزاج درست بھی ہوئے کہ دائیں بازو سے اشر بھی ان پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ جناب علیؓ اس سے آگے پیش قدمی نہ کرنا چاہتے تھے لیکن جناب عبداللہؓ بن بدیل پھر آگے نکل گئے اور شام والوں کی صفوں میں اتنے دور تک گھس گئے کہ امیر معاویہؓ کو گھوڑا منگوا کر اپنی پوزیشن تبدیل کرنا پڑی یعنی اہل شام کی فوج کی اگل چار صفیں میدان جنگ چھوڑ چکی تھیں لیکن گہرائی میں جو لوگ تھے وہ موت پر بیعت کی وجہ سے ڈٹ گئے۔ اب بھر پور جنگ جاری تھی اور دوپہر کے بعد جنگ میں سخت شدت آگئی۔ امیر معاویہؓ کے لشکرے جناب عبید اللہؓ بن عمر فاروقؓ اور مشہور صحابی دوا لکلاحؓ شہید ہو گئے اور جناب علیؓ کے لشکر سے جناب عمارؓ بن یاسرؓ نے جب دیکھا کہ جناب علیؓ خود میسرہ کی طرف مصروف ہیں تو وہ بھی جذبہ جہاد کی وجہ سے اگلی صفوں میں پہنچ گئے۔ روایت ہے کہ آپ کی عمر نوے برس کے قریب تھی اور جناب علیؓ نے صرف ایک دن آپ کو علم دے کر لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت اس لئے دی کہ اہل شام پر واضح ہو کہ جناب عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ہیں۔

## جناب عمارؓ کا خطبہ

کتابوں کے اس سلسلہ میں اس پہلو کی اکثر وضاحت کر دی گئی ہے کہ جب شہادت کا تحفہ پیش ہونے والا ہو تو اس سے چند لمحے یا چند دن پہلے اللہ تعالیٰ شہید کو ایک خاص نشتے میں مخمور کر دیتا ہے۔ کسی کے لئے یہ عطا تھوڑے وقت کے لئے ہوتی ہے اور کئی عظیم شہداء زیادہ دن اس نشتے میں مخمور رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی ادا کو کسی قلم سے بیان کرنا مشکل ہے چنانچہ ایسے ہی نشتے میں مخمور جناب عمارؓ بن یاسرؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور پکار اٹھے:

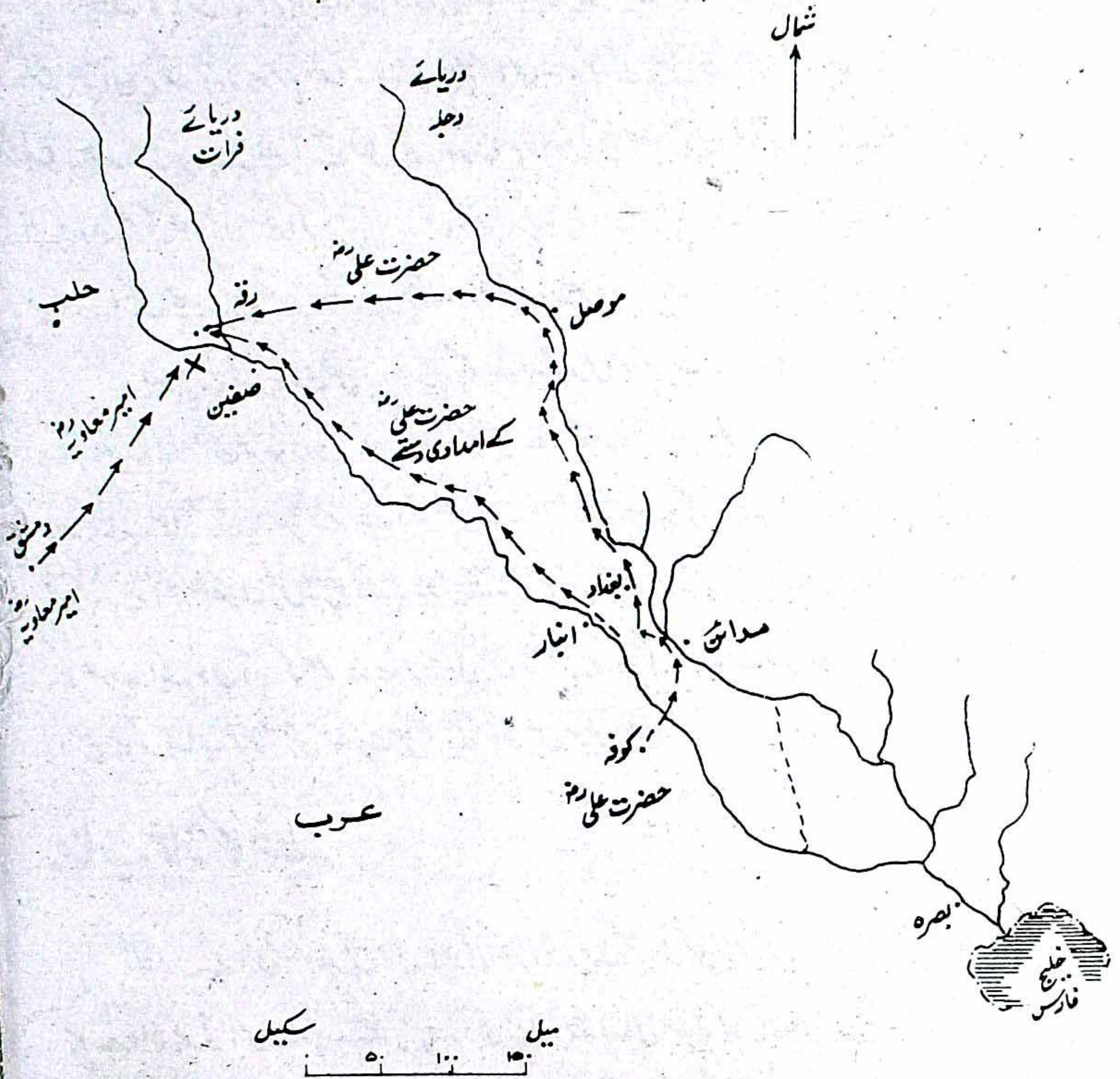
”اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تیری مرضی اس میں ہے کہ میں اپنے آپ کو دریا میں پھینک دوں تو میں بے شک ایسا ہی کرتا۔ اے اللہ! تجھے یہ معلوم ہے کہ اگر میں جانتا کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ تلوار کی دھارا اپنے پیٹ پر رکھ لوں اور اس کو اس روز سے دباؤں کہ

صفحہ ۹۰

جنگ صفین ۳۶ ہجری

نقشہ دوم

طریقہ کے کوچ



پشت سے نکل آئے تو میں بلاشبہ ایسا ہی کرتا۔ اے اللہ! آج میں ایسا کرنا چاہتا ہوں کہ تو ان فاسقوں کی جنگ سے زیادہ اس سے راضی ہو۔“

پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز میں کہا ”کوئی شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا خواہشمند ہو تو پھر اسے مال و اولاد کی طرف واپس جانے کی امید نہ رکھنی چاہیے۔“

## مجاہدین کا جذبہ جہاد

جناب عمارؓ کا یہ الفاظ سن کر متعدد مجاہدین نے نعرہ تکبیر بلند کیا لیکن کسی میدان جنگ میں پہلی دفعہ جناب عمارؓ بن یاسرؓ نے آج نعرہ تکبیر کے بعد یا رسول اللہؐ کے علاوہ یا علیؑ کا نعرہ لگا دیا۔ عاشق رسولؐ جناب عمارؓ کی یاد میں آج بھی کسی پہلوان یا فوجی یا علیؑ کا نعرہ لگاتے ہیں۔

علاوہ ایک اور روایت ہے کہ کچھ مجاہدین نے یہ بھی کہا ”اُو آگے بڑھیں اور ایسے لوگوں پر حملہ کریں جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کو سیاسی مسئلہ بنا کر مکر و فریب کیا ہے۔“ ان حملہ کر نیوالے مجاہدین کی کمانڈ جناب عمارؓ کے علاوہ جناب سعدؓ بن ابی وقاصؓ کے بھتیجے جناب ہاشمؓ بن عبیدہؓ بھی کر رہے تھے۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے مقابلہ میں جناب عمروؓ بن عاصؓ تھے۔

## حضرت عمارؓ کی شہادت

جناب عمارؓ ایک علم اٹھائے ہوئے تھے اور جیسے عمروؓ بن عاصؓ نظر آئے تو پکار اٹھے :

”اے عمروؓ! تفس ہے تجھ پر تو نے اپنے دین کو مصر کے عوض فروخت کر ڈالا۔“

عمروؓ بن عاصؓ: ”نہیں! بلکہ میں خون عثمانؓ کا معاوضہ طلب کرتا ہوں۔“

جناب عمارؓ: ”میں اپنے علم و یقین سے شہادت دیتا ہوں کہ تو اپنے ان اعمال سے اللہ تعالیٰ کے

خوشنودی نہیں چاہتا۔ مرنے کے بعد تجھ پر اس کا حال ظاہر ہوگا تو صرف آج کے دن اس لشکر کے ایک

علم بردار (جناب عمارؓ خود) کے ساتھ نبرد آزما نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی تین بار تو حضور پاکؐ کے اس

علم بردار (جناب عمارؓ خود) کے ساتھ نبرد آزما ہو چکا ہے اور آج یہ جو تھا واقعہ ہے کیا تجھے یاد نہیں کہ

حضور پاکؐ نے فرمایا تھا کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔“

عمرو بن عاص کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور جناب عمارؓ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور آپ نے عمرو بن عاص کو جو پہلے تین موقعے یاد کرائے تھے وہ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق تھیں۔ جناب عمارؓ اسلامی لشکر میں تھے اور عمرو بن عاص اس وقت کفار میں تھے۔ یہ شہادت کی کہانی اس عظیم شہید کی ہے جن کی والدہ اسلام کی پہلی شہید تھیں۔ اور اسلام لانے کے سلسلہ میں کفار کے جتنے ظلم جناب عمارؓ اور ان کے خاندان نے سہے ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ یاد رہے کہ حق پر چلنے والوں کی بسم اللہ بھی اتنی عظیم تھی جیسے آخری لمحے تھے جناب عمارؓ کے ایک ایک لفظ میں اسلامی فلسفہ حیات کے اسباق ہیں اور آپ کی اداؤں پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ ہم جناب عمارؓ کو سلام کرتے ہیں۔

## شیر خدا کا اعلان

امیر المؤمنین جناب علیؓ کو جب جناب عمارؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپؓ امیر معاویہؓ کے نزدیک پہنچ گئے اور اعلان کیا:

”اے ابن ابوسفیانؓ! تیرے اور میرے درمیان آج اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے عمارؓ بن یاسرؓ میرے ساتھ تھے۔ تم لوگوں نے ان کو شہید کر دیا۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ عمارؓ کو باغی لوگ شہید کریں گے۔ آج تیری بغاوت پر اللہ تعالیٰ نے مہر ثبت کر دی۔ اگر شک ہے تو اپنے لشکر میں سے صحابہ کرامؓ سے پوچھ لے۔“

امیر معاویہؓ کے لشکر سے جناب عمرو بن عاص کے بیٹے جناب عبد اللہؓ نے گواہی دی کہ یہ حدیث مبارکہ میں نے بھی سنی ہے۔ امیر معاویہؓ نے عمرو بن عاص کی طرف دیکھا کہ تیرا بیٹا عبد اللہؓ کیا کہتا ہے۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ بات تو صحیح ہے چاہے تو اس سے کوئی اور مطلب نکالے۔ امیر معاویہؓ پکار اٹھا: ”عمارؓ کی شہادت کا قصور آپ لوگوں کے سر ہے کہ اتنے بوڑھے کو میدان جنگ میں لے آئے۔“

## جناب علیؓ کی مبارزت طلبی

جناب علیؓ نے یہ سن کر فرمایا:

”اے معاویہ! تھو ہو تجھ پر۔ تیری ہر بات کی تاویل اپنی قسم کی ہوتی ہے۔ اب چھوڑو باقی باتوں کو اور امیرے مقابلے پر آ جا کہ فیصلہ ہو جائے۔ مسلمانوں کا خون خواہ مخواہ رائیگاں نہ جائے گا اور امارت کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔“ عمرو بن عاص نے بھی صلاح دی کہ مقابلہ کر لو لیکن امیر معاویہ نے کنارہ کشی اختیار کی اور مقابلے کے لئے آگے نہ آئے۔

## جنرل گلب کا تبصرہ

جنرل گلب لکھتا ہے کہ اس زمانے میں جناب علیؑ کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی اور امیر معاویہؓ کی عمر پچاس برس سے بھی کم تھی۔ ویسے جناب علیؑ کے بارے میں مسلمانوں نے تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بہادری، اصول پسندی، تدبیر اور سنجیدگی یعنی ہر قسم کی برتری ٹپکتی ہے لیکن یہاں پر آکر آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ جناب علیؑ اتنا ذاتی خطرہ مول لینا چاہتے تھے۔ خیر امیر معاویہؓ کے مقابلہ پر نہ آنے کی بات تو سمجھ آ سکتی ہے کہ وہ کبھی کوئی ذاتی خطرہ لینے کو تیار نہ تھے۔“

## تبصرہ

یہاں قارئین ہمیں بھی تبصرہ کی اجازت دیں۔ دنیاوی لحاظ سے جنرل گلب کا تبصرہ کافی حقیقت پسندانہ ہے۔ امیر معاویہؓ کے بارے میں اس نے جو کچھ لکھا وہ صحیح ہے۔ لیکن گلب نے جناب علیؑ شیر خدا کی شان کو دنیاوی یا بودے پیمانوں سے ناپا ہے۔ امیر معاویہؓ کو البتہ معلوم تھا کہ جناب شیر خدا ان کو بھی پکڑ کر گیند کی طرح اس طرح پھینک دیں گے جس طرح ان کے خادم کیان کو پھینکا تھا۔ اور کیان سے تو کچھ نرمی برتی تھی اور امیر معاویہؓ کے ساتھ نرمی نہ برتتے کہ شاید ان کو اٹھا کر زیادہ دور پھینک دیتے۔ جنگ بدر یا جنگ احد کے وقت تو امیر معاویہؓ شاید چھوٹے تھے اور لشکر کفار میں شریک نہ ہوئے لیکن سن چکے تھے کہ شیر خدا کیا کر سکتے ہیں اور معلوم تھا کہ خیبر کی لڑائی میں ہاتھ سے ڈھال گر گئی تو قلعہ کے دروازہ کو اکھیڑ لیا اور اس نو ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔

جنرل گلب کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ مسلمان فتح کے لئے جنگ نہیں لڑتے بلکہ حق کے لئے لڑتے ہیں جنرل گلب واحد مغربی مبصر ہے جو دبی زبان میں کچھ ایسی باتوں کو تسلیم کرتا ہے لیکن یہاں کچھ بھول

گی۔ اگر حضرت علیؑ اس لڑائی میں شہید ہو جاتے تو پھر بھی انہوں نے مقصد حاصل کر لیا ہوتا۔ اہل حق ذاتی خطروں کی پرداہ نہیں کرتے۔ اس کی مزید وضاحت ساتویں باب میں آئے گی۔

## لیلۃ الحریر

جب سورج غروب ہونے لگا تو جنگ اس وقت بھی جاری تھی اور اگر ایک دو گھنٹے اور روشنی رہتی تو شام کی فوج کے قدم اکھڑ جاتے لیکن اندھیرا ان کے اڑے آیا اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا۔ اہل شام کچھ ٹھہر گئے البتہ کسی محاذوں پر جنگ رات کو بھی جاری رہی اس لئے اس رات کو لیلۃ الحریر کہتے ہیں۔ تمام رات امیر المومنین جناب علیؑ آگے والی صفوں میں چکر لگاتے رہے اور مجاہدین کو آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے رہے۔

سورج نکلنے ہی جناب علیؑ بھانپ گئے کہ شامی لشکر میں اب لڑنے کی کوئی سکت باقی نہیں تھی اس لئے جناب علیؑ نے اشتر کو ایک بازو سے ایک لشکر کے ساتھ آگے بھیجا جس نے اہل شام کے عقب پر حملہ کر دیا۔ پس اہل شام کے قدم اکھڑ گئے اور اس کے بعد شام کی فوج میدان جنگ میں چند لمحے ہی ٹھہر سکتی تھی۔

## آخری حربہ

امیر معاویہؓ البتہ ان حالات سے بچنے کے لئے تیار تھے اور میدان جنگ کی شکست کو امیر معاویہؓ نے سیاست سے التوا میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے فوج کو حکم دیا کہ قرآن پاک کو نیروں پر اٹھا کر آگے بڑھو اور اعلان کر دو کہ "اے اہل عراق! تمہارے اور ہمارے درمیان قرآن پاک فیصلہ کرے گا اور لڑائی بند کر دیں۔"

روایت ہے کہ جناب عمرو بن عاص نے امیر معاویہؓ کو یہ صلاح دی اور یہ بالکل ممکن ہے لیکن یہ کوئی "دقتی" صلاح نہ تھی بلکہ ظاہر ہے کہ یہ امیر معاویہؓ کی تجویز کا ایک حصہ تھی۔ اہل شام اس "حربہ" کو استعمال کرنے کے لئے پہلے سے تیار تھے کہ شکست کی صورت میں یہ "آخری حربہ" استعمال کریں گے۔ قرآن پاک کا ایسا استعمال سیاست کے طوط پر اب بھی ہر سطح پر ہوتا ہے کبھی قرآن پاک کو ضامن



بنایا جاتا ہے اور کبھی کوئی سیاست دان قرآن پاک کو اٹھا کر اعلان کرتا ہے کہ یہ ہمارا منشور ہے۔ یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ یہ سیاست والی بات ہے یا نفسیاتی اور وقتی بچاؤ کی۔ دراصل قرآن پاک پر عمل کا حکم ہے اور اس کے علاوہ جو آدمی قرآن کا کوئی اور استعمال کرتا ہے اس کی نیت دیکھی جائے۔ اور جنگ صفین کا یہ بڑا سبق ہے۔ امیر معاویہؓ اور اہل شام اگر قرآن پاک کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار تھے تو لڑائی کے پہلے دن یہ کارروائی کرتے۔

ابن خلدون کی تاریخ کے مترجم جناب حکیم احمد حسن اللہ آبادی لکھتے ہیں کہ جناب عمرو بن عاص نے قرآن پاک کو نیزوں پر اٹھا کر اسلام کی بڑی خدمت کی کہ خون خرابہ بند ہو گیا۔ انسوس ہے کہ ہم ایسے خیالات کے ساتھ متفق نہیں ہیں، ہمارے لحاظ سے اس وجہ سے فتنہ بڑھا اور خون خرابے ہوئے۔ سانحہ کربلا ہوا اور اس کے بعد دس سال مسلمانوں میں خانہ جنگی جاری رہی۔ اگر قرآن پاک نہ اٹھایا جاتا اور اس دن جنگ جاری رہتی تو تاریخ کی شکل کچھ اور ہوتی۔ بہر حال ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا۔

## حیران کن باتیں

لیکن قرآن پاک کے اٹھانے کے سلسلے میں کچھ حیران کن باتیں بھی ہیں۔ شام کے لشکر میں متعدد لوگ اس کام کے لئے تیار تھے اور اتنے قرآن پاک نیزوں پر نظر آئے کہ حضرت علیؓ کے لشکر پر نفسیاتی اثر ہو گیا اور انہوں نے تلواریں میان میں ڈال دیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عراق کی فوج میں کچھ لوگ اس طریقہ کار کے منتظر تھے کہ جب اہل شام قرآن پاک اٹھائیں گے تو عراق کی فوج میں وہ اور لوگوں کو بھی جنگ کرنے سے روک دیں گے۔ قرآن پاک جنگ جمل میں بھی اٹھائے گئے لیکن وہاں کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں کیوں اثر ہوا۔ ظاہر ہے کہ جناب علیؓ کے لشکر میں کچھ لوگ امیر معاویہؓ کے لئے کام کر رہے تھے یعنی میدان جنگ میں بھی امیر معاویہؓ کی سیاست کام کر رہی تھی۔

بہر حال جیسے ہی اہل عراق نے قرآن پاک کو نیزوں پر دیکھا تو تلواریں نیام میں ڈال دیں اور لڑائی سے ہاتھ روک لئے۔ پھر بلند آواز میں کہنے لگے۔ ”ہم کتاب اللہ کا فیصلہ منظور کرتے ہیں۔“

جناب علیؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ نے لکارا۔ ”اے اللہ کے بندو حق کو حاصل کرنے کے لئے آگے

بڑھو۔ یہ اہل شام کا مکرو فریب ہے۔ ہم تو ان کے ساتھ اس لئے لڑ رہے ہیں کہ وہ قرآن پاک پر عمل کریں  
لیکن یہ لوگ قرآن پاک کی آڑ لے کر مکرو فریب کر رہے ہیں۔“

## خارجی فرقہ کی ابتدا

جناب علیؑ نے بڑی کوشش کی کہ لڑائی بند نہ ہو لیکن اب قبیلہ تمیم سے مسعر بن مذک اور قبیلہ طے سے  
زید بن حصین آگے بڑھے اور جناب علیؑ کے لئے امیر المومنین کے الفاظ استعمال کئے بغیر کہنے لگے :  
”اے علیؑ! کتاب اللہ کو منظور کرو ورنہ ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہارے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے جو  
ابن عفانؑ کے ساتھ کر چکے ہیں۔“ یہ تھے آزادی فکر والوں کے کر توت۔ ان لوگوں نے سامنے سے جنگ  
بالکل بند کر دی اور جناب علیؑ اب عجیب و غریب حالات میں میدان جنگ میں کھڑے تھے۔ اب اگر وہ  
جنگ جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں تو لشکر کا زیادہ حصہ حکم ماننے سے انکار کر دیتا۔ یہی نہیں بلکہ کئی لوگ  
حضرت علیؑ کے پاس آئے اور زور دے کر کہنے لگے کہ اشر نے جنگ بند نہیں کی اس سے جنگ بند کرانی جائے  
جناب علیؑ نے اشر کو پیغام پہنچایا تو اشر نے جواب دیا کہ اب فتح چند لمحوں کی بات ہے اور اسے جنگ  
جاری رکھنے کی اجازت دی جائے لیکن حضرت علیؑ نے جناب زید بن ہانی کو بھیجا کہ اشر کو صحیح حالات  
سے آگاہ کریں۔

جناب زید بن ہانی نے جا کر جب اشر کو یہ کہا کہ تمہاری فتح کس کام آئے گی کہ اگر اس دوران عراقی  
لوگ حضرت علیؑ کو شہید کر دیں۔ اشر وہاں سے بھاگا اور جناب علیؑ کے پاس آیا اور مسعود وغیرہ کو کھجانے  
کی کوشش کی کہ اہل شام کے مکرو فریب میں نہ آئیں لیکن وہاں اتنی سخت کلامی ہوئی کہ الٹا جھگڑا ہو گیا۔  
جناب علیؑ نے مشکل کے ساتھ بیچ بچاؤ کر کے حالات کو ٹھیک کیا اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو جناب علیؑ کے  
لشکر میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔

## تبصرہ

جناب علیؑ کے لشکر میں آزاد نکر والے لوگ زیادہ تھے اور یہی لوگ آگے خارجہ جیوں کے سرغنہ بنے۔ لیکن  
معلوم ہوتا ہے کہ سازش بھی تھی۔ بہر حال پہلے گزارش کی جا چکی ہے کہ جناب علیؑ کے لشکر میں سنجیدہ لوگ بھی

تھے اور آزادی فکر والے لوگ بھی، کچھ ابن الوقت لوگ بھی تھے اور ان میں وحدت فکر نہ تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں وحدت فکر تھی۔ ایک طرف سیاست کے طور پر ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص والا مسد تھا تو دوسری طرف دنیا کی امارت کا پہلو بھی پیش نظر تھا۔ اگر جناب علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سب لوگ سنجیدہ اور حق والے ہوتے جس طرح جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یا مقد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے تو پھر جنگ کی یہ صورت نہ ہوتی۔ وقتی وحدت فکر یا دنیاوی باتوں پر اتحاد بھی کام دے جاتا ہے۔ اس لئے یہ سبق بڑا اہم ہے کہ قوم میں وحدت فکر پیدا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے۔

## جنگ صفین کے شہدا

بہر حال جس طرح بھی ہوا جنگ بند ہو گئی اور جو مسلمان بھی اس جنگ میں کام آئے ہم ان کو شہدا ہی کہیں گے۔ اصلی بات نیت کی ہے اور ہم کسی کے الفاظ پر شک کرنے کو تیار نہیں۔ وہ سب اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے حضور پاک نے فرمایا تھا کہ جناب عمار رضی اللہ عنہ کو باغی لوگ شہید کریں گے اور جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو کارروائی پر بغاوت کی مہر ضرور لگ جاتی ہے لیکن یہ معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ روایت ہے کہ جنگ صفین میں ستر ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ہمارے پاس اس روایت کی تردید کا کوئی ذریعہ نہیں لیکن یہ کچھ زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ بھرپور جنگ صرف دو دن رہی اور پھر عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم سے صرف چند صحابہ شہید ہوئے۔ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے جناب عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور جناب ذوالکلاع رضی اللہ عنہ کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا۔ البتہ چند اور عظیم ہستیوں کا ذکر ضرور کریں گے جو جناب علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھیں۔

## خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

روایت ہے کہ عاشق رسول جناب اویس قرنی رضی اللہ عنہ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور شہید ہوئے۔ مورخین آپ رضی اللہ عنہ کی شمولیت کا ذکر نہیں کرتے اور خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کو

لے آپ رضی اللہ عنہ کے مزار پر ہر وقت خلقت کا جم غفیر موجود رہتا ہے۔

زندگی میں حضور پاکؐ کی زیارت نصیب نہ ہوئی لیکن آپؐ "دیدارِ خاص" سے مستفیذ ہو چکے تھے۔ آپؐ مدینہ شریف حاضر بھی ہوئے لیکن حضور پاکؐ وہاں موجود نہ تھے اور اگر حضور پاکؐ وہاں ہوتے تو شاید آپؐ پروانے کی طرح جل جاتے۔ بہر حال فقراء میں آپؐ کا مقام بہت اونچا ہے اور عاشقوں میں ان کا نام سرفہرست ہے۔ جنگِ اُحد میں جب خبر سنی کہ حضور پاکؐ کا ایک دندان مبارک شہید ہوا تو اپنے سب دانت باری باری اکھیڑ دیئے۔ روایت ہے کہ حضور پاکؐ آپؐ کے لئے ایک جُبہ چھوڑ گئے تھے جو حضور پاکؐ کی وفات کے بعد جناب فاروقِ اعظمؓ اور جناب علی المرتضیٰؓ نے آپؐ کے گھر جا کر آپؐ کو دیا اور جناب علیؓ کی آپؐ کے ساتھ وہاں پر ملاقات ہوئی

### جناب خزیمہ بن ثابت

ایک اور شہید جناب خزیمہؓ تھے۔ ان کا تعلق انصارِ مدینہ کے ساتھ تھا۔ آپ کو خزیمہ ذوالشہادتؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "آپ کی شہادت یعنی گواہی کو دو گواہوں کے برابر تسلیم کیا جائے" واقعہ یہ ہے کہ حضور پاکؐ کا ایک یہودی کے ساتھ مقدمہ تھا جس میں یہودی نے حضورؐ کو کوئی گواہ پیش کرنے کے لئے کہا۔ تو جناب خزیمہؓ آگے بڑھے کہ "میں گواہ ہوں" حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "آپ تو وہاں موجود نہ تھے" تو جناب خزیمہؓ نے عرض کی "اے آقا! آپ ہمیشہ سچ فرماتے ہیں اور میں گواہی دوں گا کہ آپ سچ فرما رہے ہیں" حضور پاکؐ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ مقدمہ تو خیر معمولی بات تھی لیکن یہاں ایک مثال قائم ہو گئی کہ حضور پاکؐ کے غلاموں میں لوگوں کے ایمان کے بڑے بلند درجے تھے۔

بہر حال جناب خزیمہؓ کو جب پتہ چلا کہ جناب عمارؓ بن یاسرؓ، حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں اور جناب علیؓ کے خلاف جگہ جگہ بغاوت ہو رہی ہے۔ تو آپؓ بھی جناب علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ وہ جناب عمارؓ بن یاسرؓ کے ساتھ بہتے تھے کہ ان کی شہادت بھی ان کے ساتھ ہو تو ایک اور خواہش بھی پوری ہو گئی۔

### جناب عبد اللہ بن کعب

ایک اور عظیم شہید جناب عبد اللہؓ بن کعب تھے۔ اہل شام پر حملہ کرتے وقت ان کے الفاظ یہ تھے،

”اے مجاہدو! میدان جنگ کو پس پشت رکھو۔ بے شک جس شخص کی صبح اس حال میں ہوتی کہ میدان جنگ پس پشت رہا وہی فتح مند ہوا۔“

اسلامی فلسفہ جنگ کے سلسلہ میں ان الفاظ میں ایک پوری کتاب کا مضمون موجود ہے۔ بے شک اس زمانے میں جنگ کا نقشہ تبدیل ہو چکا ہے اور صفوں یا پوزیشنوں میں اتنی گہرائی ہوتی ہے کہ ہر ایک آدمی میدان جنگ کو پس پشت نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ان الفاظ میں اسلامی فن سپہگری کا عملی فلسفہ ہے۔ جس پر ہر سطح پر عمل ضروری ہے۔ تفصیلات حالات کے مطابق طے کی جاسکتی ہیں۔

## مکر و فریب والوں کا دوسرا وار

اہل شام نے سیاست اور مکر و فریب کے ذریعے ایک کامیابی حاصل کر لی تھی جنگ میں اتوا ہو گیا یا وقتی طور پر جنگ ختم ہو گئی۔ اس کو آج کل کے زبان میں فائر بندی کہتے ہیں۔ جنگ میں کتنا نقصان ہوا اور اس نقصان کی وجہ سے شاید کچھ لوگ ”فائر بندی“ پر تیار تھے۔ لیکن ستر ہزار مسلمانوں کا شہید ہونا کچھ ناممکن نظر آتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو دونوں طرف سے امرایا مشہور ہستیاں بھی اسی اوسط کے ساتھ شہید ہوتیں جنگ یمامہ میں شہدا کی تعداد زیادہ تھی تو وہاں صحابہ کرامؓ اور متعدد حفاظ کی شہادت کا ذکر ہے۔ بہر حال اب جناب علیؓ جو کچھ کر رہے تھے وہ مجبوری کے تحت کر رہے تھے۔ ویسے بھی انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر خلافت سنبھالی اور حالات کی مجبوریوں کے تحت امارت اور اسلام کے مرکز کو قائم رکھنے کے لئے سب کچھ کر رہے تھے۔ ورنہ ماحول ایسا نہ تھا جس میں جناب علیؓ کے حق پر ہونے کی تائید ہو۔ لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے۔ اس لئے جناب علیؓ نے اشعث بن قیس کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ اہل شام سے معادوم کریں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ امیر معاویہؓ نے سب کچھ کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کر رہے تھے اور انہوں نے کہا کہ طرفین ایک ایک منصف مقرر کریں اور ان منصفوں سے حلف لیا جائے کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے اور ان کے فیصلہ کو ہمیں تسلیم کرنا ہوگا۔ ساتھ ہی امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے عمرو بن عاص کو منصف مقرر کر دیا۔

اب اس فیصلہ میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ جناب علیؓ کسی وفد بھیج چکے تھے کہ آؤ کتاب اللہ یعنی حق کا فیصلہ تسلیم کریں لیکن اس کے نتائج کچھ بھی نہ نکلے تھے۔ اس لئے جب اشعث نے واپس آ کر

جناب علیؑ کو یہ بات بتائی تو آپؑ مسکرا دیئے اور تجویز منظور فرمائی کہ کتاب اللہ کے فیصلہ سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ ہماری طرف سے جناب عبداللہؑ بن عباسؑ منصف ہوں گے۔

## خارجی گروہ کا پہلا وار

مسراور زید کے علاوہ اب شہت بن عمرو بھی آزاد فکر والے گروہ میں شامل ہو چکا تھا اور وہ لوگ کہتے تھے کہ اب امیر المومنینؑ ہر فیصلہ ان سے پوچھ کر کریں گے۔ اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ ان کو منصف کے طور پر جناب عبداللہؑ بن عباسؑ منظور نہیں بلکہ وہ جناب ابو موسیٰ اشعریؑ کو منصف منتخب کرتے ہیں۔ جناب ابو موسیٰ اشعریؑ کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن قارئین کو معلوم ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ دل سے شامل نہ ہوئے تھے بلکہ ان کو کوفہ کی امارت سے بھی ہٹانا پڑا تھا۔ وہ جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ نہ تھے۔ بعد میں حالات سے مجبور ہو کر وہ جناب علیؑ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے لیکن قارئین نے دیکھا ہو گا کہ جنگ میں انہوں نے کوئی خاطر خواہ کام نہ کیا تھا۔

چنانچہ جناب علیؑ نے فرمایا کہ جناب ابو موسیٰؑ ثقہ نہیں اور ان کی رائے وقتی ہوتی ہے میں ان کو منصف نہ بناؤں گا۔ خارجی کہنے لگے کہ عبداللہؑ بن عباسؑ آپ کے رشتہ دار ہیں ہم ان کو منصف تسلیم نہیں کرتے جناب علیؑ نے اشتر کا نام لیا تو خارجی کہنے لگے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے زمرے میں نہیں آتا تو جناب علیؑ نے فرمایا کہ سب صحابہ کرام کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور ان میں سے کسی کو منتخب کر لیں گے۔ لیکن خارجیوں نے یہ تجویز بھی نہ مانی بلکہ جناب احنف بن قیس کا نام بھی پیش کیا گیا۔ لیکن خارجیوں نے ہٹ بولنگ مچادی، یہی نہیں بلکہ اب اشعت بن قیس بھی جناب ابو موسیٰؑ کے حق میں بول رہا تھا تو یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشعت ایسا کیوں کر رہا تھا اگر اشعت کے سارے کردار پر نظر ڈالی جائے تو یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ وہ امیر معاویہؑ کے ساتھ بھی کوئی رابطہ قائم رکھے ہوئے ہوں اور جناب ابو موسیٰؑ کا منصف کے طور پر چناؤ کسی تجویز کا نتیجہ تھا۔ اس تجویز میں اشعت بھی شامل ہو سکتا ہے۔ ہاں البتہ جناب ابو موسیٰؑ

۱: کچھ مبصرین نے شہت بن عمرو اور شہت بن ربیع کو ایک آدمی بنا دیا۔

کے کردار پر کوئی حرف نہیں آتا کہ وہ ان باتوں سے بلند تھے۔ ان کی شرافت کا استعمال اپنے حق میں کیا جاسکتا تھا۔ قارئین البتہ ان باتوں پر نظر رکھتے ہوئے ہمارے ساتھ چلیں۔

اشعت بن قیس وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے باسے میں خلیفہ اول نے افسوس کیا کہ اپنی بہن کا رشتہ اس کو کیوں دیا۔ پھر اشعت ایک دفعہ مرتد بھی ہو گیا تھا اور دوبارہ اسلام کی آغوش میں آیا وہ بلاشبہ اسلام کی جنگوں میں بہادری سے لڑا۔ شاعر بھی تھا اور جناب خالدؓ سے کچھ ذاتی انعام بھی حاصل کیا اور اس کا ذکر دوسری کتاب میں ہے لیکن اسی کی بیٹی تھی جو امام حسنؓ کی زوجیت میں تھی۔ روایت ہے کہ اس نے امیر معاویہؓ یا یزید کے کہنے پر امام حسنؓ کو زہر دیا۔ اس لئے قارئین اشعت بن قیس کی مستقبل کی کاروائیوں پر نظر رکھیں۔

## منصف کا انتخاب

بہر حال جناب علیؓ اب حالات کو بھانپ چکے تھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھنے والا ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا ”اچھا جو چاہو اور جو تمہاری سمجھ میں آئے کرو“ پھر جناب ابو موسیٰؓ کو بلوایا گیا اور ان کو بتایا گیا کہ لڑائی موقوف کر دی گئی ہے۔ جناب ابو موسیٰؓ بولے ”الحمد للہ“ اور پھر ان کو بتایا گیا کہ تم منصف مقرر کئے گئے ہو۔ آپ نے انا لله وانا اليه راجعون پڑھا۔

## تحکیم کا عہد نامہ

اسی دوران امیر معاویہؓ کے لشکر سے عمرو بن عاص پہنچ گئے اور اقرار نامہ لکھنے کے لئے کہا۔ کاتب نے بسم اللہ کے بعد جب آگے حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین کے الفاظ لکھے تو عمرو بن عاص نے قلم پکڑ لیا اور کہا کہ جناب علیؓ ان کے امیر نہیں۔ یہ الفاظ ختم کر دو۔ جناب احنفؓ پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ الفاظ ختم نہیں کئے جاسکتے کہ بے شک وہ اکثر مومنین کے امام ہیں لیکن اشعت نے عمرو بن عاص کی رائے سے اتفاق کیا۔

امیر المومنین جناب علیؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ آپؓ کو صلح حدیبیہ یاد آگئی جس میں آپؓ خود کاتب تھے۔ اور کفار زور دے رہے تھے کہ حضرت پاکؐ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہؐ کے الفاظ نہ لکھے جائیں اور آپؓ

نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

عمر بن عاص کہنے لگا کہ آپ ہمیں کفار سے تشبیہ دے رہے ہیں حالانکہ ہم مومن ہیں۔  
جناب علیؓ نے فرمایا: اے عمرو! تو اس میں بھی حق کا مخالف تھا اور آج بھی ہے اور پھر کچھ سخت  
باتیں بھی ہو گئیں۔ تحریر البتہ حسب ذیل ہے:

”یہ وہ تحریر ہے جس کو علیؓ بن ابی طالبؓ اور معاویہؓ بن ابوسفیانؓ نے باہم بطور اقرار نامہ کے  
لکھا ہے۔ علیؓ نے اہل کوفہ اور ان لوگوں کی طرف سے جو ان کے ہمراہ تھے، منصف مقرر کیا اور معاویہؓ  
نے ان لوگوں کی جانب سے اور اہل شام کی طرف سے جو ان کے ہمراہ تھے منصف مقرر کیا۔ بے شک  
ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب کو منحصر علیہ قرار دیتے ہیں اور اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ سوائے  
اس کے دوسرا کوئی دخل نہ ہوگا اور قرآن پاک شروع سے آخر تک ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہم زندہ  
کریں گے اس کو جس کو اس نے زندہ کیا اور ماریں گے اس کو جس نے اس کو مارا ہے (قرآن پاک پر  
عمل کے لئے عربی طرز بیان کے یہ الفاظ ہوتے ہیں) اور منصفین جو کچھ قرآن میں پائیں گے ان پر عمل کریں  
گے اور وہ منصف ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیسؓ اور عمرو بن عاصؓ ہیں جو کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ  
اور ایسی باتوں پر عمل کریں گے جو اختلاف پیدا نہیں کرتیں۔“

## منصفین کے لئے رضوابط و شرائط

اس کے بعد دونوں منصفین کے لئے جناب علیؓ اور جناب معاویہؓ اور ان دونوں کے لشکروں سے  
ان کی جانوں، مالوں اور ان کے اہل و عیال کے لئے امن کی ضمانت لی گئی اور منصفین پر فرض کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ  
کو حاضر و ناظر جان کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ یہ معاہدہ صفر کے مہینے میں ہوا اور منصفین کو اجازت  
تھی کہ رمضان ۳۷ ہجری تک کسی ایسے مقام پر فیصلہ کریں جو کوفہ اور شام کے درمیان میں واقع ہو۔

اے: عربی کے عہد نامہ پر رضی اللہ تعالیٰ وغیرہ کے الفاظ نہیں۔ ہم نے از خود ادب کے طور پر ناموں پر  
رض کا لفظ لکھ دیا۔

اے جناب ابو موسیٰؓ کا پورا نام



## معاہدہ پر دستخط

اس معاہدہ پر جناب علیؓ کی طرف سے اشعث بن قیس کندی، سعید بن قیس ہمدانی، قاہر بن کمی الجلی، عبد اللہ بن محل العجلی، حجرید عدی کندی، عبد اللہ بن طفیل عامری، عقبہ بن زیاد حضرمی، یزید بن فحیہ تمیمی اور مالک بن کعب ہمدانی نے دستخط کئے۔ جناب معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور اسلمی، حبیب بن مسلمہ، سبیع بن یزید انصاری، عتبہ بن ابی سفیانؓ، زبل بن عمرو عندی، حمزہ بن مالک ہمدانی، عبد الرحمن بن خالد مخزومی اور یزید بن عیسیٰ نے دستخط کئے۔ یہ نام لکھنے میں ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کے رشتہ داروں یا مہاجر و انصار صحابہ کرام اور اشراف میں سے کسی نے بھی معاہدہ پر دستخط نہ کئے کہ یہ معاہدہ اہل عراق کی مرضی کی وجہ سے جناب علیؓ مجبوری کے تحت کر رہے تھے لیکن امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی کہ ان کے بھائی اور ان کے ساتھ جو صحابہ کرام شامل تھے ان سب نے دستخط کئے اور امیر معاویہؓ نے ایک اور التوا حاصل کر لی۔

## جناب علیؓ کی کوفہ واپسی

اس کے بعد جناب علیؓ نے جب کوفہ واپس جانے کے احکام دیئے تو خارجی آگے بڑھے اور کہنے لگے یہ غلطی ہو گئی۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن کے مطابق تو اسی وقت فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ چھ مہینے تو مال مٹول والی بات ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اس معاہدہ کو ختم کر کے لڑائی دوبارہ شروع کی جائے۔ جناب علیؓ نے فرمایا کہ "معاہدے توڑنے کے لئے نہیں کئے جاتے۔ تم ہی لوگوں کے کہنے پر یہ معاہدہ کیا گیا ہے، تو آزادی فکر والے کہنے لگے کہ انہیں ان نتائج کا خیال نہ تھا۔ جناب علیؓ نے فرمایا "اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہے اور واپس کوفہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ خارجیوں میں سے کافی لوگ جناب علیؓ کے لشکر سے الگ ہو گئے اور ان لوگوں نے حموراک راہ لی۔ ان کی کمانڈر شبت بن عمرو تمیمی اور عبد اللہ بن ابلہ لشکری نے سنبھال لی۔ ان لوگوں

لے۔ آج کل کچھ تاریخ دانوں نے شبت بن عمرو تمیمی اور شبت بن ابی کو ایک ہی شخص بنا دیا ہے۔ شبت بن ابی کا ذکر اب ساتویں باب میں آئے گا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ میں شامل تھا۔

کو حروریہ بھی کہتے ہیں۔ بہر حال جناب علیؑ کی عملداری میں لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک شیعان علیؑ تھے جو کہتے تھے کہ جناب علیؑ حق پر ہیں اور دوسرے خارجی یا حروریہ جو ہر روز ایک نئی تاویل آگے لاتے تھے اور اس کا ذکر آگے آتا رہے گا۔

## شیعان علیؑ

یہ بہتر ہو گا کہ شیعان علیؑ کا تاریخی پہلو بھی بیان کر دیا جائے۔ اس زمانے میں جو لوگ حضرت علیؑ کو حق پر سمجھتے تھے۔ وہ سب کے سب شیعان علیؑ ہی کہلاتے تھے۔ فقہی گروہ اس زمانے میں نہ تھے حضرت علیؑ کی وفات کے بعد اور امام حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد لوگوں نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا لیکن ایسے لوگ جن کی ہمدردی ان اصولوں کے ساتھ تھیں جو کچھ حضرت علیؑ نے کیا۔ وہ سب شیعان علیؑ ہی کہلاتے رہے۔ کافی زمانہ بعد بھی فقہ کے لحاظ سے کوئی گروہ نہ تھے اور فقہ شرعی مسائل کے عدالتی فیصلہ تک محدود تھا یا عبادت کے طریقوں یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عملی پہلوؤں میں کچھ فروعی قسم کی باتوں میں تقلید کا پہلو تھا۔ فقہ جعفریہ یا فقہ حنفیہ یا حنابلہ وغیرہ کے الفاظ اس زمانے میں سننے میں نہ آتے تھے۔ امام اعظمؒ نے از خود امام جعفر صادقؑ سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کے درمیان اختلافات اتنے معمولی تھے جس طرح کسی ایک مقدمہ کا فیصلہ سناتے وقت کوئی جج اختلافی رائے پیش کرے۔ دونوں نے از خود کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ کوئی فقہ کی کتاب امام حنبلؒ نے لکھی البتہ مسند حنبل یعنی امام حنبلؒ نے احادیث کی کتاب ضرور لکھی۔

مامون الرشید کے زمانے تک بھی خارجیوں سے تو معتزلہ، جبریہ، جہمیہ اور قدریہ اور پتہ نہیں کتنے گروہ پیدا ہو چکے تھے اور خود معتزلہ میں بہت گروہ تھے لیکن شیعان علیؑ یا سواد اعظم میں کوئی گروہ نہ تھے اور فقہ کے اختلافات کو گروہ بندی کے طور پر استعمال نہ کیا جاتا تھا بلکہ اہل سنت و الجماعت یا شیعہ کے لفظ بھی گروہ بندی کے طور پر استعمال نہ ہوتے تھے۔ امام حنبلؒ کے ماموں رشید سے اختلافات کے وقت تمام سواد اعظم امام حنبلؒ سے متفق تھے اور امام علی رضاؑ اولاد حسینؑ کی سفارش کی وجہ ماموں رشید نے امام حنبلؒ کو قتل نہ کیا۔ ماموں نے اپنا جانشین بھی امام علی رضاؑ کو نامزد کیا تھا۔ بہر حال اکثر چھوٹے چھوٹے گروہ یا فرقے سامنے آتے رہے جنہوں نے خود بھی اپنا کوئی نام رکھا ہوا تھا اور مخالفین نے ان کا کوئی نام رکھ دیا تو وہ اسی نام

سے موسوم ہونے لگے۔ بہرحال ہم اس کی تفصیل میں نہ جائیں گے کہ ان میں سے اکثر فرقے یا گروہ خود بخود ختم ہو گئے۔ اسلام کی تاریخ پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں نہ کوئی گروہ بندی ہے نہ الگ الگ سیاسی جماعتیں۔ فقہی گروہ بھی ہماری سمجھ سے باہر ہیں کہ جس زمانے میں بڑے بڑے امام اور مفکر پیدا ہوئے۔ اس کے پورے ایک سو سال بعد بھی ان کے نام سے کوئی الگ فقہی گروہ نہ تھے۔ بے شک امام مسلم اور امام بخاری نے احادیث کی چھان بین کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی اور ضعیف احادیث کو اپنی کتاب میں نہ شامل کر کے کافی فرقے ختم کئے۔ اسی وجہ سے جو پہلے تین سو سالوں میں چھوٹے چھوٹے گروہ پیدا ہو گئے تھے ان میں سے کئی ایک ختم ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ تبخ تابعین کی زندگیوں کا مطالعہ اگر اس زمانے کے حالات کی مدد سے کیا جائے تو آگے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب فرقے اس وجہ سے پیدا ہونے شروع ہو جاتے تھے کہ جہاد یا جہاد کی تیاری میں جمود آجاتا تھا تو لوگ فضول بحث مباحثہ اور حب الدنیا کے تحت خود غرضی کا شکار ہو جاتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم نے قومی وحدت یا امت کی وحدت کے لئے "فقہ وحدت" یا "فقہ عسکریت" کی اصطلاح کا استعمال کیا ہے کہ اختلافات کو فقہ عسکریت کی مدد سے ختم کیا جائے یعنی پوری امت اللہ کی فوج بن جائے اور جہاد کو جاری و ساری کر دیا جائے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا کہ ہماری ذلت جہاد سے گریز کی وجہ سے ہے اور غیر ہمیں ترک جہاد کی تعلیم دے رہے ہیں۔

تعلیم اس کو چاہتے ہیں ترک جہاد کی  
دنیا کو جس کے پنجہ خونین سے ہو خطر

## منصفین کا اجتماع

دونوں منصف اذرح کے مقام پر اکٹھے ہوئے جو دومۃ الجندل کے پاس ہے۔ جناب علیؓ کی طرف سے ابن عباسؓ چند ہمراہیوں کے ساتھ وہاں موجود تھے یعنی جیسے مقدمہ میں طرفین حاضر ہوتے ہیں اور امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن عاصؓ دونوں کام کر رہے تھے۔ منصف کا بھی اور امیر معاویہؓ کے مختار کا بھی۔ شام کے جو لوگ عمرو بن عاصؓ کے ساتھ آئے وہ سختی کے ساتھ عمرو بن عاصؓ کا حکم مانتے تھے لیکن ابن عباسؓ کے ساتھ جو لوگ عراق سے آئے۔ ان کی آزادی فکر نے ان کو آزاد چھوڑا ہوا تھا اور وہاں

بھانت بھانت کی بولیاں تھیں۔

روایت ہے کہ کچھ غیر بانبار لوگ بھی وہاں موجود تھے جن میں جناب سعد بن ابی وقاص، جناب عبداللہ بن عمر، جناب عبدالرحمن بن ابوبکر، اور جناب عبداللہ بن زبیر قابل ذکر ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ کا نام بھی لیا جاتا ہے جس سے ہمارے اس تجزیہ کو تقویت ملتی ہے کہ جنگ صفین تک وہ امیر معاویہ کے ساتھ شامل نہ تھے۔

منصفین کی بات چیت کو مورخین نے جس رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عمرو بن عاص باقی کرتے تھے اور جناب ابو موسیٰ بن کعب نے کہاں یا نہ کر دیتے تھے۔ عمرو بن عاص نے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان سے قرابت کا ذکر کیا تو ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ اسلام امارت میں وراثت کو تسلیم نہیں کرتا۔ پھر عمرو بن عاص نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضور پاک سے قرابت داری کا ذکر کیا کہ وہ ام المؤمنین ام حبیبہ کے بھائی ہیں تو ابو موسیٰ ہنس دیئے کہ اگر حضور پاک سے قرابت کو پیمانہ بناتے ہو تو پھر جناب علی سے بہتر کوئی حق دار نہیں۔

اب عمرو بن عاص نے پینترا بدلا اور کہا امیر معاویہ سیاست اور ملک داری میں بہت ہوشیار ہیں تو ابو موسیٰ نے کہا کہ پھر ابرہہ بن الصباح کی اولاد سے کوئی آدمی تلاش کرو۔ اب عمرو بن عاص خاموش ہو گئے اور کہنے لگے کہ بہتر ہے جناب علی اور جناب معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کا کوئی اور امیر مقرر کر لیں۔ ابو موسیٰ نے یہ تجویز منظور کر لی تو عمرو بن عاص نے اپنے لڑکے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لئے پیش کیا تو ابو موسیٰ نے کہا کہ ان سے عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص عبدالرحمن بن ابوبکر، عبداللہ بن زبیر اور کئی عظیم صحابہ جو زندہ ہیں، بہتر ہیں۔ چنانچہ خلیفہ کے پاس سے کہ کون ہو، کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

آخر اس بات پر سمجھوتہ ہو گیا کہ دونوں جناب علی اور جناب معاویہ کو خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ اور مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ مقرر کریں یعنی بات ادھر کی ادھر رہی کہ خلیفہ ابھی منتخب ہونا تھا۔

لے: ابرہہ وہ تھا جس نے ہاتھیوں سے خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا اور جس کا ذکر سورۃ فیل میں ہے

## فیصلہ کا اعلان

عمرو بن عاص نے جناب ابو موسیٰؓ کو اولین اسلام لانے کی وجہ سے فیصلہ کا اعلان کرنے کے لئے کہا اور آپؓ نے سمجھوتہ کے مطابق اعلان کر دیا۔  
جناب عمرو بن عاص ایک قدم آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ حضرت علیؓ کے منصف نے ان کو معزول کر دیا وہ امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ میں معاویہؓ کا منصف ہوں میں ان کو امیر المومنین کے عہدے پر قائم رکھتا ہوں۔

ابن عباسؓ نے جناب ابو موسیٰؓ کو ملاہت کی اور جناب ابو موسیٰؓ نے معذرت کی پھر عمرو بن عاص پر بد عہدی کا الزام لگایا۔ بہر حال وہاں کافی لعن و طعن بھی ہوئی۔ مشرک بن ہانی نے تلوار کے ساتھ عمرو بن عاص پر حملہ بھی کر دیا مگر لوگوں نے عمرو بن عاص کو بچا لیا۔ ہاں غیر جانبدار صحابہ کرامؓ نے بھی عمرو بن عاص پر بد عہدی اور فتنہ کا الزام لگایا۔

## تبصرہ

اس سائے واقعہ یا منصفین کی کارردانی پر اتنے زیادہ تبصرے ہوتے ہیں کہ ہم بھی اگر اس بحث میں پڑ گئے تو معاملات ادھر ہی رک جائیں گے۔ ابن خلدون کے مترجم حکیم احمد حسن کے تبصرے کا جواب تو ادھر ہی مل گیا کہ وہ صحیح نہ تھے۔ قرآن پاک کو نیزوں پر اٹھانے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تفرقہ اپنی جگہ پر موجود رہا۔ ہاں! اگر جناب عمرو بن عاص بد عہدی نہ کرتے تو شاید معاملات حل ہو جاتے جناب علیؓ کو خلافت کی کوئی خواہش نہ تھی اور ان کو یہ مشکل ذمہ داری چھوڑنے کا بہانہ مل جاتا۔ البتہ امیر معاویہؓ کے حق میں جناب علیؓ دست بردار نہ ہو سکتے تھے کہ اس سے ایک غلط راہ نکل آتی کہ آئندہ بھی لوگ باغی ہو کر فیصلہ اپنے حق میں کراتے۔

بہر حال چونکہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ جناب علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو خلافت سے معزول کیا جاتا ہے تو اب امت جس کسی کو خلیفہ چنتی یا مقرر کرتی تو جناب علیؓ بسر و چشم منظور کرتے اور وہ خلیفہ اگر حضرت علیؓ سے مشورہ مانگتا تو وہ مشورہ دیتے رہتے یا باقی عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ایک ہی منظور تھا جو کچھ ہو گیا۔ خلافت یا جانشینی والا معاملہ بہت مشکل ہے۔

جناب ابو موسیٰؓ اور جناب عمرو بن عاص بھی کسی ایک نام پر متفق نہ ہو سکے۔ پوری امت کسی نام پر کیسے متفق ہوتی۔ آگے جب پوری امت جناب معاویہؓ کے سلسلہ میں متفق ہوئی تو معاملات صرف وقتی طور پر حل ہو سکے۔ عالم خلق میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتحان کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک طرف حق کا راستہ ہے۔ دوسری طرف دنیا کی حُب ہے۔ بڑا مشکل امتحان ہے۔ کئی بڑے بڑے لوگوں کے قدم لڑکھڑا گئے۔ خدا تعالیٰ ہمارا خاتمہ بالخیر کرے اور کسی امتحان میں نہ ڈالے۔ یہ بہت مشکل ”پرچے“ ہیں۔ یہاں پر عمل، عقل اور علم کسی پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ صرف رحمت خداوندی سے ہی اس امتحان سے پاس ہو سکتے ہیں:

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم  
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری  
(اقبالؒ)

## نتائج و اسباق

جنگ صفین کے فوری نتائج پہلے بیان ہو چکے ہیں اور باقی نتائج اب سامنے آگئے کہ معاملات ادھر ہی رہے۔ اسباق حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ جنگ بندی یا فائر بندی ایک التوا ہوتی ہے جس سے اہل حق ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اور ریاستدان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

- ۲۔ جب جنگ شروع کر دی جائے تو اس کو ہمیشہ اختتامی مقام تک پہنچایا جائے۔
- ۳۔ اگر صلح کی جائے تو صلح حدیبیہ کی طرح تمام فیصلے اسی جگہ یا میدان جنگ میں طے کئے جائیں اور کارروائی کے تمام عطیات اور ثمرات ادھر ہی وصول کر لئے جائیں۔ التوا ہمیشہ نقصان دے گا۔
- ۴۔ اسلام میں گروہ بندی حضرت عثمانؓ کے زمانے میں شروع ہوئی۔ اس کی بنیاد کوئی عقائدی تفرقہ نہ تھا۔ آنادی فکر کی اجازت دے دی گئی۔ اس وجہ سے سازش اور فتنہ والوں کی سازش کو نہ سمجھا جاسکا۔ ساتھ ہی جب دنیا اور خود غرضی ہمارے اندر داخل ہو گئی تو نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ ہوا۔ بصرہ میں قتل و غارت ہوئی۔ پھر جنگ جمل ہوئی اور بعد میں

جنگ صفین ہوئی، تفرقہ اپنی جگہ رہا۔ ساتھ ہی عقائدی گروہ بندی کی بنیاد بندھ گئی اور یہ چیز جنگ صفین کے بعد کھل کر سامنے آئی کہ خارجی یا شیعیان علیؑ کے گروہ بن گئے۔

۵. حکومت یا مرکز کو سہارا دینا یا حکومت کی مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اسلام تمام معاملات کو مسجدوں کے اندر بیٹھ کر حل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اختلافات کو بازار میں لے جانے سے یا کھلے میدانوں میں لے جانے سے معاملات حل نہیں ہوتے اور نتیجہ جنگ کی صورت میں نکلتا ہے یا اندرونی خانہ جنگی اور افراتفری کی صورت میں۔

۶. ہمارے ملک میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں سیاسی جماعتوں کی اجازت ہے کہ حضرت علیؑ نے خارجیوں کو کچھ نہ کہا اور سیاسی پارٹیاں بھی تھیں۔ جناب طلحہؓ کی پارٹی۔ جناب زبیرؓ کی پارٹی۔ شیعیان علیؑ یا حضرت علیؑ کی پارٹی، امیر معاویہؓ کی پارٹی۔ اول تو اسی میں سبوت ہے کہ ایسی پارٹیوں نے اسلام کا بہت نقصان کیا اور آگے عقائدی گروہ بن گئے۔ لیکن حضرت علیؑ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے متعدد بار اعلان کیا کہ ان کی کوئی پارٹی یا گروہ نہیں ہے۔ ہاں امیر معاویہؓ کے سلسلے میں البتہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ایک گروہ کی بنیاد ضرور ڈالی جس کے نتائج بھی کچھ اچھے نہ نکلے۔

۷. اسلام میں جب بھی سیاسی گروہوں کی اجازت دی جائے گی۔ آگے سے وہ سیاسی گروہ یا جماعتیں عقائدی گروہوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور اس وقت ملک میں کئی ایسے سیاسی گروہ ہیں جن کے جتھا بندی کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے ہے۔ مثال کے طور پر جمعیت العلمائے اسلام، دیوبندی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جمعیت العلمائے پاکستان، بریلوی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جماعت اسلامی میں زیادہ تر غیر مقلد اور کچھ اہل حدیث ہیں یعنی زیادہ وہ لوگ ہیں جو موودوی صاحب کے ہم عقیدہ ہیں اور بریلوی یا دیوبندی بھی تازہ بانٹ ہے جس کے پیچھے سیاست کار فرما تھی۔

۸۔ اسی وجہ سے ان کتابوں کے ذریعے ہم حضور پاکؐ اور آپؐ کے رفقا کے اسلام کی تلاش میں ہیں جن میں کوئی گروہ بندی نہ تھی وہ اللہ اور رسولؐ کی وجہ سے ایک امت تھے۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہ توحید کبھی

آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام

(اقبال)

بزرگ  
بزرگ  
بزرگ  
بزرگ



## چوتھا باب

### جنگِ نہروان اور امیر معاویہ کا مصر پر قبضہ

#### جناب علیؑ اور خارجی

جناب علیؑ کو منصفین کے فیصلہ کے بارے میں ذرہ بھر بھی شک نہ تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے شامیوں کو قرآن پاک نیزوں پر اٹھانے والی بات کو ناپسند فرمایا اگر عبد اللہ بن عباسؑ یا کوئی اور صحابی منصفوں میں شامل ہوتا تو شاید کوئی بہتری نکل آتی بہر حال ہم پچھلے باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ جناب علیؑ کو ذہنی چمکے تھے آپ کے لشکر سے دس بارہ ہزار آدمی الگ ہو چکے تھے اور وہ حمرور میں قیام پذیر تھے کو ذہنی چمک کر جناب علیؑ نے پہلے جناب عبد اللہ بن عباسؑ کو ان کے پاس بھیجا پھر خود بھی گئے اور ان کو سمجھا بچھا کر واپس لے آئے یہ لوگ جناب علیؑ کے لشکر میں دوبارہ شریک ہو گئے۔

جب ابو موسیٰؑ اذرح (دومۃ الجندل) کی طرف جا رہے تھے تو اسی دن ان خانہ جیوں کے گڑھ میں سے حرقوس اور زراعہ وغیرہ نے جناب ابو موسیٰؑ کو روکا کہ ان کو نہیں جانا چاہیے بلکہ جنگ کی جائے وہ یہاں تک چلے گئے کہ جناب علیؑ کو کہنے لگے کہ منصف کا تقرر کر کے اپنی ایک بہت بڑا گناہ کر چکے ہیں اس گناہ سے توبہ کریں۔ کفارہ دیں اور اس عہد کا پاس نہ کریں۔

جناب علیؑ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ گناہ تو نہیں ہے البتہ ایک لغزش ہے اور اس لغزش کے ذمہ دار بھی تم لوگ ہو اور اس وقت میں تمہاری بات نہ ماننا تو ہمارے لشکر میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی اب میں وعدہ کر چکا ہوں اور اس وعدہ کو پورا کروں گا چنانچہ اس خطبہ سے وقتی سکون ہو گیا اور جناب ابو موسیٰؑ کو دومۃ الجندل بھیج دیا گیا۔

## خارجیوں کا نیا فتنہ

کچھ دنوں کے بعد جناب علیؑ جب مسجد میں خطبہ دے رہے تھے تو مسجد کے ایک کونے سے آواز آئی۔ "لا اھکم الا اللہ" اللہ کے بغیر کوئی حکم نہیں۔ جناب علیؑ نے فرمایا "بے شک اللہ بہت بڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے کے لئے اولی الامر کی بھی ضرورت ہے" اُس دن تو خاموشی ہو گئی لیکن لا اھکم الا اللہ کے تحت خارجیوں کا گروہ پھر اکٹھا ہونا شروع ہو گیا۔

اب لطف کی بات یہ ہے کہ وہ ویسے تو کہتے تھے کہ کسی امیر کی ضرورت نہیں لیکن اپنا امیر کسی نہ کسی کو مقرر کرتے تھے اس سلسلہ میں زید بن حصین، ابن کوا، شبت، زراعہ اور شریح پتہ نہیں کتنے لوگوں کو باری باری امیر بنا چکے تھے لیکن آگے امیر کے ساتھ تاشہ بن جاتا تھا کہ ایسے آزاد فکر لوگوں کی امارت بڑا مشکل کام تھا۔ ہاں شرارت یا منفی کاموں میں متحد ہو جاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک ایک کر کے جناب علیؑ کے لشکر کو چھوڑ دیں اور اس طرح وہ لوگ جناب علیؑ کے لشکر سے پھر الگ ہو گئے جناب عدی بن حاتم کے بیٹے طرہ کو بھی گمراہ کر کے ساتھ لے گئے جناب عدی مدائن تک اپنے بیٹے کے پیچھے گئے لیکن اُسے واپس لانے میں کامیاب نہ ہوئے بلکہ جب خود واپس آ رہے تھے تو خارجیوں کے ایک گروہ نے اُن کو پکڑ لیا۔ وہ اُن کو شہید کر دیتے لیکن قبیلہ طے کے کچھ آدمی وہاں پہنچ گئے جنہوں نے جناب عدیؑ کو بچا لیا۔

## افراقی

اب حالات پھر وہی صورت اختیار کر گئے جیسے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد رد نما ہوئے تھے اُس وقت لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور اب کسی کو حاکم یا امیر ماننے پر تیار نہ تھے کہ فرد آزاد ہے۔ لیکن یہ عجیب و غریب قسم کی آزادی تھی۔ وہ آزاد ایسے تھے کہ کسی کا حکم نہ مانتے تھے لیکن جو اباً اگر کوئی دوسرا آدمی اپنی آزادی فکر کو استعمال کر کے اُن کی بات نہ ماننا تو اُس کو قتل کر دیتے تھے۔ یہ لوگ بصرہ اور کوفہ دونوں صوبوں میں تھے اور اب ہر جگہ سے نکل کر نہروان میں اکٹھے ہو رہے تھے۔

تاریخیں کو ان لوگوں پر مہنسی نہیں آنی چاہیے ہمارے ملک میں بھی کچھ لوگ اپنی آزادی

فکر کا مظاہرہ کرنے کے لئے جب بازاروں میں نکل کھڑے ہوتے ہیں تو آگے سے جو آدمی اپنی آزادی فکر کا استعمال کرتے ہوئے ان کی بات نہ مانے تو اُس پر پتھراؤ کرتے ہیں اور اسکی گاڑی کو جلا دیتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کرتے ہیں۔

تبصرہ :- بہر حال یہاں پر یہ تبصرہ ضروری ہے پہلے باب میں گزارش کی گئی تھی کہ جناب علیؑ نے خلافت سنبھال کر اسلام کے مرکز کو سہارا دیا یہی نہیں بلکہ اہم بات یہ تھی کہ اسلام کے فلسفہ حیات کو جاری و ساری رکھا اور نہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ اسلام کا اجتماعی فلسفہ حیات، اطاعتِ امیر اور اولی الامر کا فلسفہ بھی پاش پاش ہو گیا ہوتا اگر حضرت علیؑ آگے نہ بڑھتے تو ساری اسلامی دنیا میں وہی کچھ ہوتا جو خارجی کر رہے تھے۔

امیر معاویہؓ کے علاقہ میں ایسی باتیں کچھ زیادہ نہ ہوئیں اول تو امیر معاویہؓ مدت سے ان علاقوں میں عامل کے طور پر مکمل کنٹرول کر رہے تھے اُدہاں پر اُن کی حکومت کا دنیا کی باقی حکومتوں کی طرح زیادہ دباؤ تھا اسلام نے لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے چھٹکارا دلایا تو لوگ زیادہ آزاد ہو گئے اور اجتماعی فلسفہ میں ہر آدمی ذاتی طور پر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا تھا! ایسے لوگوں کا قلع قمع کرنا آسان نہ تھا یہ جناب علیؑ ہی کی شخصیت تھی کہ انہوں نے خارجی تحریک کو کافی حد تک ختم کر کے اسلام کو تقویت پہنچائی وگرنہ اگر کوئی اور شخص اُن کو اس طرح ختم کرتا تو خارجیوں کو بھی لوگ "مظلوم" کہنا شروع کر دیتے کہ ان بے چاروں کا کوئی گناہ نہیں کہ وہ اللہ کی حاکمیت کو مانتے ہیں لیکن جناب علیؑ کی حضور پاکؐ سے روحانی قربت کام آئی اور حضور پاکؐ کی خارجیوں کے بارے میں پیش گوئیاں بڑی مددگار ثابت ہوئیں اس لئے قارئین آگے بڑھنے سے پہلے ان باتوں کو اپنے ذہن میں رکھیں۔

گو خارجی بعد میں معتزلہ کی شکل میں ظاہر ہوئے لیکن "عملی حملہ" نہ تھا "ادہ" است پر فکری حملہ "تھا جو آج بھی جاری ہے اس سلسلہ میں کچھ ضاححیں آخری تین ابواب میں ہوں گی فی الحال خارجیوں کی کہانی کو آگے چلاتے ہیں۔

## خوارج کو دعوتِ اتحاد

تمام خارجی کوثر دلبصرہ اور مختلف مقامات سے نکل کر نہردان کی طرف اکٹھے ہو رہے تھے۔ جناب علیؑ کے مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ثقفی نے کچھ خوارج کو پکڑنے کی کوشش کی اور بصرہ سے

جناب ابن عباسؓ کے حکم پر ابوالاسود دؤنی نے بھی اُن کا تعاقب کیا لیکن خارجی رات کی تاریکی میں نکل جاتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ سوچ ہی رہے تھے کہ خوارج کا قلع قمع کیا جائے کہ اسی دوران منصفین کے فیصلہ کا اعلان ہو گیا جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ اب جناب علیؓ نے جگہ بجگہ خارجیوں کو دعوت بھیجی کہ تم لوگ لڑائی کرنے کے خواہاں تھے اُس کی راہ نکل آئی ہے اور ہمارے ساتھ مل جاؤ تاکہ مل کر ملک شام پر لشکر کشی کریں۔“

آگے سے خارجیوں کا جواب یہ تھا۔

”تم نے منصفین کا تقرر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا پاس نہ کیا اور اب اپنے نفس کی ابتاع سے لڑنے کو کہتے ہو پس اگر تم اپنے کافر ہونے کا اقرار کرو اور توبہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ ہم تم سے لڑنے کو تیار ہیں۔“

### شام پر لشکر کشی کی تیاری

خارجیوں کے اس جواب نے جناب علیؓ کو مایوس کیا لیکن یہ لوگ تھوڑے تھے اس لئے جناب علیؓ نے شام پر دوبارہ لشکر کشی کے احکام دے دیئے شروع میں بڑے کم لوگ لڑنے کے لئے تیار ہوئے لیکن جب جناب علیؓ نے خطبات میں لوگوں کو نرم دلانے کی کوشش کی تو کافی بڑی فوج تیار ہو گئی چالیس ہزار کے قریب پرانے مجاہدین تھے اور سترہ ہزار نوجوان بھی تیار ہو گئے جو لڑائی میں پہلی دفعہ شرکت کر رہے تھے علاوہ آٹھ ہزار خادم بھی تھے جناب عبداللہ بن عباسؓ بھی بھرے آگئے اور اب فوج تیار تھی کہ جناب علیؓ کو جناب عبداللہ بن عباسؓ کی شہادت کی خبر ملی۔

### جناب عبداللہ بن عباسؓ کی شہادت

جناب عبداللہ کی خارجیوں کے ایک گروہ کے ساتھ اتفاقیاً ملاقات ہو گئی خارجیوں نے اُن سے پہلے دو خلفاء راشدینؓ کے بارے میں رائے پوچھی جناب عبداللہؓ نے کہا کہ وہ بہت اچھے تھے پھر خارجیوں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ وہ بھی بڑے حق پسند تھے پھر جناب علیؓ کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ وہ تم لوگوں سے زیادہ اللہ کے حکم کو سمجھنے

والے اور جاتے والے ہیں۔ اور دینِ حق پر چلنے والے ہیں  
خارجی یہ سن کر چلا اٹھے کہ تم شخصیت پرست ہو اور آپ کو شہید کر دیا اس کے علاوہ آپ کی  
زوجہ محترمہ اور تین اور قبیلہ طے کی عورتیں جو آپ کے ساتھ تھیں ان کے بیٹ پھاڑ ڈالے یہ سب  
کچھ سن کر جناب علیؑ کو بڑا صدمہ ہوا اور انہوں نے تفتیش کے لئے حرث بن مرہ العبدی کو بھیجا۔  
خارجیوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔

### جناب علیؑ کی نہروان کو روانگی

ان حالات میں اہل لشکر نے رائے دی کہ شام پر لشکر کشی سے پہلے خوارج کا قلع قمع کیا  
جائے چنانچہ امیر المومنین جناب علیؑ نے نہروان کا رخ کیا کہ یہ خارجیوں کا گڑھ تھا جناب علیؑ نے  
پہلے جناب ابویوب انصاریؓ اور بعد میں قیس بن سعد انصاریؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا انہوں نے  
ان لوگوں کو خطبات دیئے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں لیکن خارجیوں نے انکار کر دیا پھر جناب علیؑ خود  
گئے تو خارجیوں کے سرغنوں نے اعلان کیا کہ جناب علیؑ کی بات مت سنو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنے کے  
لئے دوڑ پڑو یعنی جنگ کر د چنانچہ مجبور ہو کر حضرت علیؑ نے تمام خوارج کو گھیرے میں لے لیا اور میزبانِ رسولؐ  
جناب ابویوب انصاریؓ کو علم دیا جنہوں نے خوارج کو ایک اور موقع دینے کے لئے اعلان کیا  
”جو شخص بلا جنگ ہمارے پاس آجائے گا جو شخص معترض نہ ہو گا یا جو کوفہ و مدائن کی طرف لوٹ  
جائے گا ان سب کے لئے امان ہے“

### جنگ نہروان

نقشہ سوم پر نہروان کے مقام کی نشاندہی کر دی گئی ہے ویسے نقشہ سوم جناب علیؑ کی خلافت  
کے آخری زمانے کی افراتفری کے حالات کی نشاندہی بھی کرتا ہے بہر حال اس زیادہ افراتفری کی بنیاد  
یہی خارجی ہی تھے جن کا کافی حد تک قلع قمع ہو گیا جناب ابویوبؓ کا اعلان سن کر مزدہ بن نونل اپنے  
پانچ سو سواروں کو لے کر خوارج سے الگ ہو گیا کچھ لوگوں نے کوفہ کی راہ لی اور کچھ جناب علیؑ کے لشکر  
میں آگئے۔ ایسے لوگوں کی تعداد کوئی چار یا ساڑھے چار ہزار ہوگی اب خارجی کوئی اٹھارہ سو کے قریب

باقی رہ گئے جنہوں نے دیوانہ وار جناب ابو ایوبؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے ان خارجیوں کے گرد گھیرا تنگ کر دیا اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی خارجی دیوانہ وار لڑے وہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے کہ ان کی نکر آزاد ہے اور ان کا حاکم صرف اللہ ہے وہ جو کچھ چاہیں کر سکتے ہیں لیکن ان کو یہ یاد نہ رہا کہ دوسروں کو بھی اسی قسم کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

بہر حال اٹھارہ سو خارجیوں میں سے کوئی دوسو کے قریب زخمی تھے اور عورتوں اور بچوں کو جناب علیؓ نے چھوڑ دیا۔ باقی سب کے سب جنگ میں مارے گئے جن میں عبداللہ بن زبیر بن حسین، حرقوص، عبداللہ بن شجرہ اور شریح بن اوفی کے علاوہ جناب عدی کا لڑکا طرف بھی شامل تھا جناب علیؓ کے لشکر سے بھی سات مجاہدین شہید ہوئے اور کافی لوگ زخمی بھی ہوئے۔

### ذوالشہدہ کی تلاش

جناب علیؓ نے فرمایا کہ یہ خارجی وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ فرما گئے ہیں کہ وہ لوگ اسلام کے دائرہ سے ایسے نکلے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے ان کی لاشوں میں ایک بونے کو تلاش کرو جس کے کندھے پر عورت کے پستان کی طرح گوشت ابھرا ہوا ہو گا تاکہ ہمارے دل کو تسلی ہو جائے کہ حضور پاکؐ جن لوگوں کی نشاندہی فرما گئے ہیں یہ وہی لوگ ہیں اور آپؐ نے اس بونے کے بارے میں ذکر بھی کیا تھا، کہ اُس کے ہاتھ بھی ٹیڑھے ہوں گے۔

اہل لشکر نے کافی تلاشی لی لیکن بونا کہیں نظر نہ آیا جناب علیؓ نے حکم دیا کہ لاشوں کو اٹھا کر ایسے عجیب آدمی کی تلاش کی جائے آخر جب لاشوں کو ہلایا گیا تو نیچے سے اس بونے کی لاش ملی جو قد میں عام انسانوں سے آدھا بھی نہ تھا اُس کے ہاتھ اور پاؤں بھی ٹھکنے تھے ایک کندھے پر گوشت ابھرا ہوا تھا جس کی شکل عورت کے پستان کی طرح تھی اور اس گوشت سے ایک گھنڈی اوپر نکلی ہوئی تھی اُس پر بال تھے اس گوشت کے حصہ کو ہاتھ لگا کر اگر کھینچا جانا تو وہ گوشت رُبڑ کی طرح ایک بازو کی لمبائی کے برابر بڑھ جاتا سب دیکھنے والوں نے اس عجیب الخلق شخص کو دیکھ کر توبہ کی اور کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ آدمی اُس دن تک پوشیدہ کیسے رہا اللہ کے راز ہیں

اُس کو اُس دن ظاہر ہونا تھا کہ آقا جو فرمائے تھے کہ جناب علیؑ پر ہوں گے اُس پر ایک اور مہر لگنی تھی اور آزادی فکر کے فلسفہ کا عملی قلع و قمع ہونا تھا۔ لیکن افسوس۔ ہم نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ آج بھی اپنی فکر کو آزاد کئے ہوئے ہیں۔

### جناب علیؑ کی کوفہ کو واپسی

دراصل جناب علیؑ اب دریائے دجلہ کے علاقہ میں تھے اور مدائن سے ہو کر موصل کے راستے شام جانے کے لئے پہلے بھی آپؑ نے دریائے دجلہ والا راستہ استعمال کیا تھا! اب شام پر لشکر کشی کا وہی راستہ تھا۔ جب آپؑ نے ملک شام کی طرف کوچ کا ارادہ ظاہر کیا تو اشعث بن قیس کہنے لگا کہ لشکر تھکا ہوا ہے پہلے کوفہ جائیں کچھ دن آرام کر لیں اور پھر پوری تیاری کے ساتھ ملک شام پر لشکر کشی کرنا بہتر ہوگا۔ جناب علیؑ نے لشکر پر نظر ڈالی تو دیکھا، کہ کافی لوگ اشعث کی رائے کے حامی ہیں۔ آپؑ مسکرا دیئے اور کوفہ جانے کا حکم دے دیا۔

مورخین و مبصرین نے اس پہلو پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اشعث امیر معاویہؓ کو وقت حاصل کرنے میں ضرور مدد دے رہا تھا۔ اشعث کے عمل اور رویہ کا جائزہ لینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے وہ آذربائیجان کا گورنر تھا اور جناب علیؑ نے اس کو صلاح کے لئے بلایا تھا، وہ اسی زمانے سے، امیر معاویہؓ کے ساتھ کچھ نہ کچھ اندرونی تعلقات قائم کئے ہوئے تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اشعث، جناب علیؑ کے لشکر میں رہ کر کام امیر معاویہؓ کے لئے کر رہا ہو۔ لیکن ایسی کسی چیز کا واضح ثبوت سامنے نہ آیا کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے چند دن بعد اشعث بھی فوت ہو گیا۔ اگر وہ زندہ رہتا اور امیر معاویہؓ کی طرف اس کو کچھ امارت دی جاتی تو یہ راز پوشیدہ نہ رہتا۔ بہر حال یہ اشعث ہی کی بیٹی تھی جس نے یزید کے ساتھ مل کر امام حسنؑ کو زہر دیا، کہ وہ امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی۔ اور امیر معاویہؓ کا گھرانا جانا تھا کہ اشعث کے خاندان کے لوگوں کو "خریدا" جاسکتا ہے کہ اشعث کا بیٹا قیس جس کا نام اپنے دادا کے نام

پر تھا، سانحہ کربلا کے وقت یزید کے امراء میں سے تھا، جس کا ذکر ساتویں باب میں آئے گا۔

”پتا پت پوت، گھوڑے یہ گھوڑا۔ بہت سہیں تو مھوڑا مھوڑا“

## عمر بن عاص کا مصر پر حملہ

امیر معاویہؓ اور عمر بن عاص کو جو یہ وقت مل گیا تو انہوں نے مصر پر حملہ کر دیا دراصل جب جناب علیؓ کو فہ واپس آئے تو لشکر کے کافی لوگ اپنے گھروں میں چلے گئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ گھروں میں جانا منع تھا پھر بھی لوگ گھروں میں چلے گئے اور واپس نہ آئے یہ بات تو ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ گھروں میں جانا کیوں منع تھا۔ کوفہ میں آرام کا مطلب ہی گھروں کا چکر لگانا تھا ورنہ ”ٹھنڈی چھاؤں“ تو مدائن اور شام کی طرف کوچ کرتے ہوئے کئی جگہوں پر مل جاتی اور کوفہ جا کر بارکوں کا سایہ لینا تو مقصود نہ تھا۔ گھروں میں جانے کی ضرورت اجازت ہوگی، البتہ لوگ جلدی واپس نہ آئے تو یہ بات ٹھیک ہو سکتی ہے۔

البتہ وقت امیر معاویہؓ کا ساتھ دے رہا تھا۔ اور یہ بڑا عجیب و غریب پہلو ہے کہ وقت نے ہمیشہ حق کے خلاف کام کیا۔ یا یہ کہیں کہ ایسا ڈھیل یا التوا کی وجہ سے ہوا۔ اپنی ساری تاریخ کا مطالعہ کریں تو نتیجہ نکلے گا کہ ”وقت“ نے سیاست والوں کا ساتھ دیا۔ حضرت علیؓ خود بھی بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر وقت کو استعمال نہ کر رہے تھے۔ ان کے سامنے مسلمانوں کی جان اور مال کا سوال تھا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ شاید وقت معاملات حل کر دے۔ لیکن جن کے ساتھ مقابلہ تھا، وہ سیاست دان تھے۔ اس لئے انہوں نے اس التوا سے فائدہ اٹھایا۔ اس سلسلہ میں ہم نے پہلی کتاب سے اس پہلو پر زور دینا شروع کیا اور ”زمان و مکان“ کے سلسلہ میں اکثر جگہوں پر جائزے پیش کئے کہ پہلے دو خلفائے راشدین نے ”وقت“ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ، جناب اسلمہؓ کے لشکر یا مرتدین کا مسئلہ یا فتح کی حکمت عملی کے سلسلہ میں انہوں نے وقت کو اپنا غلام بنایا۔ اور یہ زندہ قوموں کی نشانی ہے کہ وہ



وقت کو اپنا غلام بناتے ہیں۔ اس پہلو کا گہرا مطالعہ بڑا دلچسپ ہے اور اس پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔

## التوا اور وقت کا المیہ

امیر معاویہؓ وقت کے معاملات کو خوب استعمال کرتے رہے۔ جناب علیؓ نے اپنا حال بھیجا تو بغیر سامنے آئے اُس کو واپس بھیج دیا اور وقت حاصل کر لیا جناب علیؓ نے بیعت کے لئے لکھ بھیجا تو تین ماہ تک جواب نہ دیا اور جب جواب دیا، تو وہ بالکل بے معنی تھا اور پھر وقت حاصل کر لیا اسی دوران مکہ اور بصرہ میں حالات خراب کرنے میں حصہ لیا تو جناب علیؓ ادھر الجھ گئے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے پھر وقت حاصل کر لیا جنگِ جمل کے بعد جناب علیؓ نے جناب جریرؓ کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا، تو آپ نے اُن کو کافی عرصہ اپنے پاس روکے رکھا اور وقت حاصل کر لیا آخر جب جناب علیؓ صفین کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کو خون خرابہ سے بچانے کے لئے دیر کی یا کئی دُفد بھیجے تو وقت امیر معاویہؓ کو حاصل ہو گیا۔

آخر آپ نے جنگ شروع کی اور جب امیر معاویہؓ کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے قرآن مجید کو نیزوں پر اٹھا کر وقت حاصل کر لیا پھر منصفوں کی تجویز کے تحت فیصلہ کی مدت ۶ ماہ کر دی۔ کہ انہوں نے لوگوں سے مشورہ کرنا ہے اس سے بھی امیر معاویہؓ کو وقت حاصل ہو گیا اور منصفوں کے فیصلے کے بعد جب جناب علیؓ تیار ہوئے، شام پر لشکر کشی کریں تو خارجی اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر معاویہؓ کو پھر وقت مل گیا جب خوارج کا قلع قمع ہو چکا اور آپ شام کی طرف جانے کے لئے تیار ہوئے۔ تو اشعث نے آگے بڑھ کر کہا کہ لشکر کو آرام چاہیے اب لشکر کو فہ میں "آرام" کر رہا تھا تو یہ وقت جو امیر معاویہؓ کو حاصل ہوا تو انہوں نے عمر بن عاص سے مصر پر حملہ کر دیا۔

## محمد بن ابوبکرؓ

جناب محمد بن ابوبکرؓ کی مصر پر امارت کا ذکر ہو چکا ہے وہ حالات کو سنبھالانہ دے سکے اور جو لوگ غیر جانبدار تھے اُن کے ساتھ بھی جنگ چھیڑ دی اور معاویہ بن خدیج کو شکست ضرور دیدی

لیکن اپنے ہمدردوں کی تعداد بھی کم ہو گئی۔ جناب علیؑ کے پاس برابر خبریں پہنچ رہی تھیں کہ مصر کے حالات محمد بن الوکبرؑ کے بس سے باہر نکل رہے ہیں تو جناب علیؑ کی نظر اشتر پر پڑی کہ اسکو وہاں بھیجا جائے تو شاید وہ حالات کو سنبھالا دے سکے۔ اشتر جزیرہ کے علاقہ اور عراق کے سرحدی علاقوں پر جو ملک شام سے ملتے تھے، عامل تھا۔ کہ امیر معاویہؓ پر نظر رکھے اور ان علاقوں پر ان کا قابو تھا چنانچہ یہ تمام علاقے قیس بن سعد کی عملداری میں دے دیئے گئے اور اشتر کو حکم دیا گیا کہ وہ جلدی سے جا کر مصر کی امارت سنبھال لیں۔

## اشتر کی وفات

اشتر نے تیزی سے حرکت کی لیکن سویز (قلزم) کے مقام پر عجیب حالات میں اشتر کا انتقال ہو گیا روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اور عمرؓ بن عاص کو اشتر کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا اور انہوں نے سازش کر کے قلزم کے افسر مال سے اشتر کو زہر دلوادیا۔ کچھ لوگ اس روایت کو پسند نہیں کرتے کہ جناب معاویہؓ جو کاتبِ وحی ہیں کیا وہ ایسی حرکت کر سکتے ہیں؟ بہر حال یہ معاملات جناب معاویہؓ اور خدا کے درمیان ہیں اور ہم اس سے بڑھ کر اور کوئی تبصرہ نہ کریں گے، کہ جناب معاویہؓ نے حضرت علیؑ کے ساتھ بھی بغاوت کی اور اس وجہ سے جنگ میں کسی مسلمان شہید ہوئے۔ اشتر کو تو جناب معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں شمار کرتے تھے۔ اس لئے یہ کہانی سچی بھی ہو سکتی ہے۔

## مصر پر حملہ کی تجویز

امیر معاویہؓ کی نظر اکثر مصر پر رہتی تھی اور جناب علیؑ کی خلافت کے پہلے ہی دن سے انہوں نے جناب قیس بن سعد کو ساتھ ملانے کی کوشش کی پھر وہ اپنے دفاع میں مصروف تھے لیکن جیسے ہی ان کو جناب علیؑ کے علاقے میں اندرونی خلفشار نظر آیا، تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ مصر کی طرف مرکوز کر دی۔ اول تو انہوں نے معاویہ بن خدیج یا ان لوگوں کو ساتھ ملانے کی

کوشش کی جو محمد بن ابوبکر سے نالان تھے اور کوشش یہ تھی کہ مصر پر بغیر کسی لڑائی کے قبضہ ہو جائے لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی تو امیر معاویہ نے ۶ ہزار کے لشکر کے ساتھ عمرو بن عاص کو مصر فتح کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ عمرو بن عاص کے لئے مصر پر حملہ کوئی نئی بات نہ تھی تیسری کتاب کے پہلے اور دوسرے باب میں عمرو بن عاص اور مصر کے چولی دامن والے ساتھ کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ اس دفعہ بھی عمرو بن عاص نہایت ہوشیاری کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے وہاں پر حضرت عثمان کے قصاص کے مطالبہ پر کئی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور فسطاط کے قریب پہنچ کر ایک میدان میں پڑاؤ کیا۔

وہاں پہنچ کر عمرو بن عاص نے محمد بن ابوبکر کو ایک خط میں جنگ کی دھمکی دی محمد بن ابوبکر نے یہ خط جناب علی کے پاس بھیج دیا جناب علی نے امداد بھیجنے کا وعدہ کیا لیکن لوگ تیار نہ ہو رہے تھے ویسے بھی کوفہ اور عراق کے لوگوں کے ساتھ مصر کا دفاع کرنا بڑی مشکل بات تھی یہ کام تو تب ہو سکتا تھا کہ محمد بن ابوبکر مصر ہی میں دس یا پندرہ ہزار فوج کے ساتھ امیر معاویہ کے عقب کے لئے ایک خطرہ پیدا کرتے رہتے لیکن صفین کی جنگ کے وقت محمد بن ابوبکر کی پوزیشن کا پتہ چل گیا تھا اور امیر معاویہ موقع دیکھ رہے تھے جناب علی بھی بڑی مشکل کے ساتھ کوفہ میں کوئی دو ہزار مجاہد اکٹھے کر سکے جو مصر میں جانے کے لئے تیار ہو گئے جن کو جناب علی نے کعب بن مالک کے ماتحت مصر روانہ ضرور کر دیا

### محمد بن ابوبکر کی شکست اور شہادت

کوفہ سے مکہ پہنچنے سے پہلے عمرو بن عاص بھانپ چکے تھے کہ لوگ محمد بن ابوبکر کے ساتھ نہیں تھے اور وہ کوئی دو ہزار کا لشکر اکٹھا کر سکتے تھے چنانچہ ان آدمیوں پر کنانہ بن بشر کو امیر مقرر کیا کنانہ وہی تھا جو حضرت عثمان کے خلاف گھیراؤ کی تحریک میں شریک ہو چکا تھا دوسری طرف معاویہ بن خدیج وغیرہ بھی عمرو بن عاص کے ساتھ مل چکے تھے اور سب نے مل کر کنانہ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ کنانہ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا اگر ہم اس کو شہید کہہ دیں تو بھی ٹھیک ہے کہ وہ اسلام کی مرکزی فوج کی طرف سے لڑ رہا تھا اب محمد بن ابوبکر اکیلے رہ گئے

انہوں نے جبلہ بن مسروق کے گھر پناہ لی تاکہ وہاں سے مکہ مکرمہ یا کوفہ چلے جائیں لیکن معاویہ بن خدیج کو پتہ چل گیا، اور اس نے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکل کر مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔

روایت ہے کہ آپ کے جسدِ خاکی کو گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ بڑی افسوسناک بات ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ حضرت عثمانؓ کے گھر داخل ہوئے اور امام حسنؓ بھی آپ کو فاسق کہتے تھے لیکن آپ نے ندامت محسوس کی تھی اور وہاں سے واپس آگئے تھے اور جنگ کرتے شہید ہو گئے آگے لاش کو جلانے کی کیا ضرورت تھی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو زندہ گرفتار کر لیا گیا اور آپ کے بڑے بھائی عبدالرحمنؓ نے سفارش بھی کی کہ آپ کو رہا کر دیا جائے لیکن عمرؓ بن عاص یہ کہہ کر نہ مانا کہ محمد بن ابوبکرؓ جناب عثمانؓ کا قاتل ہے اور امیر معاویہؓ کے حکم پر اس کو زندہ گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا۔ (واللہ اعلم)

بہر حال کعب بن مالک دو ہزار کی امداد لے کر کوفہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر پہنچے تو آگے سے حجاج بن عرقہ انصاری ملے جو مصر سے آرہے تھے انہوں نے کعب بن مالک کو محمد بن ابوبکرؓ کی شہادت کی خبر دی تو کعبؓ واپس کوفہ آگئے۔

### امیر معاویہؓ کی جارحانہ کارروائیاں

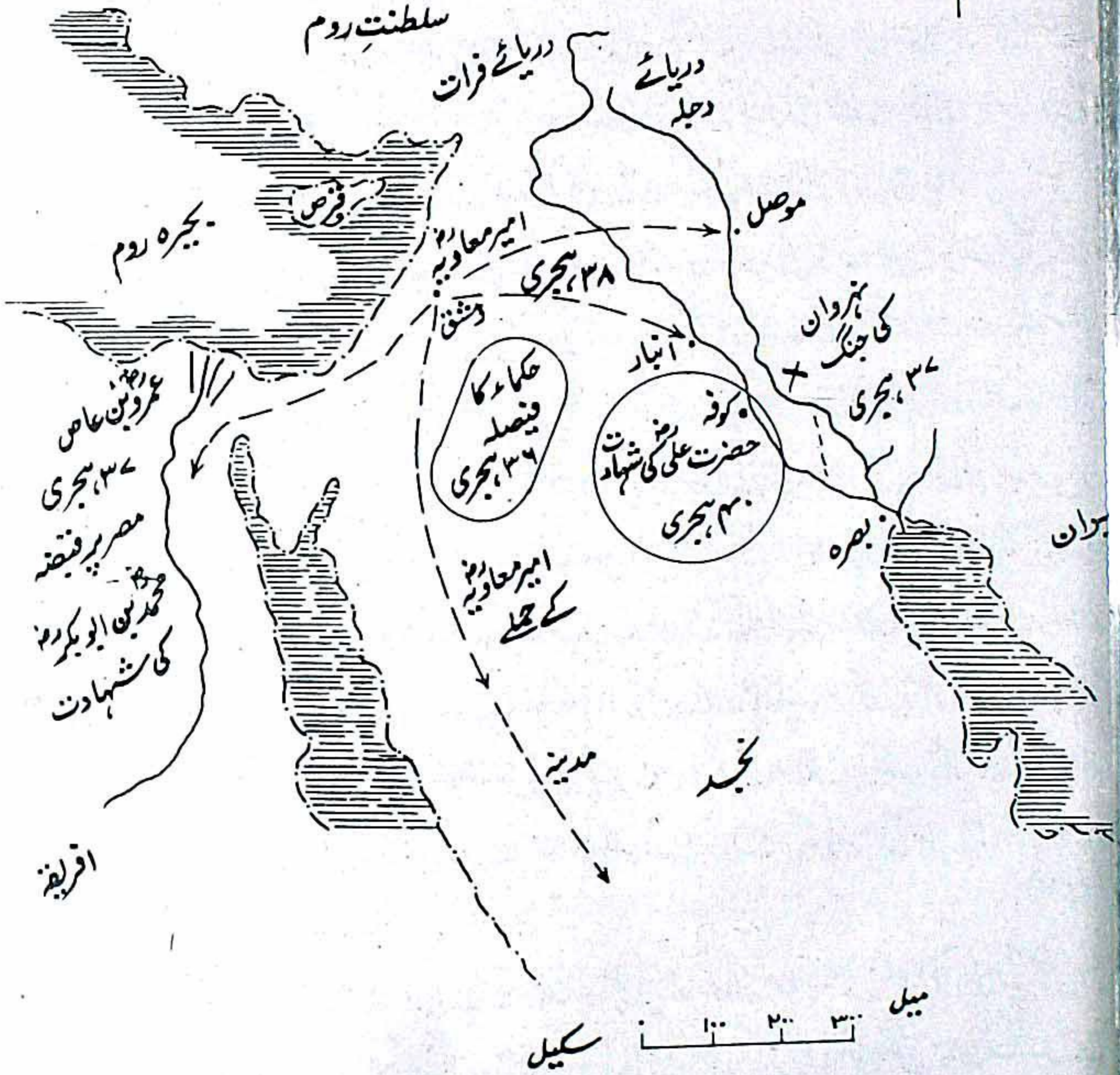
مصر کو فتح کر کے امیر معاویہؓ نے جارحانہ کارروائیاں شروع کر دی تھیں اب وہ اپنے آپ کو ایک طاقت سمجھ رہے تھے جناب علیؓ جو پہلے لشکر کشی یا جارحانہ کارروائیوں کرتے رہے اب سب کچھ ردِ عمل کے طور پر کر رہے تھے امیر معاویہؓ کو یہ ہمت بھی ہو گئی کہ انہوں نے عبداللہ بن حفصی کو بصرہ بھیجا، جس نے وہاں پر خطبات دے کر کافی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا یہ لوگ حضرت علیؓ کی مخالفت پر اتر آئے اور بصرہ کے نواح میں ایک طاقت بن رہے تھے لیکن وہاں پر جناب عبداللہ بن عباسؓ گورنر بصرہ کی طرف سے زیاد بن سمیہ امیر تھا اس نے عبداللہ بن حفصی کو کامیاب نہ ہونے دیا اور ایک جھڑپ میں عبداللہ بھی مارا گیا اور اس کے کافی ساتھی تہ تیغ ہوئے

نقشہ سوم

جنگ صفین سے حضرت علیؓ کی شہادت تک ملک

میں افراتفری اور خانہ جنگی کا نقشہ

شمال



جناب علیؑ کی عملداری میں خارجی بھی مکمل طور پر خاموش نہ ہوئے تھے فارس کے صوبہ میں چند خارجی اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب علیؑ کے گورنر جناب سہیل بن حنیف انصاری کو نکال دیا اس بغاوت کو بھی زیاد بن سمیہ نے نرو کیا اور جناب علیؑ نے زیاد کو فارس کا عامل مقرر کر دیا۔ اب ذرا نقشہ سوم کا مطالعہ کریں اور امیر معاویہؓ کی جارحانہ کارروائیوں پر نظر ڈالیں کہ ۳۸ اور ۳۹ ہجری میں امیر معاویہؓ کی فوج نے عراق کے علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیئے اور شامی فوج کے لوگوں نے انبار اور عین التمر کے مقامات تک لوٹ مار کی ان مقامات کا پہلی کتاب میں تفصیل سے ذکر آیا ہے کہ جناب خالدؓ نے یہ مقامات کیسے فتح کئے بہر حال امیر معاویہؓ خود بھی دمشق سے نکلے اور رقبہ سے لے کر موصل تک کے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا۔

یہی نہیں بلکہ شام سے ایک فوج نے مدینہ شریف اور مکہ مکرمہ کی طرف بھی پیش قدمی کی جس کو نقشہ سوم میں دکھایا گیا ہے اس ہم کی تیاری امیر مدینہ نے حضرت علیؑ کی خلافت کے پہلے سال شروع کر دی تھی قارئین کو یاد ہو گا کہ امیر معاویہؓ نے مدینہ شریف میں جو قاصد بھیجا اور جس کا ذکر پہلے باب میں ہے وہ قبیبہ حبسی تھا جس کا قبیلہ مدینہ شریف کے شمال میں آباد تھا اور قبیبہ نے تنبیہ بھی کی تھی کہ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو چار ہزار سوار اس کا بدلہ لینے کیلئے تیار بیٹھے ہیں ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ نے مدینہ شریف سے شمال کے کچھ قبائل کو اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا اور ان کے ساتھ بل کر اہل شام نے مدینہ شریف، مکہ مکرمہ اور عین التمر تک چھاپہ مارا اور زبردستی لوگوں سے امیر معاویہؓ کے لئے بیعت لینے کی کوشش کی البتہ شامی فوج ان علاقوں پر قبضہ نہ کر سکی کہ لوگوں نے ساتھ نہ دیا جناب علیؑ نے بھی کوفہ سے چھ ہزار کا لشکر بھیجا، جس کی خبر سن کر اہل شام واپس چلے گئے۔

لیکن حالات ٹھیک نہ ہو رہے تھے جناب علیؑ کے بھائی جناب عقیل بن ابوطالبؓ بھی جا کر امیر معاویہؓ کے ساتھ مل گئے جناب عقیلؓ یہ سارا عرصہ کہاں پر رہے مؤرخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ شروع ہی سے جناب علیؑ کے ساتھ پُر زور طریقے سے شامل نہ تھے کہ ان کا کہیں ذکر نہیں آتا لیکن زیادہ افسوسناک پہلو جناب عبداللہ بن عباسؓ کے سلسلہ میں ہے۔ وہ جناب علیؑ کا دایاں بازو رہے لیکن ان آخری دنوں میں معمولی رنجش کی وجہ سے انہوں نے

بصرہ کی گورنری سے استعفیٰ دے دیا، اور مکہ شریف چلے گئے البتہ آپ نے امیر معاویہؓ کے ساتھ ملنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

یہ بھی روایت ہے کہ حالات ایسے ہو گئے تھے کہ جناب علیؓ نے امیر معاویہؓ کیساتھ کچھ خط و کتابت کر کے جنگ بندی والی صورت پیدا کر دی۔ اُس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ قیصر روم شمال کی طرف سے مسلمانوں کے علاقوں میں کچھ پیش قدمی کی سوچ رہا تھا، کہ رومی سلطنت کے حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے اس صورت میں جناب علیؓ، امیر معاویہؓ کے لئے کوئی خطرہ نہ پیدا کرنا چاہتے تھے اور آپ نے امیر معاویہؓ کو لکھ دیا، کہ پرانی ایرانی اور رومی سلطنتوں کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے امیر معاویہؓ ملک مصر اور شام پر حکمران رہیں اور جناب علیؓ، حجاز، عراق اور ایران پر، بلکہ کچھ راوی کہتے ہیں کہ قیصر روم کے خلاف جناب علیؓ، امیر معاویہؓ کو امداد دینے کو بھی تیار تھے اور ہمیں ان روایات پر کوئی شبہ نہیں۔ جناب علیؓ کی شان ہی ایسی ہے کہ تمام حالات میں انہوں نے ایسے اسلامی کردار کا مظاہرہ کیا جس کو بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔

عام طور پر اسلام کے بڑے بڑے عالم یا فقیہ، میدان جنگ میں وہ نام نہ پیدا کر سکے جو جناب خالدؓ، جناب ابو عبیدہؓ، جناب عمرو بن عاصؓ، جناب شریک بن حبیبؓ، جناب عکرمہ بن ابو جہلؓ، جناب تعقانؓ وغیرہ پیدا کر سکے۔ ایسے عظیم مجاہد ہزاروں کی تعداد میں تھے عالم اور فقیہ بہادر ضرور تھے لیکن امارت بہت کم نے کی اور جنگ میں بھی بہت کم کمانڈر رہے ان میں جناب عبداللہ بن مسعودؓ، جناب معاذ بن جبلؓ، جناب عبداللہ بن عمرؓ، جناب انس بن مالکؓ، جناب عبداللہ بن عباسؓ، جناب ابو ہریرہؓ وغیرہ متعدد فقیہ شامل ہیں لیکن جناب علیؓ المر تھے واحد فقیہ ہیں جو میدان جنگ کے بھی شیر تھے اور اسلامی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس سے جناب علیؓ کا مقام اوڑوں سے بلند تر نظر نہ آئے۔

لیکن اس کے باوجود، اللہ کے شیر، حضور پاکؐ کے چہرے بھائی اور داماد، حضور پاکؐ کے زمانے کی ہر جنگ کے دولہا، جناب علیؓ، اپنی امارت کے دوران میں ان حالات سے دوچار ہوئے جو کچھ چند ابواب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور خاص کر یہ باب تو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؓ کے لئے اب امیر معاویہؓ کے خلاف بھرپور کارروائی کرنا مشکل ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے راز نرالے ہیں۔ اس نے جب دنیا والوں کو کامیابی عطا کر دی۔ اور

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اس فرمان کو ثابت کر رہا تھا کہ بیشک زیادہ لوگ گمراہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اکثریت، اقلیت، حزب اقتدار اور حزب اختلاف وغیرہ کے موجودہ طرز حکومت کے اصولوں کو غلط کہتا ہے۔ اور پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے اور وحدت کا حکم دیتا ہے۔

بہر حال طبقات ابن سعد میں روایت ہے کہ اپنی شہادت سے چند روز پہلے جناب علی المرتضیٰؑ کو خواب میں حضور پاکؐ، سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ اصلی اللہ علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ جناب علیؑ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! مجھے آپ کی امت سے کس قدر فساد کے ساتھ واسطہ پڑا"

حضور پاکؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! دعا مانگ لو کہ فساد سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔" جناب علیؑ نے خواب ہی میں دعا مانگی: "اے اللہ! مجھے ان لوگوں کے بدلے وہ دے جو ان سے بہتر ہے، اور ان کو وہ دے جو ان جیسا ہو یا جن کے وہ حق دار ہیں"

ترجمے یا متن کے الفاظ کے بارے بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے "کہ ان لوگوں کو مجھ سے کم تر یا بدتر دے" واللہ اعلم۔ اول تو بات خواب کی ہے اس لئے ہم تبصرہ نہ کریں گے۔ البتہ آگے تفصیل میں جائیں گے کہ حضور پاکؐ کی اولاد اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ اور حضرت علیؑ سے چلی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی حکومت سے داغدار نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ عجیب و غریب واقعات ہوئے کہ یہ امت جناب علیؑ کی امارت کا فائدہ نہ اٹھا سکی۔





## پانچواں باب

### حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی خلافت

جناب علی کرم اللہ وجہہ ۷ اررمضان ۴۰ ہجری کو شہید ہوئے جناب عبید اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ! اگلوں کا سب سے زیادہ بد بخت حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے پاؤں کاٹنے والا تھا اور پھیلوں میں بد بخت ترین وہ ہو گا جو آپ پر تہاں "دار کرے گا اور جناب علیؑ کے بدن پر اس جگہ سرکارِ دو عالمؐ نے ہاتھ رکھ کر نشانہ ہی فرمائی چنانچہ حضرت علیؑ کو شہید کرنے والے عبدالرحمن بن بلعم مرادی دنیا کا ایک بدترین شخص ہے

جناب ابوطیفیلؓ سے روایت ہے کہ جناب علیؑ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی تو مصر کے لوگوں میں عبدالرحمن بن بلعم تھا کہ وہ بھی حضرت عثمانؓ کے خلاف گھیراؤ کے فتنہ میں شامل تھا عبدالرحمنؓ جناب علیؑ کی بیعت کے لئے آگے بڑھا تو آپؑ نے رد کر دیا بلکہ عبدالرحمنؓ کی دوسری کوشش کو بھی رد کیا اور فرمایا کہ اُمت کے اس بد بخت ترین شخص کو میرے قتل سے کوئی نہ روک سکے گا۔

### تین خارجی

روایت ہے کہ نہروان سے جو خارجی، جنگ سے پہلے وہ جگہ چھوڑ گئے تھے انہوں نے ایسا کسی ندامت کی وجہ سے نہ کیا تھا یہ ان کی وقتی کارروائی تھی تاکہ اس کے بعد اپنے گروہ کو کسی اوڈ شکل میں ترتیب دیں ان کی افلاطونی اور آزادی فکر ان پر برابر چھانی ہوئی تھی اور ان میں سے متعدد لوگوں نے بعد میں بھی بغاوتوں میں حصہ لیا بہر حال ان میں سے تین شخص مگر شریف میں ملے ایک عبدالرحمن بن بلعم المرادی تھا جس کو مؤرخین نے مصری کہا ہے۔ دراصل مصری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مصر کے لوگوں کے ساتھ آکر حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ میں شریک ہوا تھا اور

شاید مصر کی فتح کے بعد، مصر میں جا کر آباد ہو گیا تھا لیکن اُس کا تعلق قبیلہ مراد سے تھا جو بنو کنزہ کے حلیف تھے اور یمن و حضر موت کے علاقہ میں آباد تھے قبیلہ مراد کو قبیلہ حمیر کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے دوسرے دونوں ابرک بن عبداللہ اور عمر بن بکیر تھے جن کا تعلق مالک بن نویرہ کے قبیلہ تمیم سے تھا اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ قبیلہ تمیم کے لوگ خراب تھے کالی بھیڑیں ہر جگہ ہوتی ہیں ویسے قبیلہ تمیم میں سے جناب قعقاع اور جناب عاصم بھی تھے جو اسلام کی تاریخ میں درخشاں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

بہر حال ان تینوں گمراہوں نے مکہ میں عہد و پیمان کیا کہ جناب علیؑ، جناب امیر معاویہؓ اور جناب عمرؓ بن عاص تینوں کو ختم کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو ان جھگڑوں سے نجات ملے اور فیصلہ یہ ہوا کہ عبدالرحمن بن ملجم امیر المومنین جناب علیؑ کو شہید کرے گا ابرک نے جس کو حجاج بھی کہتے تھے جناب معاویہؓ کو شہید کرنے کی ٹھانی اور عمرؓ بن بکیر جناب عمرؓ بن عاص کو شہید کرنے پر مقرر ہوا فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں ۱۷ رمضان صبح کے وقت اپنی یہ کارروائی مکمل کریں اور تینوں اپنی منزلوں کی طرف چل پڑے۔

### ابن بلجم کوفہ میں

عبدالرحمن بن ملجم کوفہ آیا اور وہاں پر سب سے پہلے شیب بن شجرہ اشعجی کو ملا جو اُس کا ہم خیال تھا اور اس زمانے میں مصلحتاً خاموش تھا۔ شیب پہلے تو کچھ جھنجھایا لیکن عبدالرحمن نے جب نہروان میں خارجی دوستوں کے قتل ہونے کی بات شیب کو یاد دلانی، تو شیب اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو گیا! انہی دنوں ابن بلجم کی نظر قبیلہ تمیم رباب کی ایک خوبصورت عورت پر پڑ گئی جو تاریخ میں قطام بنت شجنہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ابن بلجم کو پسند آگئی اور ساتھ ہی اُس کو پتہ چلا کہ اس عورت کا باپ اور بھائی نہروان میں مارے گئے تھے عبدالرحمن نے اُس عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تو وہ کہنے لگی کہ حق مہر تین ہزار درہم باندھو اور امیر المومنین جناب علیؑ کو بھی ساتھ ہی شہید کر دو ابن بلجم کہنے لگا کہ رقم تو اس کے پاس نہیں، البتہ وہ اس شہر میں آیا ہی جناب علیؑ کو شہید کرنے کی غرض سے ہے اور اس طرح ابن بلجم نے وعدہ کر لیا۔

طبقات ابن سعد کے مطابق عبدالرحمن نے جس روز جناب امیر المومنین <sup>رض</sup> کو شہید کیا اس شب لوگوں نے اس کو اشعث بن قیس کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں سرگوشیاں کرتے بھی دیکھا کچھ اور تاریخوں میں ایسی روایات بھی ہیں کہ ۷۱۷ء رمضان صبح کو اشعث مسجد میں نماز پڑھتے نہ آیا اور نماز کے بعد اپنے بیٹے قیس کو بھیجا کہ مسجد سے کوئی خبر لائے تو قیس نے واپس جا کر باپ کو بتایا کہ عبدالرحمن بن ملجم نے جناب امیر المومنین <sup>رض</sup> پر حملہ کیا اور اب وہ سخت زخمی ہیں۔ اشعث کے بارے ہم اس سے پہلے بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اب بات قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ ہاں البتہ اس کا یہی بیٹا قیس سانحہ کربلا کے وقت یزید کی فوج میں تھا۔

### ابن ملجم کا حملہ

ابن ملجم نے صبح نماز کے وقت جناب امیر المومنین <sup>رض</sup> پر حملہ کر دیا اور آپ <sup>رض</sup> شدید زخمی ہو گئے آپ نے اپنے بھانجے جعدہ بن مسیرہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا آپ کی ماں ام بانی تھیں جن کو حضور پاک اپنی حقیقی بہن سمجھتے تھے اور آپ نے مکہ شریف کی فتح کے بعد ان تمام لوگوں کو بھی معاف کر دیا تھا جن کو ام بانی نے امن دیا تھا بہر حال جناب علی <sup>رض</sup> کو زخمی حالت میں اٹھا کر گھر لایا گیا۔

### جناب علی <sup>رض</sup> کی وصیتیں

جناب امیر المومنین <sup>رض</sup> نے متعدد وصیتیں کیں جن کی تفصیل میں ہم نہیں جا رہے دو تین البتہ بڑی اہم ہیں :-  
۱:- اگر میں جانبر نہ ہو سکا تو میرے قاتل کو ایک ہی وار سے ختم کرنا۔  
۲:- میرے قاتل کے بغیر کسی اور کو نہ مارنا (اور یہی وجہ تھی کہ باقی سازش والے بچ گئے اور شاید اشعث بھی اسی وجہ سے بچ گیا۔)

۳:- میری شہادت کو بہانہ بنا کر اور لوگوں کی خونریزی کے لئے تلوار نہ اٹھانا۔ خاص کر میرا اشارہ بنو ہاشم اور زیادہ اپنے دادا عبدالمطلب کی اولاد کی طرف ہے کہ میرے خون کو قصاص کا مسئلہ نہ بنانا (یہ وصیت بڑی اہم ہے کہ جناب علی <sup>رض</sup> کی وارث ساری امت ہے اور نہ کہ ان کے دادا کی اولاد) ظاہر ہے کہ جناب امیر المومنین <sup>رض</sup> کو معلوم تھا کہ ان کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ ہے اس

سازش میں معلوم نہیں کون کون ملوث تھے اور یہ سازش اسی سازش کا حصہ تھی جس کے تحت جناب علمؑ اور جناب عثمانؑ شہید کئے گئے غیروں کے ساتھ دنیاوی لالچ کے پیچھے اپنوں میں سے کون کون دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اس میں شریک تھے یہ ایک کتاب کا مضمون ہے۔

جناب علیؑ بات کو آگے نہ بڑھانا چاہتے تھے اور آپؑ مسلمانوں میں خونریزی کو ختم کرنا چاہتے تھے ان کو خلافت یا امارت کی بالکل چاہت نہ تھی لوگوں نے مجبور کیا اور حالات بہت بھیانک تھے اور مرکز کو سہارا دینے کے لئے انہوں نے خلافت قبول کر لی اور پھر مسلمانوں کے امیر کے لحاظ سے ان پر فرض تھا کہ اس مرکز کو قائم کرنے کے لئے لڑائی اور جنگ سے کسی بھی فتنہ یا بغاوت کو فرد کرتے لیکن انہوں نے ان جنگوں میں وہ طریقہ کار استعمال نہ کیا جو اللہ کے اس شیر نے کفار کے ساتھ جنگوں میں استعمال کیا انہوں نے خون خرابہ سے بہت گریز کیا کہ ان پر یہ الزام عائد نہ ہو کہ اپنی امارت کے لئے لوگوں کو تہس نہس کر دیا اور جو کی باسی روٹی پر گزارہ کر نیوالے کو امارت کا کوئی شوق نہ تھا۔

یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ مغربی مبصرین حیران ہیں کہ مسلمانوں نے جناب علیؑ جیسی عظیم شخصیت کی امارت کا فائدہ نہ اٹھایا اور نہ ساری دنیا ان کے قدموں کے نیچے ہوتی اور مسلمانوں نے ان کا ان کے راستے میں روڑے اٹکائے ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ حجتؑ دنیا کی وجہ سے ہوا۔

## بیٹوں کیلئے وصیتیں

حضرت علیؑ نے تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی اور اپنے تین بڑے بیٹوں امام حسنؑ، امام حسینؑ اور امام محمد بن حنیفہ کو آپس میں اتفاق سے رہنے کی ہدایت کی، باقی بچے چھوٹے تھے رایت ہے کہ سانحہ کربلا کے علمبردار جناب عباسؑ اس وقت تک بلوغت تک بھی نہ پہنچے تھے اور باقی اولاد شاید ان سے بھی چھوٹی تھی ان سب باتوں کا ذکر ساتویں باب میں ہے۔

طبری کے مطابق جناب جندب بن عبد اللہؑ نے امیر المومنین جناب علیؑ سے دریافت کیا کہ اگر آپؑ ہم سے جدا ہو جائیں تو کیا ہم امام حسنؑ کی بیعت کریں؟ آپؑ نے فرمایا "نہ میں ایسا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں آپ لوگ خود سمجھدار ہیں" بعض راویوں کے مطابق آگے یہ بھی فرمایا کہ یہ فیصلہ مجلس شوریٰ کرے گی لیکن اس بات کو مخالفین نے غلط رنگ بھی دیا کہ دبی زبان میں سے

جناب علیؑ نے امام حسنؑ کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا کہ "کہا تھا میں اس سے منع نہیں کرتا" امیر معاویہؓ نے اسی وجہ سے یزید کو خلافت کا وارث بھی قرار دے دیا۔ لیکن نعوذ باللہ کہاں تو اسے سرکارِ دو عالم جناب امام حسنؑ اور کہاں یزید۔

## صحیح روایات

صحیح روایات کے مطابق جناب علیؑ نے امام حسنؑ کے ساتھ تخلیہ میں بھی باتیں کیں لیکن جو باتیں کھلم کھلا کیں ان میں سے کچھ اس طرح تھیں "بیٹا! دنیا کی امارت سے اپنے دامن کو داغدار نہیں کرنا اور جب کسی داغدار یا خرابی کا پتہ چلے تو اس کو پرانے کپڑے کی طرح پھینک دینا" یہ بھی روایت ہے کہ جناب علیؑ نے امام حسنؑ کو آنے والے واقعات سے بھی کچھ آگاہ کیا یہ جناب علیؑ کا جائزہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن کی فراست کے بارے میں حصور پاکؑ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ بہر حال یہاں عقلی گھوڑے دوڑانے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جناب علیؑ نے یہ فراست اپنے لئے کیوں نہ استعمال کی، تو ہم اس سلسلہ میں پچھلے ابواب میں مہر پور تبصرہ کر چکے ہیں کہ وہ مرکز کو سہارا دینے کے لئے مجبور تھے اور اصولوں پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے۔ امام حسنؑ کی اپنی شان ہے اور یہاں پر ہم آپ کی اس تقریر کا متن دے رہے ہیں۔ جو آپؑ نے جناب علیؑ کا جنازہ پڑھنے کے بعد کی۔ یہ تقریر دریا کو کوزے میں بند کر دیتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:-

"اے لوگو! کل ایک ایسا شخص تم سے جدا ہو گیا کہ نہ اولین اس سے آگے بڑھے اور نہ آخرین اسے پائیں گے۔ حصور پاکؑ اسے میدانِ جنگ میں بھیجتے تھے اور اسے جھنڈا دیتے تھے۔ وہ اس وقت تک واپس نہیں آتا تھا۔ تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ اسے فتح نہیں دے دیتا تھا۔ حضرت جبریلؑ اس کی داہنی طرف رہتے تھے اور حضرت میکائیلؑ اس کی بائیں طرف۔ اس نے نہ چاندی چھوڑی نہ سونا۔ سوائے سات سو درہم کے، جو اس کی عطا سے بچ گئے۔ اور جس سے اس کا ارادہ خادم خریدنے کا تھا۔ آپؑ کو اسی روز اٹھایا گیا، جس روز جناب عیسیٰ بن مریمؑ کی روح کو معراج ہوئی۔ یعنی رمضان کی سترھویں شب۔"

## تبصرہ

قارئین! یہ ترجمہ ہم نے تحت اللفظ کے اصول پر لکھا ہے۔ کہ اُردو الفاظ عربی صرف و نحو کی طرز پر ہیں۔ جناب علیؑ کی وفات کے بعد ایک زمانہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ حضور پاکؐ کی وفات سے ایک زمانہ آنکھوں سے اوجھل ضرور ہوا۔ لیکن وہ کارواں چلتا رہا، جس کو حضور پاکؐ صراط مستقیم پر اپنے سامنے لگا گئے تھے۔ اب اس کارواں کے چوتھے اور آخری سردار بھی گئے۔ حضور پاکؐ نے فرمایا تھا کہ میں ٹوٹے ہوئے زمانے کو تسلسل دینے کے لئے مبعوث ہوا۔ ٹوٹے ہوئے زمانے کو تسلسل تو مل گیا۔ اور کارواں تو اب بھی چل رہا ہے۔ لیکن اس کارواں کو جو شان پہلے چند سالوں میں نصیب ہوئی اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں! کبھی کبھی اس شان کی دھندلی سی جھلک ضرور ملتی ہے۔ لیکن نہ وہ خوش نصیب دور واپس آیا اور نہ عبارِ راہ کو وادی سینا کا سفر و غ حاصل ہوا۔ آپؐ کے سب رفقاء چلتے پھرتے اسلام تھے اور جو کچھ ان رفقاء کے حکموں کے تحت ہوا، وہ سب قرآن پاک اور حدیث نبویؐ کے مطابق تھا۔

روایت ہے کہ امام محمد باقرؑ نے امام اعظمؑ کو مخاطب کر کے فرمایا "کہ سنو! مجھے خبر ملی ہے کہ تو میرے نانا کے دین میں قیاس کو ترجیح دیتا ہے"۔ امام اعظمؑ نے امام محمد باقرؑ کو مسند پر بٹھا دیا اور خود دوزانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھ گئے اور گزارش کی: کہ جناب اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت کمزور ہے، اس کے حصہ کو مرد سے زیادہ کر دیتا۔ عورت کی ناپاکی کی حالت میں روزہ کی قضا کے بجائے نماز کی قضا کا حکم دیتا کہ نماز، روزہ سے افضل ہے۔ جنابت کے بعد غسل کی بجائے پیشاب کرنے کے بعد غسل کا حکم دیتا، کہ پیشاب، منی کی نسبت زیادہ ناپاک ہے۔ میں تو احکام قرآن پاک اور آپ کے نانا کی سنت کے مطابق دیتا ہوں۔ اور وہ چیز نقل کرنے کا حکم دیتا ہوں جو جناب صدیق اکبرؑ عمر فاروقؑ، عثمان غنیؑ اور علی المرتضیٰؑ ان احکاموں کے تحت کر گئے ہیں۔

جناب امام باقرؑ، مسند سے اٹھے اور امام اعظمؑ کو گلے لگا لیا۔ اور قارئین! ان

کے ہاں تو کوئی اختلاف نہ تھا۔ اور شک کی صورت میں بات چیت کر لیتے تھے۔ اور یہ تھا عملی اسلام، جس پر خلفائے راشدین نے خود عمل کیا اور دوسروں کو عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور پہلے سو سالوں میں بھی عقائد کے کوئی اختلافات نہ تھے۔ ہم نے اپنے آپ کو خلفائے راشدین کے زمانے یا ان کی حکمت عملیوں کے ثمرات تک محدود کر کے آپ کے سامنے اس معطر باغ سے خوشبو پیش کر دی ہے اور ساتھ گزارش کی ہے کہ جناب علیؓ کی وفات کے بعد ایک زمانہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

## دیگر خارجی

عبدالرحمن بن ملجم، حضرت علیؓ پر حملہ کرنے میں اکیلا نہ تھا۔ اس کے ایک ساتھی شیب کا ذکر کیا جا چکا ہے، کہ وہ بھی ساتھ تھا لیکن وہ بھاگ گیا۔ اس کو ایک شخص ابن حضرمی نے پکڑ لیا اور تلوار بھی چھین لی۔ لیکن ابن حضرمی ڈر گیا کہ لوگ اس کو قاتلوں میں شمار نہ کر دیں۔ اس لئے اس نے شیب کو چھوڑ دیا۔ تیسرا آدمی دردان تھا، جو ابن ملجم کو اس کی معشوقہ قطام بنت شجنہ نے دیا، کہ یہ اس کے خاندان کا آدمی تھا۔ دردان بھی بھاگ گیا۔ لیکن جن لوگوں کے پاس جا کر پناہ لی، وہ بھی گوجارجی تھے۔ لیکن ڈر گئے کہ دردان ان کو بھی پکڑوا دے گا۔ اس لئے انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

عبدالرحمن بن ملجم کے دوسرے دو ساتھی جن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں عہد و پیمانہ ہوئے تھے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے ابرک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ پر حملہ کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا اتفاق سے زخم کاری نہ تھا اور امیر معاویہؓ بچ گئے لیکن امیر معاویہؓ کا زخم اتنا شدید تھا کہ اس کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو سکی اور اطباء نے یہ چیز پہلے ہی بتا دی تھی بہر حال امیر معاویہؓ نے ابرک کو قتل کر دیا۔

تیسرے سازشی عمرو بن بکیر نے جناب عمرو بن عاصؓ پر حملہ کرنا تھا لیکن جناب عمرو اس دن بیمار تھے نماز پڑھانے نہ آئے ان کی جگہ ان کے ایک نوجوی افسر خارجہ بن ابی جسیب نے نماز پڑھائی عمرو بن بکیر کو پتہ چلا کہ عمرو بن عاصؓ بچ گئے ہیں تو اس نے بڑا فسوس کیا کہ ہائے اس نے جناب عمرو بن عاصؓ



کو شہید کرنا تھا چنانچہ اس وجہ سے جناب عمرو بن عاص کو پوری کہانی پتہ چل گئی اور انہوں نے عمرو بن بکیر کو قتل کرا دیا۔

## تبصرہ

قارئین! تھوڑی دیر کے لئے رک جائیں مشیتِ ایزدی کے کام نزلے ہوتے ہیں تینوں خارجی اپنے مقصد کو ہر حالت میں حاصل کرنے کے لئے نہ صرف تیار تھے بلکہ عملی طور پر انہوں نے اپنے ہمدرد پیمان کو نبھایا لیکن اللہ کی قدرت دیکھیں کہ دارِ صرف امت کے درخشاں ستارہ پر کامیاب ہوا۔ امیر معاویہؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال زندہ رہے اور ان کے زمانے کے حالات پر مختصر تبصرہ اگلے باب میں موجود ہے۔ جناب عمرو بن عاص کو مصر کی حکومت جناب علیؓ کے زمانے میں ہی مل گئی۔ اور جناب معاویہؓ کے خلیفہ بننے کے بعد چکی ہو گئی۔ عمرو بن عاص جناب فاروق اعظمؓ سے بھی عمر میں چند سال بڑے تھے کہ کہتے تھے کہ ان کو یاد ہے کہ مکہ کی گلیوں میں شورا ٹھا کہ خطاب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ بہر حال جناب عمرو بن عاص جلالِ مصطفیٰؐ اور اس سلسلہ کی چاروں کتابوں میں ہمارے ساتھ رہے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی اور کو اتنے واقعات یا حالات سے نہ گزرنا پڑا جتنے سے جناب عمرو بن عاص گزرے۔ آپ جناب معاویہؓ کی خلافت کے تیسرے سال ہی میں وفات پا گئے۔ لیکن افریقہ کے حالات کو استحکام دے گئے۔ آپ از خود ایک کتاب کا مضمون ہیں۔ اور آپ نے اسلام کی جو خدمت کی وہ سنہری الفاظ میں لکھی جانے کے قابل ہے۔ لیکن منصف کے طور پر جو کچھ آپ نے کیا، اس پر بھی کوئی پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ بہر حال وہ دوستوں کے بڑے وفادار دوست تھے اور ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے کبھی کسی آدمی سے دھوکا نہیں کھایا۔ وہ فوجی معاملات، اور سیاست کے علاوہ علم الکلام کے بھی ماہر تھے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ لیبر مرگ پر تمام دوستوں اور خادموں کو بلایا۔ اور کہنے لگے کہ تم لوگ میری خدمت کا بڑا وعدہ کرتے تھے۔ اب مجھے موت سے بچاؤ پھر مسکرا کر کہنے لگے کہ نہیں۔ مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں تمہارے سامنے اپنی لغزشوں پر افسوس کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد، اپنی تمام تر کہانی مختصر لفظوں میں دہرائی۔ اور

کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ ورنہ بخشش کی کوئی امید نہیں۔ البتہ ایک بات ہے کہ اسلام لے آنے کے بعد حضور پاک کے سامنے ان کے جلال و جمال کی وجہ سے میری آنکھیں اس طرح جھکی رہتی تھیں کہ میں آپ کا علیہ مبارک بھی بیان نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ میں نے اپنا ہاتھ ان کے مبارک ہاتھ میں دیا، اس لئے شاید ان کی شفقت ہو جائے اور یہی میری بخشش کی وجہ بن جائے۔

قارئین! اس اصول اور سبق کو یاد رکھنا کہ حضور پاک کی غلامی ہی سب کچھ ہے۔

### جناب علیؑ کا دفن

جناب علیؑ کو اللہ وجہ کو پوشیدگی میں دفن کیا گیا۔ خطرہ یہ تھا کہ خارجیوں کو اگر جناب امیر المومنینؑ کی آخری آرام گاہ کا پتہ چل گیا تو جب کبھی ان کو موقع مل گیا تو وہ جسد مبارک کی بے عزتی کریں گے۔ قبر کی جگہ جناب علیؑ کے چند قریبی رشتہ داروں کو پتہ تھی اور سو سال بعد آپ کی قبر کی نشاندہی کی گئی۔ روایت ہے کہ آپ امام حسنؑ کو اس سلسلہ میں خود ہدایت دے گئے تھے بہر حال یہ مقام نجف اشرف میں ہے اور آج خلائق کا جم غفیر وہاں ہر موسم میں حاضری دیتا ہے خاص کر سترہ رمضان کو لاکھوں زائرین وہاں حاضری دیتے ہیں۔

### امام حسنؑ کی خلافت

جناب علیؑ کی وفات کے بعد آپؑ کی مجلس مشاورت نے امام حسنؑ کو خلیفہ منتخب کیا اور جناب قیس بن سعد نے سب سے پہلے بیعت کی اور پھر سب مسلمانوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد امیر المومنین جناب حسنؑ کے سامنے قاتل ابن ملجم کو پیش کیا گیا اور اس نے اپنا گناہ تسلیم کیا۔ اصل میں وہ یہ گناہ جناب علیؑ کے سامنے بھی تسلیم کر چکا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ شاید امیر معاویہؓ بیچ گئے ہوں گے اور اس کو چھوڑ دیا جائے کہ وہ امیر معاویہؓ کا معاملہ بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال ابن ملجم کی ایسی کوئی بات نہ سنی گئی اور امیر المومنین جناب امام حسنؑ نے ابن ملجم کے قتل کا حکم دیا۔

طبقات ابن سعد میں یہ روایت بھی ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ابن ملجم کو زندہ جلا دیا جائے۔ لیکن امام حسینؑ، امام محمد بن حنیفہ اور عبداللہ بن جعفر طیارؑ نے کہا کہ نہیں۔ وہ اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اس کو ایذا دے کر قتل کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے اس کے پاؤں کاٹے، مگر اس نے کوئی فریاد نہ کی، ہاتھ کاٹے، آنکھوں میں سلاخی پھیری، وہ خاموش تھا، لیکن جب زبان کاٹنے لگے، تو چیخ اٹھا کہ اس کی زبان نہ کاٹی جائے، کہ وہ آخری وقت تک اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھنا چاہتا ہے۔

## تبصرہ

ہمیں اس روایت پر بالکل یقین نہیں آتا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ، حکم دے گئے تھے کہ اگر وہ نہ بچ سکے تو ابن ملجم کو ایک ہی ضرب سے قتل کرنا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ جناب علیؑ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت پر عمل نہ کیا جاتا۔ پس تاریخ کے بامقصد مطالعہ کے بعد اس جیسی اضافی باتوں کو تاریخ سے نکال دینا چاہیے۔ ان سب میں ایک سوچی اور سمجھی ہوئی شرارت ہے۔ جو بنو امیہ کے زمانے میں خوب پھلی پھولی۔ اس میں ایک طرف جناب امام حسینؑ پر حرف لانا مقصود تھا، کہ جناب علیؑ کی شہادت کو ذاتی معاملہ بنا کر ابن ملجم کو کس طرح ایذا پہنچائی گئی۔ لیکن ایسی کہانیوں میں خارجیوں کے "کردار" کو بھی کچھ عجیب رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، کہ وہ اپنے اصولوں کے بڑے پکے تھے اور آخری وقت تک اپنے اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ خارجی جنہوں نے جناب عبداللہ بن خطاب اور ان کی زوجہ محترمہ کو شہید کیا، ان کے بارے عجیب و غریب افسانے گھڑ لئے گئے ہیں کہ وہ بڑے دیانتدار اور اصول پسند تھے وغیرہ۔ ویسے اکثر اہل قلم اور فصیح نویسوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی زیادہ برائی کی طرف راغب ہو جائے۔ تو یہ لوگ کہیں سے اس کے کچھ اچھے اصول بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ قارئین نے اکثر چوروں اور ڈاکوؤں کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ اہل قلم ان کے چور اور ڈاکو بننے کی ساری ذمہ داری معاشرہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اور باقی کسر ان ڈاکوؤں کو اصول پرست

پیش کر کے نکال لی جاتی ہے۔

اس لئے ہم اس غلط روی کو ابنِ ملجم کی مثال سے ہی بھانپ سکتے ہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ فرما گئے تھے کہ وہ دنیا کا بد بخت ترین آدمی ہے۔ تو کیا ایسے آدمی کی زبان پر آخری وقت اللہ کا ذکر جاری ہو سکتا ہے؟ ہاں شاید وہ اپنی محبوبہ قطام بنت شجنہ کو یاد کر رہا ہوگا۔ دراصل تمام خارجیوں کا یہی حال تھا کہ وہ آزاد فکر تھے۔ ان کا کوئی اصول نہ تھا۔ انہوں نے گروہ اس لئے بنائے تھے کہ ان میں منفی باتوں پر اتحاد تھا۔ خارجیوں نے اسلام کا بڑا نقصان کیا۔ انہوں نے فضول بحث کی بنیاد رکھی اور ایسی فضول بحث کی وجہ سے اسلام میں معتزلہ آئے۔ انہوں نے یونانی فلسفہ پڑھا اور اسلام میں قضا و قدر۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا قرآن پاک کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے پر ایسے فضول بحث اور مباحثے کئے، جنہوں نے امت کو مختلف عقائدی گروہوں میں بانٹ دیا۔ ہمارے ہاں اس زمانے میں کچھ دانش ور خارجیوں کی کہیں سے اچھی باتیں نکال لاتے ہیں اور ان کے اصولوں کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ بڑا افسوسناک رویہ ہے۔ حضور پاکؐ نے فرما دیا کہ یہ لوگ امت سے اس طرح نکل گئے، جس طرح تیرکمان سے نکل جاتا ہے۔ اور جنگِ نہروان میں بونے کی لاش نے خارجیوں کے گمراہ ہونے پر مہر ثبت کر دی۔ اس لئے اس مردہ کو اب دفن ہی رہنے دیا جائے۔ کہ اس سلسلہ میں مزید تحقیق ہمیں اور گمراہ کرے گی۔

## امام حسنؑ اور خلافت

امام حسنؑ کو خلافت میں کوئی زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے، کہ امام حسنؑ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی رائے دی تھی کہ خلافت کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ بہر حال اس زمانے میں جناب علیؑ نے امام حسنؑ کو سمجھایا کہ مجبوری والی بات ہے کہ اسلام کے مرکز کو سہارا دینے کی ضرورت تھی اور کوئی آگے نہ بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے، کہ جناب علیؑ نے امام حسنؑ کے ساتھ جو الگ بات کی تھی، اس میں ضرور مشورہ دے گئے ہوں گے کہ، خلافت

کو خالی سہارا دینا۔ اب خلافت والا معاملہ ختم ہے۔ اب امارت کا زمانہ آنے والا ہے۔  
جناب علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی وفات سے پہلے چالیس ہزار کا لشکر تیار کیا تھا۔  
کہ وہ شام کی طرف کوچ کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں امیر صرف ایک ہی ہو سکتا  
ہے اور اس کا فیصلہ ہو جائے۔ آپ نے جناب قیس بن سعدؓ کو اسی وجہ سے بلا یا ہوا تھا۔ وہ  
جزیرہ کے علاقوں کے عامل تھے۔ کہ اس علاقہ میں امیر معاویہؓ کی حربی کارروائیوں کی روک تھام  
کر رہے تھے۔ جناب قیس بن سعدؓ فوجی اور سیاسی لحاظ سے امیر معاویہؓ اور عمرؓ بن عاص  
کے پایہ کی شخصیت تھے۔ اور اب امام حسنؓ کی بیعت کے بعد وہ جلد جزیرہ واپس لوٹ  
گئے کہ امیر معاویہؓ کو کسی جارحانہ کارروائی کا موقع نہ مل سکے۔

البتہ کوفہ میں کسی شریک نے یہ خبر اڑادی کہ اشتر کی طرح جناب قیس بن سعدؓ  
کو بھی زہر دے کر شہید کر دیا گیا ہے۔ کسی نے افواہ کو اور بڑھایا کہ امیر معاویہؓ ایک لشکر  
جرار کے ساتھ کوفہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ایسی خبریں سننے کے بعد امام حسنؓ کے لشکر سے  
کئی آدمی بھاگنے شروع ہو گئے اور بعض نے جاتے وقت امام حسنؓ کے خیمہ سے کچھ سامان  
بھی لوٹ لیا۔ حصور پاک فرما گئے تھے کہ خلافت راشدہ تیس سال رہے گی وہ مدت پوری  
ہونے والی تھی۔ امام حسنؓ نے از خود امیر معاویہؓ کو لکھ دیا تھا کہ کچھ شرائط کے تحت وہ  
خلافت سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے امیر معاویہؓ ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے  
بھیج چکے تھے کہ جو شرائط آپ لکھنا چاہتے ہیں اس کاغذ پر لکھ لیں، ان کو منظور ہیں۔ آگے  
مختلف روایات ہیں، کہ بعد میں امیر معاویہؓ اپنی بات پر قائم نہ رہے۔ اور ایسی روایات  
بھی ہیں کہ امام حسنؓ نے امام حسینؓ یا عبداللہ بن جعفرؓ وغیرہ کسی سے صلاح نہ کی تھی کہ وہ  
خلافت سے دستبردار ہو رہے ہیں۔ اور امام حسینؓ نے یہ بات پسند نہ کی۔

### تبصرہ

یہ سب کہانیاں بنو امیہ یافتہ والوں نے گھڑیں کہ امام حسینؓ کو خلافت کی چاہت  
تھی۔ جناب علیؓ اور ان کی اولاد اس چیز سے بلند تھے، اور جناب علیؓ کے بیٹوں میں

کبھی کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو کربلا میں سب اپنی جان کا نذرانہ اس طرح پیش نہ کرتے، جس کا ذکر ساتویں باب میں ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، حضور پاکؐ کے نواسوں یا ساری اولادِ علیؑ کے دامن کو کسی غلط قسم کی امارت کی سیاہی سے داغدار نہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر امارت اس گھرانے میں چلی جاتی تو شاید کسی سے غلطی ہوتی تو خواہ مخواہ لوگ انگلی اٹھاتے کہ اولادِ رسولؐ سے ایسا ہو گیا۔ چنانچہ اگلے باب میں ہم امام حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری اور اس کے اثرات کی تفصیل میں جائیں گے۔

## امام حسنؑ اور کثرتِ ازواج

بنو امیہ نے ایک اور شوشہ بھی چھوڑا کہ امام حسنؑ خلافت کر بھی نہ سکتے تھے، کہ ان کو زیادہ دلچسپی عورتوں سے تھی، کہ متعدد شادیاں کیں۔ ہم پہلی کتاب میں جناب مغیرہ بن شعبہؓ کے سلسلہ میں کثرتِ ازواج کا ذکر کر چکے ہیں اور امام حسنؑ کے سلسلہ میں وعدہ کیا تھا کہ اس پہلو کی چوتھی کتاب میں وضاحت کریں گے

اس میں شک نہیں کہ امام حسنؑ نے عام لوگوں کی نسبت زیادہ شادیاں ضرور کیں، اور عام لوگوں کی نسبت زیادہ عورتوں کو طلاق دی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور اس کی ہر پہلو کی کھل کر وضاحت کرنی چاہیے۔ اول یہ بات کہ امام حسنؑ نے جو کچھ کیا، شریعت کے لحاظ سے کوئی غلطی نہ کی۔ وہ چار عورتوں کی حد سے نہ بڑھے۔ اسلام انسانوں کی طرح مرد اور عورت کے درمیان قانونی رشتہ نکاح کا قائل ہے۔ اور جانوروں کی طرح غلط روی کو روکتا ہے۔ پھر امام حسنؑ کا اپنا ایک جمال تھا اور آپؑ حضور پاکؐ کے کافی مشابہ تھے۔ آپؑ کو شادی کے بہت پیغام آتے تھے۔ بلکہ کسی دفعہ ایسے پیغام بھی آئے کہ میعادِ شادی کر لی جائے۔ کچھ عورتوں کا عقیدہ تھا کہ امام حسنؑ کی زوجہ محترمہ بنتی کے بعد ان کی بخشش ہو جائے گی اور اس میں کوئی غلط بات نہ تھی کہ یہ عورتیں حضور پاکؐ کے ساتھ محبت کی وجہ سے ایسا کرنا چاہتی تھیں۔

یہ بات عام ہے، کہ امام حسنؑ سے طلاق لینے کے بعد ان کی سابقہ کنی عورتیں ان کی اتنی ہی عزت کرتی تھیں، جتنی، اُس وقت کرتی تھیں جب آپؑ امام حسنؑ کے گھر میں ہوتی تھیں۔ تو امید دالتی ہے کہ اب امام حسنؑ کی کثرتِ ازواج والی بات کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔

## حضور پاکؐ کی ذاتی مثال

اس سلسلہ کی کتابوں میں ہم نے جناب خالدؑ کی شادیوں یا بیوہ سے شادی کے سلسلہ میں کھل کر بحث کی ہے کہ حضور پاکؐ نے خود جنگوں کے بعد شادیاں کیں۔ لیکن غیروں کے الزامات سے متاثر ہو کر ہم حضور پاکؐ کے سلسلہ میں بھی خواہ مخواہ تذبذب میں پڑ جاتے ہیں اور حضور پاکؐ کی بعض حدیثوں کو کھل کر بیان کرتے وقت کچھ شرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضور پاکؐ کی ایک حدیث ہے یا واقعہ ہے کہ آپؐ نے اپنی ازواجِ مطہرات، خوشبو اور نماز سے محبت کی۔

اب حضور پاکؐ کی اپنی ازواجِ مطہرات سے محبت نے عورت کی شان کو چار چاند لگا دیئے کہ عورت دنیا کی حسین ترین چیز ہے، اور اسلام کے لحاظ سے عورت کی خوبصورتی اس کے شرم و حیا اور شرم و حیا کے تحت ہر ادا میں ہے اور حضور پاکؐ نے اپنی ازواج سے محبت کر کے امت کے لئے ایک پاکیزہ راستے کی نشاندہی کی۔ دراصل یہ واقعہ ایسا تھا کہ حضور پاکؐ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اُس وقت تک جناب فاطمہ الزہراؓ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور آپؐ بھی جناب عائشہؓ کے ساتھ رہتی تھیں۔ آپؐ اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں۔ جناب عائشہؓ نے حضور پاکؐ کو عطر یا خوشبو پیش کی۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا: "میری تین محبوب ترین چیزیں یہاں موجود ہیں" یعنی اول جناب عائشہؓ جو آپؐ کی زوجہ محترمہ تھیں اور آپؐ کو محبوب تھیں۔ دوم خوشبو جو جناب عائشہؓ نے انہیں پیش کی۔ اور سوم آپؐ کی بیٹی فاطمہ الزہراؓ جو

آپ کو بہت محبوب تھیں۔ وہ چونکہ نماز بھی پڑھ رہی تھیں۔ تو حضور پاکؐ نے فرمایا:  
 ”نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“

چنانچہ ہمارے محدثین نے حضور پاکؐ کی جن تین محبوب چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ  
 عورت، نماز اور خوشبو حضور پاکؐ کو محبوب تھیں تو اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی ہے لیکن  
 ہماری مصیبت یہ ہے، کہ ہمارے لوگ حضور پاکؐ کی اپنی ازواج مطہرات سے محبت  
 کی بات کرتے وقت شرماتے ہیں، اور بڑے عجیب و غریب بیان دیتے ہیں، کہ حضور پاکؐ  
 نے صرف ایک کنواری عورت سے شادی کی۔ باقی شادیاں دلجوئی کے لئے کیں، ضرورت  
 کے تحت کیں اور کچھ غیروں کی اس بات پر بھی ہم چپ کر جاتے ہیں کہ ان شادیوں میں کچھ  
 سیاست تھی اور لوگوں کو ساتھ ملانے کے لئے یہ شادیاں کیں وغیرہ۔ اگر یہ بات صحیح  
 ہوتی، تو حضور پاکؐ انصاری میں بھی شادیاں کرتے، کہ حضور پاکؐ کی سب سے زیادہ  
 مدد انصاری کی۔ اور حضور پاکؐ کو ایسی مدد کی ضرورت تھی۔

رشتوں سے تعلق سونے پر سہاگہ ضرور ہے۔ لیکن اسلام میں اصلی بات اللہ اور  
 رسولؐ والا رشتہ ہے۔ ورنہ ہم تیسری کتاب میں حضرت عثمانؓ کے سلسلہ میں اور اس  
 کتاب میں جنگِ جمل میں رشتہ داری والی بات کا بھر پور بیان کر چکے ہیں کہ رشتے ہر جگہ  
 بہت گہرے تھے۔ لیکن وہاں اصولِ حبِّ اللہ اور بغضِ اللہ تھا۔ اور حضور پاکؐ کی  
 شادیوں میں چند خوش قسمت عورتوں کو یہ شرف حاصل ہوا، کہ وہ اللہ کے حبیبؐ کی  
 زوجہ محترمہ بنیں۔ اور آج امہات المؤمنینؓ یعنی امت کی مائیں کہلاتی ہیں حضور پاکؐ  
 نے عورت کی ذات کو یہ شرف بخشا۔ اور اس کو محبت کے ذریعہ سے، وہ مقام عطا  
 فرمایا، جس کی وہ ازل سے حق دار تھی۔ لیکن جاہلیت یا باطل والوں نے عورت کو صرف  
 دنیا اور کھلونا سمجھ رکھا تھا۔ بے شک عورت، دنیا کا دوسرا نام ہے، اور وہ دنیا کی  
 حسین ترین چیز ہے اور ہر عورت حسین ہے۔ لیکن اسلام نے اس حسن کو شرم و حیا  
 عزت، غیرت اور اصولوں کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ازدواجی رشتہ کو قانونی حیثیت



دی۔ لونڈیوں یا ام ولد کو وہ عزت بخشی کہ اولاد ہوجانے کے بعد ان کو بھی وہی برابری حاصل ہوگئی۔ اور آہستہ آہستہ کینزوں یا لونڈیوں والا معاملہ خود بخود ختم ہو گیا بہر حال اسلام کسی کثرت ازدواج کے اصول کو اپنانے کے لئے کوئی زور نہیں دیتا۔ حضور پاکؐ کی مثال عطا اور شرف کے طور پر دی گئی کہ عورت کو مقام مل گیا۔ امام حسنؑ چونکہ حضور پاکؐ کے ہم شکل تھے، تو عورتوں نے ان کے ساتھ شادی کرنا ایک سعادت سمجھی۔ لیکن اس سے کثرت ازدواج کی نہ حوصلہ افزائی ہوئی اور نہ راہ نکلی کہ اسلام ازدواج میں برابری اور انصاف کا علمبردار ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ اگر انصاف یا برابری نہ کر سکو تو دوسری شادی بھی نہ کرو۔

## خلافتِ راشدہ یا نظامِ مصطفیٰ<sup>۱</sup>

عملی طور پر خلافتِ راشدہ کا یہ آخری باب ہے کہ اگلے باب میں ہم سنتہ الجماعت اور خلافتِ راشدہ کے زمانے کی حکمتِ عملی کے عطیات اور ثمرات کا سرسری ذکر کریں گے۔ ہمارے ہاں آج نظامِ اسلام، قانونِ مصطفیٰ<sup>۱</sup>، نظامِ مصطفیٰ<sup>۱</sup> اور خلافتِ راشدہ کی تلمیحات اور اصطلاحات اکثر زیر بحث رہتی ہیں کہ چودہ سو سال کے بعد اسلام کے نام پر جو ملک بنایا گیا اس میں کیا طریقہ کار رائج کیا جائے۔ نظامِ مصطفیٰ<sup>۱</sup> یا قانونِ مصطفیٰ<sup>۱</sup> وسیع تر معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ کہ قانون بنیادی چیز ہے اور یہ قانون اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کے ذریعہ سے نازل کیا۔ حضور پاکؐ نے اپنی سنت کے ذریعہ سے اس پر عمل کیا اور عمل کروایا۔ چنانچہ سب طریقہ کار کو اگر نظامِ مصطفیٰ<sup>۱</sup> کہہ لیں تو بھی صحیح ہے خلیفائے راشدینؓ کے زمانے میں یہی نظام جاری و ساری رہا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ کا زمانہ آتا ہے، اُس کو کیا نام دین، یہ بحث بڑی لمبی ہو جائے گی۔ لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس زمانے میں نظامِ مصطفیٰ<sup>۱</sup> کسی نہ کسی طرح جاری و ساری رہا۔ بلکہ جناب عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں نظامِ مصطفیٰ<sup>۱</sup> اُس شان سے جاری رہا، کہ

لوگوں نے اس زمانے کو خلافتِ راشدہ کا حصہ قرار دے دیا۔ اس کے بعد چودہ سو سال میں سینکڑوں حکمران ایسے آئے جن کی حکومت میں نظامِ مصطفیٰؐ کے جاری رہنے کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اور ہم تاریخ کے اس بامقصد مطالعہ میں یہی مدعا ذہن میں لئے ہوئے ہیں، کہ ہم اپنے لئے تاریخ میں سے ایسے نشانِ راہ تلاش کریں۔

چنانچہ خلفائے راشدینؓ کا زمانہ واپس نہیں آسکتا۔ اور تعلیمات کے چکر میں پڑنے کی بجائے ہمیں خلفائے راشدینؓ کے نزدیک ترین زمانے میں کچھ نہ کچھ نشانِ راہ مل جائے گا، کہ وہی حکمتِ عملی جاری تو رہے۔ اس لئے اگلا باب ان نشانات کا سرسری ذکر ہے۔

## نتائج و اسباق

۱۔ یہ دونوں ابواب کئی لحاظ سے بڑے اہم ہیں، کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ ایک زمانہ ہر لحاظ سے اوجھل ہو گیا۔ حضورِ پاکؐ کے صحابہ کرامؓ میں سے بھی مشہور ہستیاں وفات پا چکی تھیں۔ اب چند صحابہ کرامؓ باقی رہ گئے۔ اور زیادہ تر عظیم صحابہ کرامؓ کے فرزند تھے اس لئے آنے والے بیس سال بھی اچھی طرح سے گزر گئے۔ اور بعد میں زیادہ خرابیاں پیدا ہوئیں۔

۲۔ حضرت علیؓ نے جو اسلام کے مرکز کو سہارا دیا، اس کو قائم رکھا۔ اور جن حالات میں وہ ایسا کر سکے، یہ انہی کی عظمت تھی کہ ایسا ہو سکا۔

۳۔ دار الخلافہ کی تبدیلی میں حکمتِ پہناں تھی، کہ آپ ایسا کر سکے تو اوروں کو بھی ہمت ہو گئی کہ اسلام کے مرکز بعد میں دمشق، بغداد، قاہرہ یا قسطنطنیہ میں بھی رہے۔

۴۔ جناب علیؓ کی شان کو سمجھنے کے لئے اس باب کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ کہ قوم اگر جناب علیؓ کی شان کے بارے میں متفق ہو جائے، تو ہمارے کئی تفرقے مٹ سکتے ہیں۔ اور اس میں کچھ مشکل نہیں۔ ہمارا دین وہی ہونا چاہیے جو ان کا تھا۔ اصحابِ ثلاثہؓ کے بارے میں بھی ہمارا وہی رویہ ہونا چاہیے، جو حضرت علیؓ کا تھا۔ اور دشمنوں یا حق و باطل کے سلسلہ میں بھی جناب علیؓ کی پیروی کر کے ہم اپنے سب تفرقے مٹا سکتے ہیں۔

۵۔ ان دونوں ابواب میں ہمارے لئے بے شمار اسباق ہیں، جو ساتھ ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یا اشارے موجود ہیں کہ آزادی فکر یا خارجیوں کے طور طریقوں نے اسلام کو بڑے نقصان پہنچائے اور ہمیں موجودہ زمانے میں بھی ایسے "دانستروں" کی افلاطونی سے بچنا چاہیے، جو خارجیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

۶۔ حبّ الدنیا، خود غرضی، سازش، مطلب پرستی وغیرہ نے اسلام کے مرکز کو کمزور کیا۔ اور وقت آ گیا تھا، کہ قبصر روم، شام پر حملہ کر دیتا۔ لیکن جناب علی رضی اللہ عنہ نے اُس زمانے میں امیر معاویہؓ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی بجائے اُن کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ہمیں یہ نکتہ سمجھنا چاہیے کہ اپنوں اور غیروں میں تمیز کر سکیں۔

۷۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے روکھی، سوکھی روٹی پر گزارہ کیا۔ اور صرف سات سو درہم کی پونجی چھوڑی اور وہ بھی ایک خادم خریدنے کے لئے اکٹھی کر رہے تھے۔ اسی ایک بات میں ہمارے لئے کئی اسباق ہیں۔ لیکن جناب علیؓ کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اپنی شہادت کے لئے قاتل کو چھوڑ کر کسی اور سے قصاص نہ لینے کی سختی سے ہدایات کیں۔ کہ یہ پہلو امت میں وہ تفرقہ نہ ڈالے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت یا اس سلسلہ میں قصاص کے طلب کی وجہ سے ہوا۔ ہر مسلمان کی اصل وارث اُمت یا حکومت ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ حکومت از خود اللہ اور رسول کے احکام کی پیروی کرتی ہو۔

## چھٹا باب

### خلفائے راشدینؓ کی حکمتِ عملی

#### عطیات و ثمرات

#### سنۃ الجماعت

خلفائے راشدینؓ کے زمانے کے واقعات امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہم کوئی مزید جائزے پیش نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف جاری حکمتِ عملی کے عطیات و ثمرات کا سرسری ذکر کریں گے۔ ۴۱ ہجری کو سنۃ الجماعت کہتے ہیں اور اس لفظ کی اسلام کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے۔ اس سلسلہ میں حضور پاکؐ از خود پیشگوئی فرما گئے تھے۔ کہ میرے اس بیٹے یعنی امام حسنؓ کی وجہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان میں صلح ہوگی اور اس سے اسلام کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ یہ صلح کیسے واقع ہوئی۔ اُس کے کیا اثرات ظاہر ہوئے۔ دشمنیاں کیسے ختم ہوئیں۔ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھیوں یا ان کی اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ اولاد علیؓ یا حضرت علیؓ کے باقی ساتھیوں کا جناب معاویہؓ کے ساتھ رویہ کیا تھا۔ پرانی حکمتِ عملیوں کو کس طرح جاری و ساری کیا گیا، اُس کے نتائج کیا نکلے۔ فتوحات کو کتنی وسعت ملی۔ وغیرہ ایسے معاملات ہیں جو ایک پوری کتاب کا مضمون ہیں۔ لیکن اگر ساتھ جائزے بھی پیش کئے جائیں تو یہ ایک بہت بڑا مضمون ہے۔ لیکن ہم یہاں پر با مقصد مطالعہ کے بعد چند سرسری اور عملی ذکر کریں گے۔ کہ عملی نتائج کیا نکلے۔ امیر معاویہؓ نے خلافت کے ساتھ وحدت اور مرکزیت کو کیسے دوبارہ قائم کیا امارت کا اسلامی پہلو کیا ہے اور یہ اتنا بڑا مضمون ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے کے با مقصد مطالعے کا نچوڑ ان میں سالوں میں ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ خلفائے راشدینؓ جیسی ہستیاں تو پھر واپس نہیں آسکتیں

عام مسلمانوں کا طرز کیا ہونا چاہیے۔ اور کیا سائج نکل سکتے ہیں۔

## امام حسنؓ کا رویہ

ہم امام حسنؓ کے سلسلہ میں تفصیلی تبصرہ پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں، کہ خلافت، امارت، میدان جنگ یا دنیا کے باقی معاملات کے بارے میں ان کا کیا رویہ تھا۔ اور آپؓ خلافت سے دستبردار ہونے کو تیار تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ کیا اگر یزید بن معاویہؓ کی قسم کا کوئی آدمی مقابلے میں ہوتا، تو کیا پھر بھی امام حسنؓ خلافت سے دستبردار ہو جاتے؟ اکثر لوگوں نے امام حسنؓ کی امن پسندی کے تحت جائزہ پیش کیا ہے، کہ امام حسنؓ، ایسا برداشت کر لیتے، کہ کئی عظیم صحابہؓ کے فرزندوں مثلاً عبداللہ بن عمرؓ یا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے برداشت کر لیا۔ اول تو وہ حالات بھی مختلف تھے، اور دوم عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یزید کو خلیفہ تسلیم نہ کیا۔ لیکن امام حسنؓ کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار بالکل صحیح نہیں۔ یزید کے سلسلہ میں امام حسنؓ کا رویہ، امام حسینؓ سے بھی سخت ہوتا اور یہی رسول پاکؐ کے نو اسوں کی شان ہے۔ کہ یہ چیز ان کو باقیوں سے اتم رکھتی ہے۔ دونوں بھائی جلال و جمال میں بالکل ایک جیسے تھے۔ اور امیرؓ کے سلسلے میں امام حسینؓ بھی وہی کرتے اور کیا جو ان کو عظیم بھائی نے کیا۔ اور اس کا آگے چل کر ہم عملی ثبوت پیش کریں گے۔

## امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری

بے شک اپنے نزدیک ولے تمام ساتھیوں کو اطلاع دے کر اور ان کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ہی جناب امام حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنے اُمرا کو جائز حقوق دلوائے۔ ساتھ ہی امیر معاویہؓ سے وعدہ لیا کہ وہ امام حسنؓ کے قریبی ساتھیوں کے ساتھ بہتر برتاؤ اختیار کریں گے۔ جن لوگوں نے امیر معاویہؓ کے خلاف جنگوں میں بھرپور حصہ لیا، ان پر عتاب نہ کریں گے۔ آگے چل کر ہم عملی طور پر واضح کریں گے کہ امیرؓ نہ صرف اپنی ان باتوں پر قائم رہے، بلکہ سب مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت علیؓ کے

کئی خاص فرمانبردار لوگ، امیر معاویہؓ کے دستِ راست بھی بن گئے۔ اس لئے یہ روایات جن کا مختصر طور پر پچھلے باب میں ذکر تھا، کہ خلافت سے دستبرداری، امام حسنؓ کا ذاتی فعل تھا، بالکل غلط ہیں۔ اور بعد میں تفرقہ بڑھانے والوں نے کئی کہانیاں گھڑیں اور وہ لوگ یہاں تک چلے گئے کہ امام حسنؓ کو خلافت سے دستبرداری نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور افسوس ایسے لوگ حضور پاکؐ کا، اس سلسلہ کا فرمان بھی بھول گئے۔

امیر معاویہؓ، سب کچھ جانتے تھے۔ اُن کو دونوں رسول پاکؐ کے نواسوں کے رویوں کی خوب خبر تھی۔ انہوں نے امام حسنؓ کو جو ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے بھیج دیئے، کہ اُن کو امام حسنؓ کی تمام شرائط منظور تھیں، اُس کاغذ کے ساتھ ایک خط بھی تھا، جس میں امیر معاویہؓ نے لکھا کہ وہ امام حسنؓ کے ساتھ خلافت کے سلسلہ میں کوئی جنگ کرنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن اُن کو بتایا، کہ یہ دنیاوی معاملات بڑے عجیب و غریب ہیں۔ یہ امارت کا سلسلہ اس دنیا میں اب اس طرح نہیں چلے گا، جیسا جناب صدیقِ رضی اور جناب فاروقِ رضی کے زمانے میں چلا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے آخری دنوں، اور جناب علیؓ کی خلافت کی مثال بھی دی، کہ لوگوں کا اُن کے ساتھ کیا رویہ تھا۔ یہ حکومت اور یہ سیاست عجیب و غریب صورت اختیار کر چکی ہے اور امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ کو گزارش کی، کہ آپ اپنے آپ کو ان مشکل باتوں سے داغ دار نہ کریں۔ وغیرہ

قارئین! ہم یہاں پر صرف چھوٹا سا تبصرہ کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا، کہ اُس کے حبیبؐ کی اولاد کو حکومت کے معاملات سے داغ دار نہ کیا جائے۔ ورنہ حق کے لحاظ سے لوگ ضروری طور پر انہی کو اُمت کا وارث قرار دیتے۔ لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کے کئی راز تھے۔ کہ اول حضور پاکؐ کی ساری اُمت آپؐ کی وارث ہے۔ اور حضور پاکؐ کے نواسوں کی اولاد، کو دنیا کی بادشاہی بے شک نہ ملی۔ لیکن وہ پھر بھی بادشاہ کہلاتے ہیں۔ اور آج بھی تمام سادات کو لوگ "شاہ جی" کے پیارے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

جناب فاروقِ اعظمؓ نے جب رائے شماری کرائی تو سب سے اوپر حضور پاکؐ کی اولاد کے نام لکھوائے اور پھر باقی ہاشمیوں کے یعنی حضور پاکؐ کے پردادا کی اولاد کو

حضور پاک کی وجہ سے یہ شرف دیا۔ حضرت جنیدؒ بغدادی پہلوانی کرتے تھے ایک کشتی میں حضور پاکؐ کے نواسوں کی اولاد سے ایک پہلوان کے ساتھ مقابلہ آگیا۔ اُس پہلوان نے کان میں کہہ دیا کہ وہ اولادِ رسولؐ ہے۔ تو جناب جنیدؒ جھٹ زمین پر لیٹ گئے۔ اور پھر اُن کے سامنے دنیا روشن ہو گئی۔ جناب اورنگ زیبؒ جب اپنے بیٹوں یا عاملوں کو خط لکھتے تھے تو ساتھ لکھتے تھے، کہ تمہاری عملداری میں جو سادات ہوں، اُن کی حد سے زیادہ عزت کرو اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ عزت قائم و دائم ہے۔

### دستبرداری کے عملی اور فوری نتائج

جناب امیر معاویہؓ اور امام حسنؓ کے درمیان جو معاہدہ ہوا۔ اُس کی شرائط پر ہم تبصرہ پہلے کر چکے ہیں۔ ہم معاہدہ کی شرطوں کی تفصیل میں نہ جائیں گے، کہ وہاں پر کچھ اختلافات ہیں کچھ لوگوں نے کہا، کہ امیر معاویہؓ اپنی بات پر قائم نہ رہے۔ کسی نے کہہ دیا، کہ امام حسنؓ نے صرف اپنے ذاتی فائدہ کو ترجیح دی۔ ہمارے لحاظ سے یہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ اور ہم عمل سے یہ واضح کریں گے، کہ امیر معاویہؓ تمام شرطوں پر قائم رہے۔

ایک حدیث مبارکہ کا ذکر آتا ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا۔ کہ میرے صحابہؓ کی راحت معاویہؓ تک ہے، اس کے بعد راحت نہیں، اور عرب کی راحت ہشام تک ہے اُس کے بعد وہ راحت نہیں، عملی طور پر یہ حدیث مبارکہ صحیح ثابت ہوئی، اس لئے لوگ بس کو ضعیف نہیں کہتے۔ کہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں حضور پاکؐ کے صحابہؓ کی بڑی عزت رہی۔ بعد میں حالات خراب ہو گئے۔ اس طرح ہشام بن عبد الملک کے زمانے کے بعد بنو امیہ کا زوال شروع ہوا۔ اور عباسیہ کے زمانے میں خراسانی یا برمکی اور ترک یا باقی عجم کے لوگ ہر جگہ چھا گئے۔ اور عرب کے رہنے والوں کے لئے وہ راحت نہ رہی۔ اس سب میں شاید مشیتِ ایزدی بھی تھی۔ کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہ سکتے،

یہاں پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں، کہ اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے۔ شاید امیر معاویہؓ مدت سے حکومت یا خلافت کا خیال اپنے دل میں لئے ہوئے ہوں۔ جناب علیؓ اور اُن کے درمیان

جو کچھ ہوا۔ وہ ہم اسی طرح بیان کر آئے ہیں۔ سخت الفاظ جو استعمال ہوئے وہ اسی طرح لکھے۔  
 بغاوت کا ذکر بھی کر دیا۔ لیکن وہ ہم زمانہ تھے اور جو کچھ ہوا وہ امیر معاویہؓ اور ان کے  
 اللہ کے درمیان ہے۔ اب ہم یہ کہیں گے کہ جب امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم  
 کر لیا۔ اور سنتہ الجماعت ہو گیا تو امیر معاویہؓ کے لئے ہمارا رویہ بھی وہی ہونا چاہیے  
 جو حضور پاکؐ کے نواسوں۔ باقی غیر جانبدار صحابہؓ یا حضرت علیؓ کے حواریوں کا تھا۔

### غیر جانبدار صحابہؓ

جناب علیؓ اور امیر معاویہؓ کے زمانے میں لاتعداد صحابہ کرامؓ غیر جانبدار رہے۔ ان میں  
 عشرہ مبشرہ سے جناب سعد بن ابی وقاصؓ، اور جناب سعید بن زید جو فاطمہ بنت خطاب  
 کے خاوند تھے خاص کر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ جناب صدیقؓ کے بیٹے عبدالرحمنؓ، جناب  
 کے بیٹے عبداللہؓ اور ان کے خاندان کے کئی لوگ غیر جانبدار تھے۔ ان کو چھوڑ کر جناب زبیرؓ کے  
 تمام بیٹے، عبداللہؓ، مصعبؓ اور عروہؓ وغیرہ۔ جناب طلحہ بن عبید اللہ کی اولاد اور انصار مدینہ  
 سے بھی کچھ لوگ غیر جانبدار تھے۔ امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی صلح کے بعد، ان سب صحابہ کرامؓ  
 نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان کی بیعت کی۔ بلکہ ان کے ماتحت کئی کام سرانجام دیئے۔

### حضرت علیؓ کے رشتہ دار اور حواری

ہم پچھلے ابواب میں جناب قیس بن سعد بن عبادہ کا ذکر تفصیل سے کر آئے ہیں جناب قیسؓ  
 کے خط اور اس کے سخت الفاظ کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ انہوں نے بھی امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی  
 اور ان سے امیر معاویہؓ نے کوئی باز پرس نہ کی۔ میزبان رسولؐ جناب ابو ایوب انصاریؓ،  
 حضرت علیؓ کے قوی رفیق تھے۔ انہوں نے بھی امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ اور ان کا ذکر لگے  
 تفصیل سے آتا ہے۔ البتہ فارس کا گورنر زیاد بن سمیہ کچھ تذبذب میں تھا۔ اور اس نے گوشہ نشینی  
 اختیار کر لی۔ امیر معاویہؓ نے زیاد کو نہ صرف راضی کر لیا۔ بلکہ اپنا بھائی بھی بنا لیا۔ زیاد کا بڑا بھائی  
 ابو بکرہؓ صحابی تھے اور طائف میں سے بھاگ کر اولین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہی  
 کے بیٹے عبدالرحمن کے ذریعہ سے جناب علیؓ نے زیاد کے ساتھ رابطہ قائم کیا، جس کا ذکر جگہ جگہ



کے بعد ہو چکا ہے۔ اب ابوبکرؓ نے زیاد کو بہت منع کیا، کہ جو کچھ ہو۔ کہ ہم اپنی ماں کے بیٹے مشہور ہیں۔ لیکن اسلام نے ہمیں بہت عزت دی ہے۔ اب کسی کو باپ بنانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن زیاد نہ مانا۔ اور وہ زیاد بن ابوسفیانؓ بن گیا۔

حضرت علیؓ کے باقی رشتہ داروں یعنی بہن ام ہانیؓ کے بیٹوں جناب جعفر طیارؓ کے بیٹوں، عبداللہؓ اور محمدؓ وغیرہ سب نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ اور بنو ہاشم میں سے جناب عبداللہ بن عباسؓ یا حضرت علیؓ کے تمام چچاؤں کے بیٹوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔

### جناب عائشہ صدیقہؓ اور امیر معاویہؓ

قارئین کو یاد ہو گا کہ مصر کو فتح کرنے کے بعد جناب عائشہؓ کے بھائی جناب محمد بن ابوبکرؓ کے ساتھ کیا ہوا اس کا رنج جناب جعفر طیارؓ کے بیٹوں عبداللہؓ اور محمدؓ کو بھی تھا اور جناب علیؓ کے بیٹے یحییٰؓ کو بھی، کہ وہ ان کے اخیانی بھائی تھے۔ لیکن سب زیادہ رنج ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو تھا، کہ وہ ان کے بھی بھائی تھے۔ اس سلسلہ میں امیر معاویہؓ، خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور گزارش کی کہ حالات کی وجہ سے مجبوری تھی۔ چنانچہ جناب عائشہ صدیقہؓ خاموش ہو گئیں لیکن امیر معاویہؓ جب بھی مدینہ شریف آتے تو انہماک المومنین کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور ان کی باتیں سنتے۔ بلکہ صلاح مشورہ بھی کرتے۔

### اہل مدینہ کی باتوں کو برداشت کرنا

جب خلافت سنبھالنے کے بعد امیر معاویہؓ پہلی دفعہ مدینہ شریف گئے تو کچھ انصار اور جہین جو مدینہ سے باہر اپنے کھیتوں میں رہتے تھے۔ وہ امیر معاویہؓ کے استقبال کو نہ آئے۔ کہ ان میں سے اکثر حضرت علیؓ کے ہمدرد تھے۔ امیر معاویہؓ نے اس کی ذرا بھر بھی پرواہ نہ کی۔ اور ایک دعوت کا انتظام کیا، جس میں ان صحابہ کرامؓ یا مہاجرین و انصار کو بھی دعوت دی جو ان کو ملنے نہ آئے تھے۔ ایک آدھ سے امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ آپ لوگ پہلے نظر نہیں آئے

کچھ نے جواب دیا کہ وہ دور زمینوں پر کام میں مصروف تھے؛

امیر معاویہؓ: "کسی سواری کا بندوبست کر لیتے۔"

مہمان: "سواریاں کافی حد تک ختم ہو چکی ہیں۔"

امیر معاویہؓ: "وہ کیسے؟"

مہمان: کچھ اس وقت ختم ہو گئیں جب آپ اور آپ کے والد مدینہ شریف پر حملہ آور ہوتے رہے، کچھ

اب کی خانہ جنگی کی وجہ سے۔ (یہ طنز تھی)

امیر معاویہؓ: (بغیر غصہ کے) پھر آج کل وقت کیسے کاٹتے ہو؟

مہمان: "گوشہ نشینی سے"

امیر معاویہؓ: "بڑا اچھا شغل ہے، اسے قائم رکھو۔"

## وحدت اور مرکزیت

اس کہانی میں کتنی سچائی ہے اس پر تبصرہ کرنا فضول ہے لیکن واقعی حالات ایسے تھے اور قرون اولیٰ کے مسلمان بات منہ پر کر دیتے تھے اور پھر اختلاف ختم ہو جاتے تھے۔ تالی دو ہاتھ سے بھتی ہے۔ زیادہ ذمہ داری حاکم پر ہے اور امیر معاویہؓ نے دنیاوی حاکم کے طور پر بھی بڑی اونچی سیاست کا مظاہرہ کیا اور دین پر بھی زکم رہا۔ امام حسنؓ کی دستبرداری کے عملی نتائج پچھلے چند پیرا گراف میں بیان کر دیئے گئے اب قارئین خود اندازہ لگالیں کہ کتنی وحدت اور مرکزیت آچکی تھی۔

## سیاسی استحکام

اس وحدت اور مرکزیت کی وجہ سے جو سیاسی اور اندرونی استحکام نصیب ہوا اس کا مختصر ذکر ضروری ہے کہ عملی نتائج سامنے آجائیں۔

## مدینہ شریف

امیر معاویہؓ نے مدینہ شریف میں مروان بن حکم کو گورنر بنا کر بھیجا جو حضرت عثمانؓ کے زمانے سے

مدینہ شریف کی ہر اویخ و بیخ کا واقف تھا وہاں پر اگر چند لوگوں نے امیر معاویہؓ کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی تو امیر معاویہؓ نے ان کو آرام کا مشورہ دیا۔ امیر معاویہؓ مدینہ شریف کو سیاسی اکھاڑہ نہ بنانا چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے امیر معاویہؓ نے سبق حاصل کر لیا وہاں صحابہ کرامؓ کی امیر معاویہؓ خود عزت کرتا تھا اور شہادت والوں پر مروان خود نظر رکھے ہوئے تھا لیکن مروان نے ذرا خود مختاری دکھائی تو وہاں پر امیر معاویہؓ نے اپنے بھتیجے ولید بن عتبہ کو گورنر بنا دیا بلکہ سعید بن عاص سابق گورنر کوفہ کو ہمیشہ مدینہ شریف میں رکھا کہ وہ امیر معاویہؓ کو ہر خبر سے آگاہ رکھتا تھا۔

## مصر و افریقہ

حضرت علیؓ کی شہادت سے پہلے ہی امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن عاص مصر کے گورنر بن چکے تھے اور ان کی برقعہ اور طرابلس تک عملداری تھی۔ اس سے مغرب والے علاقے خراج دیتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے عظیم فرزند جناب عبداللہؓ کچھ عرصہ کے لئے گورنر رہے۔ پھر پرانی حکمت عملی کے تحت افریقہ میں مزید فتوحات ہوئیں جن کا ذکر ہم آگے نثرات کے تحت کر رہے ہیں۔

## کوفہ

مشرق میں کوفہ کی گورنری چند سال جناب عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کے پاس رہی بعد میں جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو گورنر بنا دیا گیا کہ وہاں پر کسی مضبوط آدمی کی ضرورت تھی۔ جناب مغیرہؓ کا ذکر اس کتاب اور پچھلی تینوں کتابوں میں کثرت سے ہو چکا ہے۔ آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے دس سال تک کوفہ کی گورنری کی۔ سیاست میں استقامت آئی اور فتوحات بھی ہوئیں جن کا ذکر نثرات کے تحت آگے آتا ہے۔ مغیرہؓ کی وفات کے بعد کوفہ کی گورنری بھی بصرہ کے گورنر زیاد بن سمیہ کے حوالے کر دی گئی۔ زیاد کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبید اللہؓ گورنر بنا جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

## بصرہ

امیر معاویہؓ زیاد کے بائے میں کچھ عجیب تذبذب میں تھے اور ان کو خیال تھا کہ شاید زیاد ہمیشہ

صفحہ ۱۵۲-۱

نقشہ چہارم :- امیر معاویہ کے زمانے میں ۳۸ ہجری سے ۵۵ ہجری تک  
قسطنطنیہ پر لگاتار حملے

شمال

بحیرہ اسود

درہ دانیال

الواہب النصارى  
کی شہادت

آبنائے بلاغوس

اناطولیہ

سلطنت روم

اسلامی سلطنت

۵۳ ہجری

میں مکمل  
قبضہ

انطاکیہ

قبرص

بحیرہ روم

دمشق

امیر معاویہ

کیل

میل



جناب علیؑ کی یاد میں امیر معاویہؓ کو مکمل وفاداری نہ دکھاسکے گا لیکن آخر میں انہوں نے اس کو زیاد بن ابوسفیانؓ بنا دیا۔ حالانکہ کئی لوگوں نے قسم اٹھائی کہ زمانہ جہالت میں ابوسفیانؓ نے زیاد کی ماں سمیہ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی لیکن امیر معاویہؓ نے کہا کہ ایسے کام پوشیدگی میں ہوتے ہیں۔ زیاد ان کے والد کا ہم شکل ہے اور اس کے بعد انہوں نے بصرہ کی گورنری زیاد کے سپرد کر دی کہ وہ خارجیوں پر نظر رکھے پہلے جناب مغیرہؓ نے تین سو خارجیوں کو قتل کرایا لیکن زیاد نے خارجیوں کا ایسا قلع قمع کرایا کہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں کسی خارجی کو سراٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

## حکمتِ عملی کے ثمرات

یہ وحدت اور مرکزیت حاصل کرنے کے بعد اور مکمل اندرونی استحکام کا راستہ اختیار کرنے کے بعد امیر معاویہؓ نے حضور پاکؐ کی تعیین کردہ حکمتِ عملی اور خلفائے راشدین کی اس حکمتِ عملی کو اپنانے کے ثمرات حاصل کرنے شروع کر دیئے۔ اندرونی خلفشار کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا اور حالات ایسی صورت اختیار کر گئے کہ قیصر روم شام پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔

## اہل روم کے ساتھ جنگ

اب نقشہ چہارم پر نظر دوڑائیں۔ یہ اناطولیہ اور ایشیا کوچک کا محاذ ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آرمینیا یا کیشیا کے پہاڑوں میں جارجیا تک جو پیش قدمی ہوئی تھی اندرونی خلفشار کی وجہ سے وہ کاروائی رک گئی۔ ادھر امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جزیرہ قبرص اور رودس پر قبضہ کر رکھا تھا اور مسلمان بحری طاقت ضرور بن گئے تھے لیکن یہاں بھی جمود پیدا ہو چکا تھا اور یہ جمود بڑا خطرناک ہوتا ہے اس لئے امیر معاویہؓ نے اس جمود کو توڑ دیا جس کا مختصر حال کچھ اس طرح ہے۔

## قسطنطنیہ کی دیواروں تک

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ۴۷۰ ہجری سے ۵۲ یا ۵۵ ہجری تک مسلمان تقریباً سات سال قسطنطنیہ کو فتح

کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ کچھ نے یہ بھی لکھ دیا کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ یہ بات صحیح نہیں البتہ مسلمان لگاتار سات سال تک قسطنطنیہ کی دیواروں کے سامنے رہے لیکن ایسا اکثر گرمیوں کے موسم میں ہوتا تھا۔ سردیوں میں مسلمان جزیرہ رودس میں واپس آجاتے تھے اور ۵۲ ہجری میں وہاں پر ایک پکی چھاؤنی بھی بنائی کہ سردیوں میں بہتر طور پر آرام کر سکیں۔

بہر حال قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی مسلمانوں کی یہ پہلی کوشش تھی۔ ویسے ایسی فتح میں پورے سات سو سال لگ گئے اور آخر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) غازی سلطان محمد فاتح کے عہد میں ۱۴۵۳ میں فتح ہوا۔ حضور پاکؐ نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے کے لئے جنت کی بشارت دی تھی اس لئے خلیفہ اول کے زمانے سے مسلمان مجاہدین شام اور روم کے علاقوں کی افواج میں شامل ہو کر دراصل قسطنطنیہ کی فتوحات میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قسطنطنیہ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب قدرتی دفاع عطا کیا تھا۔ کئی طرف سمندر تھا پھر خشکی اور بیچ میں کھاڑیاں، علاوہ آبنائے فاسفوس یا درہ دانیال کے علاقے دو سمندروں یعنی بحیرہ اود اور بحیرہ روم کو آپس میں ملاتے تھے۔ ایک طرف اناطولیہ یا ایشیا کوچک کا جزیرہ نما اور دوسری طرف یورپ یا جزیرہ نابلقان کے ایک حصہ جس پر قسطنطنیہ کا شہر واقع تھا اور وہاں پر خود گیلی پولی یا کئی اور چھوٹے چھوٹے جزیرہ تھے جن میں جزیرہ نما آڈرینوپل خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سلطان محمد فاتح نے بھی خشکی پر بحری جہاز چلا کر یہ شہر فتح کر لیا اور دنیا کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی بارود کا اتنا بھرپور استعمال نہ ہوا تھا کہ اہل یورپ چلا اٹھے کہ دنیا ختم ہونے والی ہے۔ اور سلطان محمد فاتح کا یہ حملہ ایشیا سے نہ تھا بلکہ کئی سال پہلے اس کے آباؤ اجداد یا پیش رو یورپ یا بلقان کے بڑے حصے پر قابض تھے لیکن قسطنطنیہ کو فتح نہ کر سکے تھے۔

ان تمام سات سو سالوں میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے یا قسطنطنیہ کے دفاع کے سلسلہ میں اہل یورپ نے جو کارروائیاں کیں اگر ان کا ذکر کیا جائے تو ایک کتاب میں بھی کہانی ختم نہ ہوگی اور یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو سلام کرتے ہیں کہ، تم ہجری میں وہ قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے۔

## زمینی اور موسمی حالات کی رکاوٹیں

دراصل انطاکیہ اور طرس کے شہروں کو فتح کرنے کے بعد مسلمان اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ پہاڑی رکاوٹوں کی وجہ سے اور ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع کی وجہ سے مسلمان سائے ایشیا کو چمک پر قبضہ نہ رکھ سکیں گے۔ پھر موسمی حالات ایسے تھے کہ گرم علاقوں کے رہنے والے لوگ سردیوں میں ان خشکی کے علاقوں میں نہ رہ سکتے تھے جو موجودہ ترکی یا اناطولیہ کا حصہ ہیں اور ان علاقوں میں آباد ہو کر شاید مسلمانوں کی دوسری یا تیسری نسل خشکی کے علاقوں یعنی موجودہ انگریز یا برسرہ وغیرہ کی طرف پیش قدمی کر سکے پھر ان علاقوں پر قبضہ رکھنے کے لئے لوگوں کو ایسی آب و ہوا کا عادی ہونا چاہیے چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

## حضور پاک کا فرمان اور دعوت جہاد

البتہ قسطنطنیہ کے سلسلہ میں حضور پاک کے فرمان پر سب مسلمان دل و جان سے قربان تھے اور اس سلسلہ میں جب بھی جہاد کی دعوت ملتی، مسلمان تیار ہو جاتے خشکی کی طرف سے حمص کے گورنر جناب عبدالرحمن بن خالد بن ولید اور جناب عبدالرحمن بن سعید ۲۲ ہجری سے اناطولیہ کے علاقوں پر حملہ پر حملہ کر رہے تھے اور متعدد مسلمان مجاہدین ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے لیکن ۲۴ ہجری سے جناب سفیان بن عوف ازدی کے ماتحت مسلمانوں نے جزیرہ رودس سے آگے بڑھ کر سیدھا قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا جس کو نقشہ چہارم میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے لئے جو جہاد کی دعوت دی گئی تو مکہ مکرمہ اور مدینہ شریف سے بھی متعدد مجاہدین دمشق پہنچ گئے کہ وہ ایسے جہاد میں ہر وقت شرکت کے لئے تیار تھے۔ لیکن حالات کا پورا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین باری باری جاتے تھے اور لشکر کے سپہ سالار بھی تبدیل ہوتے رہتے تھے کہ جناب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی سپہ سالار بنا کر وہاں بھیجنا چاہا لیکن یزید مال گیا کہ اس نے سنا تھا کہ وہاں بڑی تکلیف ہوتی تھی اور کسی مسلمان ہتھیادہئے تھے۔ اس سلسلہ میں یزید نے کچھ شعر بھی کہے جن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

”مجھے لڑنے کی مطلق پرواہ نہیں کہ لشکر کو ان علاقوں میں سختی اور بد بختی کا سامنا ہوا جب کہ میں قالیسوں پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوں اور میرے پاس ام کلثوم ہے۔“

ام کلثوم یزید کی بیوی تھی جو عبداللہ بن عامر سابق گورنر بصرہ کی بیٹی تھی اور انہی دنوں میں یزید کی شادی ہوئی تھی۔

جناب معاویہؓ کو جب یہ خبر ملی تو آپؓ نے یزید کو بھی زبردستی اس طرف بھیج دیا اور اسی زمانے میں جہاد کے شرکاء کو معلوم ہوا کہ یزید عیاش اور شرابی ہے۔

## جہاد کے شرکاء

ان سات سالوں میں کسی ہزار کے لشکر قسطنطنیہ کے نزدیک پہنچ جاتے تھے اور جیسا کہ نقشہ جہاد میں دکھایا گیا ہے وہ سمندری راستہ استعمال کرتے تھے لیکن قسطنطنیہ کو فتح کرنا مشکل تھا کہ مسلمان صرف ایک طرف سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے شہر کے مکمل محاصرہ کی ضرورت تھی جس کے لئے کم از کم ایک لاکھ فوج کی ضرورت تھی اور اس کے بعد قلعہ توڑ ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ مسلمانوں کے پاس صرف جذبہ جہاد تھا اور آدمی حیران ہوتا ہے کہ اہل روم ان پر حملہ کر کے ان کو سمندر میں کیوں نہ پھینک دیتے تھے۔ کون کس زمانے میں سپہ سالار تھا اور عظیم صحابہؓ میں سے کون کس زمانے یا سنہ ہجری میں گیا۔ ان کی تفصیل نہیں ملتی اور مغربی مورخین بھی جنگ کی کاروائی کے سلسلہ میں خاموش ہیں اور ہم بھی اپنے مختصر مطالعہ میں صرف اسی پر اکتفا کریں گے کہ اس جہاد میں میزبان رسولؐ جناب ابو الیوب انصاریؓ کے علاوہ جناب عبداللہ بن عباسؓ، جناب عبداللہ بن زبیرؓ، جناب عبداللہ بن عامر اور جناب امام حسینؓ کی شرکت کا ذکر ہے۔ جناب امام حسنؓ اس زمانے میں فوت ہو چکے تھے اور ممکن ہے کہ اور عظیم صحابہؓ کے فرزندوں نے اس جہاد میں شرکت کی ہو لیکن ہمیں مختصر تحقیق سے مطلب ہے اور وہ یہ ہے کہ سنہ الجماعت اور مرکزیت کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی حکمت عملی کے وہ ثمرات ملنے شروع ہو گئے کہ انہوں نے قیصر روم کے گھر کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کر دیئے۔ دوم غیر جانبدار صحابی جناب عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ جناب عبداللہ بن عباسؓ اور امام حسینؓ کی اس جہاد میں



شرکت ہمارے اس جائزہ کو طاقت دیتی ہے کہ مسلمانوں نے ۴۱ ہجری میں تمام اختلافات ختم کر دیئے  
اختلاف کرنے والے کہتے ہیں کہ امام حسینؑ، امیر معاویہؓ کے زمانے میں جہاد میں کبھی شرکت نہ کرتے  
تو ہمارا جواب ہے کہ وہ تو یزید کے زمانے میں بھی سرحدوں پر جہاد کرنے کے لئے تیار تھے جس کا  
ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

## میزبان رسولؐ کی قبر

ہاں البتہ میزبان رسولؐ جناب ابو ایوب انصاریؓ نے اسلام کی پہلی ہی صدی کے آدھے  
میں قسطنطنیہ پر اسلام کی مہر ثبت کر دی۔ آپؐ ایک حملہ میں شہید ہو گئے۔ آپؐ کا فرمان تھا کہ آپؐ  
کو قسطنطنیہ کی دیوار کے نزدیک سے نزدیک لے جا کر دفن کیا جائے اور مسلمانوں نے ایسا ہی کیا بلکہ رات  
ہے کہ ایسا کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایک بھر پور حملہ کرنا پڑا۔ آپؐ کی قبر وہاں پر سات سو سال اسی  
طرح قائم رہی گو اس زمانے میں مسلمانوں کی باقی مہمات بھی وہاں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکیں  
اس سلسلہ میں جو مہمات بھی گئیں ان میں جناب بسر بن ارطاہ اور جناب فضالہ بن عبید کی  
مہمات قابل ذکر ہیں۔ بہر حال ۱۲۵۲ میں سلطان محمد فاتحؒ نے آپؐ کی قبر کو موجودہ مزار کی شکل دی  
اللہ کی شان ہے کہ یورپ کے باقی علاقوں یعنی ایک طرف سپین اور دوسری طرف بلقان کے کئی علاقوں  
میں قسطنطنیہ کی فتح سے بہت پہلے اسلام کے جھنڈے لہراتے رہے۔ وہاں سب جھنڈے اتر چکے  
ہیں لیکن جہاں میزبان رسولؐ دفن ہیں۔ وہاں آج بھی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام بلند ہو رہا ہے۔

## مغربی محاذ کے باقی ثمرات

اب تہمتہ پنجم کا مطالعہ کریں اور سائے مغربی محاذ یعنی شام، فلسطین، اناطولیہ، مصر اور  
افریقہ کے علاقوں پر دھیان دیں کہ حکمت عملی کے پھل کے طور پر مسلمان قسطنطنیہ کے علاوہ جزیرہ کریٹ  
اور سسلی کے علاقوں پر بھی حملے کر رہے تھے۔ علاوہ افریقہ کے محاذ پر طرابلس سے آگے بڑھ کر بحیرہ اوقیانوس  
میں بھی گھوڑے ڈال دیئے۔ اس لئے افریقہ کی فتوحات کا مختصر ذکر ضروری ہے۔

## افریقہ کی فتوحات

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مجاہدین یونس تک کے علاقے فتح کر چکے تھے لیکن مسلمانوں کا قبضہ صرف طرابلس تک تھا جب مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تو مصر اور افریقہ میں بھی خاموشی ہو گئی لیکن سن۶۰۰ الجماعت کے بعد جناب عقبہؓ بن نافع نے فسطاط کی چھاؤنی میں ایک لشکر جوار تیار کیا اور ڈیڑھ ہزار کے میل کا سفر طے کر کے وہ سبیلہ کے مقام تک پہنچ گئے۔ سبیلہ کا ذکر تیسری کتاب میں موجود ہے کہ وہاں پر جنگ ہوئی تھی۔ اب جناب عقبہؓ بن نافع کی افریقہ کی فتوحات کے پورے واقعات ہماری تحقیق سے باہر ہیں اور ہم مختصر طور پر صرف یہ لکھیں گے کہ قیروان کی چھاؤنی کی آپ نے بنیاد رکھی

## قیروان کی چھاؤنی

جناب عقبہؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک کوفہ، بصرہ اور فسطاط کی طرح شمالی افریقہ میں کوئی چھاؤنی نہیں بنائی جاتی، اس علاقہ پر قبضہ قائم نہیں رہ سکتا چنانچہ آپ نے ۲۹ ہجری میں قیروان کی بنیاد رکھی۔ روایت ہے کہ یہ بالکل جنگل تھا۔ اس علاقے میں جنگلی جانوروں، سانپوں اور کچھوؤں کی اتنی بہتات تھی کہ ان کے ڈر سے لوگ اس علاقے میں قدم نہ رکھتے تھے چنانچہ جناب عقبہؓ نے سب صحابہ کرامؓ اور ان کے بیٹوں کو اکٹھا کیا یعنی وہ تمام لوگ جنہوں نے حضور پاکؐ کی زیارت کی ہوئی تھی ان کو اکٹھا کیا اور ان کی تعداد کوئی ستر کے قریب بنتی تھی ان سب نے ایک مقام پر نوافل ادا کئے جہاں چھاؤنی بنانے کا ارادہ تھا۔ اس کے بعد جناب عقبہؓ اس علاقے کی ایک اونچی جگہ یا ٹیکری پر کھڑے ہو گئے اور سب صحابہ کرامؓ کو عرض کی کہ میں اس علاقے کے جنگلی جانوروں کو ایک پیغام دے رہا ہوں۔ میں یہ پیغام اونچی آواز میں دوں گا اور آپ بھی میری نقل میں اس پیغام کو دہرائیں۔ پیغام یہ تھا:

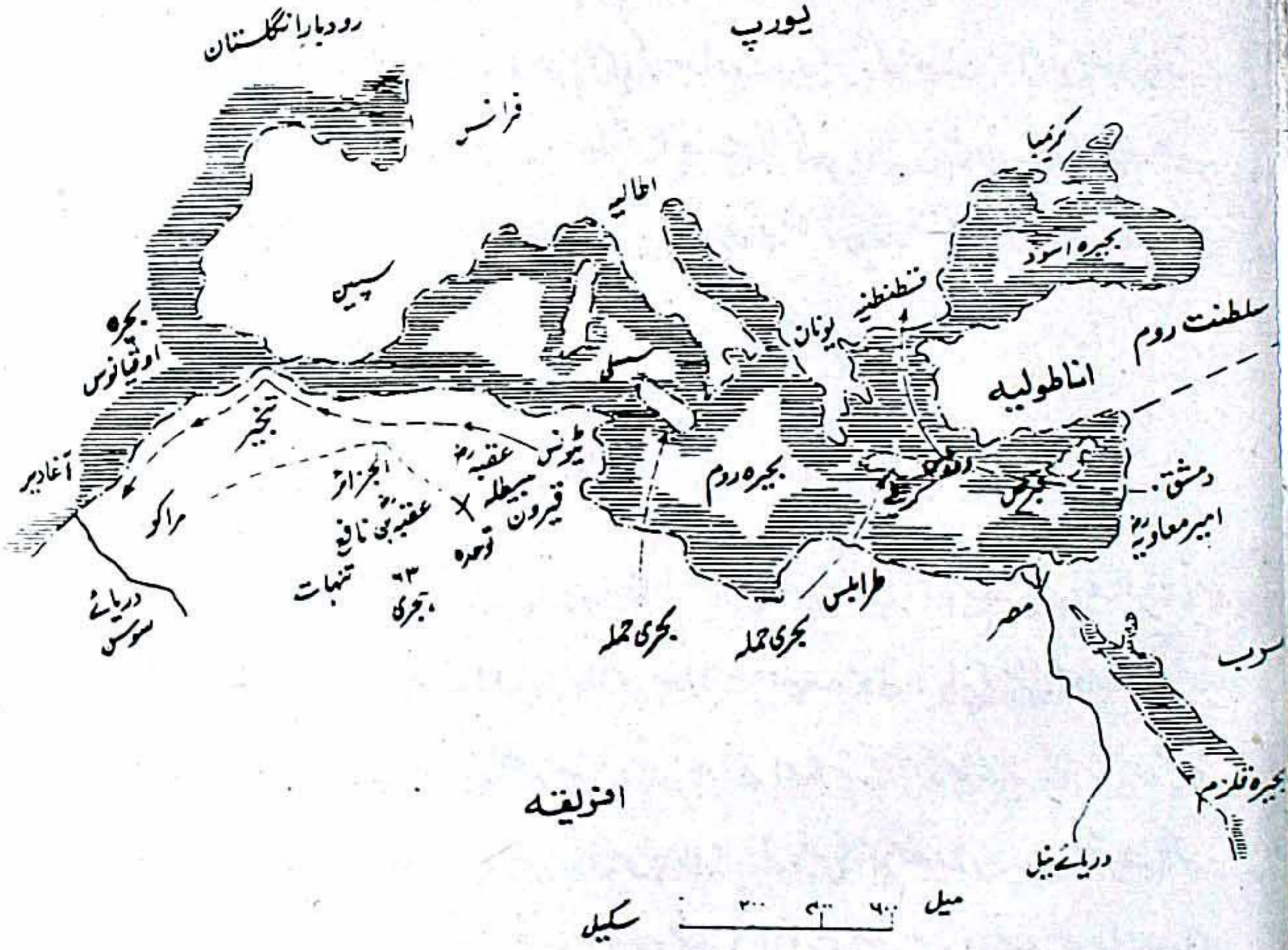
”اے چرند اور پرندو! میں آپ سے مخاطب ہوں اور خاص کر ان سے جو انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے حبیب کے صحابہ کرامؓ نے آیا ہوں۔ ہم یہاں پر ٹھہرنے

مغربی محاذ

نقشہ پنجم :- امیر معاویہؓ کے زمانے اور چند سال بعد ۴۱ ہجری سے ۴۳ ہجری تک

شمال

افریقہ اور یورپ میں مسلمانوں کی کارروائیاں اور مہمات



کے لئے ایک پکا پڑاؤ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو سات دنوں کی مہلت دیتے ہیں کہ ان دنوں میں اپنے بچوں اور انڈوں وغیرہ کو لے کر (اب جناب عقبہؓ نے حدود کا تعین کیا جیسا ہم فوجی زبان میں کرتے ہیں کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک) تمام علاقے کو خالی کر دو اور کسی اور جگہ رہائش اختیار کرو اور تمہارے جو ساتھی یہاں نہیں ہیں ان تک بھی ہمارا یہ پیغام پہنچا دو:

روایت ہے کہ سات دنوں کے اندر تمام جنگلی جانور وہ علاقہ خالی کر گئے۔ صحابہ کرامؓ اور باقی لشکر والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کچھ جانور اپنے بچوں کو اپنے اوپر لاد کر اس جگہ کو خالی کر رہے تھے بلکہ چھاؤنی بن جانے کے بعد بھی کسی سال تک کسی آدمی نے بھی چھاؤنی کے علاقے میں کوئی سانپ یا بچھڑ دیکھا۔ یعنی صحابہ کرامؓ کی شان کو چرند اور پرند بھی سمجھتے تھے۔ حضور پاکؐ نے لوگوں کو آگاہ کیا ہوا تھا اور صحابہ کرامؓ کے سامنے حضور پاکؐ کی قدم بوسی کی سعادت ایک ہرنی کو نصیب ہوئی تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ ہر پرندہ یا چرندہ ایسی سعادت حاصل کرنا چاہے گا لیکن یہ اللہ کی شان ہے کہ ایسے نصیب کسی ایک آدھ کے ہوتے ہیں۔ اس میں حضور پاکؐ یہ بھی بتا گئے کہ ان کے رفقاء کی کیا شان ہے کہ بروقت دیدار خاص میں محو ہیں۔

## جناب عقبہؓ بن نافع کی شخصیت

حضور پاکؐ کے اکثر صحابہ کرامؓ پر چند الفاظ لکھ کر مشہور مؤرخ ابن سعد نے ایک طرف قوم کی عظیم خدمت کی تو دوسری طرف اس خود کو ایسی سعادت نصیب ہوئی کہ پانچ ہزار صحابہ کرامؓ صحابیات اور تابعین کا تعارف لکھ گیا۔ یہ سب عظیم بستیاں چلتے پھرتے اسلام تھے اور ہمارے لئے مثالیں چھوڑ گئے۔ چنانچہ کتابوں کے اس سلسلہ میں ہمیں جہاں موقع ملا ہم نے ایسی عظیم شخصیتوں پر چند فقرے لکھ کر ان کا تعارف کر دیا اور جناب عقبہؓ بن نافع اس سلسلہ کی آخری ہستی ہیں وہ سیدھے سادے سپاہی تھے وہ سیاست یا سفارتی باتوں سے بلند تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انہوں نے بڑی بہمت میں حصہ لیا لیکن جب اندرونی خانہ جنگی شروع ہوئی تو آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ میدان جنگ میں آپ جناب خالد بن ولید اور جناب مشی بن عمارؓ کے سپاہی کی شخصیت تھے اور تدبیرات میں ایک شکاری کی طرح ماہر تھے۔ شمالی افریقہ میں ان کا واسطہ بربر قوم کے ساتھ پڑا جو موقع شناس اور بہادر تھے اور خطرات

میں بھی کود جاتے تھے۔ جناب عقبہؓ کو دیکھ کر وہ لوگ ان کے گردیدہ ہو گئے کہ جناب عقبہؓ کی رفاقت میں ان کو خوب "شکار" ملا لیکن جب زیادہ شکار کی امید نہ رہی تو انہوں نے دیکھا کہ بڑا شکاری (جناب عقبہؓ) بھی کچھ کمزور ہو گیا ہے تو اس شکاری کے پاس بھی جو کچھ تھا اس پر بھی ہاتھ صاف کرنے کو تیار ہو گئے۔ دراصل بربقہ قوم کے لوگ ریگستان کے کھلے علاقوں میں رہتے ہوئے بہادر تو بن گئے لیکن آزاد خیال بھی ہو گئے یعنی اصول کے پکے نہ تھے۔ بہر حال اسلام کی آغوش میں آجانے کے بعد جب ان لوگوں کے اصول پکے ہو گئے تو انہی لوگوں نے جناب طارقؓ بن زیاد اور موسیٰؓ بن نصیر کے لشکروں میں شامل ہو کر سپین فتح کر ڈالا۔

جناب عقبہؓ پر کچھ مشکل اوقات بھی آئے کہ عمرو بن عاص کی وفات کے بعد تو کچھ دنوں کیلئے ان کا بیٹا عبداللہؓ مصر کا گورنر تھا اور انہی باپ، بیٹا نے جناب عقبہؓ کو افریقہ کی فتوحات کیلئے بھیجا تھا کہ وہ ان کا رشتہ دار تھا لیکن جب مصر کی گورنری مسلمہ بن مخلد کو ملی تو اس نے افریقہ کی سپہ سالاری اپنے ایک آزاد کردہ غلام دینار بن ابوالمہاجر کو دے دی وہ بھی بہادر آدمی تھا اور اس نے بربقہ سردار کسیدہ سے مل کر تمین شہر تک کے علاقے فتح کئے لیکن عقبہؓ والی بات پیدانہ ہو سکی۔

## جناب عقبہؓ کی بحالی اور بحر اوقیانوس تک فتوحات

بہر حال جناب عقبہؓ ڈاپس مصر چلے گئے اور وہاں سے دمشق جا کر امیر معاویہؓ کو حالات سے آگاہ کیا تو انہوں نے ان کو افریقہ کا خود مختار گورنر مقرر کر دیا اور وہ دوبارہ شمالی افریقہ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد جناب عقبہؓ نے اگلے پانچ چھ ماہ میں تبخیر سے ہوتے ہوئے مراکو کی سرحد کو بھی پار کیا۔ اور دریائے سوس تک کے علاقے فتح کر لئے۔ جناب عقبہؓ کی اس پیش قدمی کو نقشہ پنجم میں دکھایا گیا ہے۔ یہاں پر آگے ایک طرف دریائے سوس تھا اور دوسری طرف سامنے بحر اوقیانوس۔ اسی جگہ کے بائیں میں مشہور ہے کہ جناب عقبہؓ وہاں اپنے گھوڑے پر سوار سمندر کی موجوں کو چیرتے ہوئے بحر اوقیانوس میں داخل ہو گئے اور زور سے نعرہ تبخیر کی صدا بلند کی جس سے ساری فضا اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھی پھر جناب عقبہؓ نے سر جھکایا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ عرض کی:

"اے رب العالمین! اگر یہ سمندر میرے راستے میں حائل نہ ہوتا تو آگے بھی میں تیرے اور تیرے

حبیب کے نام کی اسی طرح صدا دیتا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“  
اس جگہ کو آغاز دیر کہتے ہیں اور وہاں پر آج بھی اسلام کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور اس واقعے سے  
متاثر ہو کر علامہ اقبالؒ یوں گویا ہوئے:

”دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے  
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

## مشرقی محاذ کے ثمرات

خلفائے راشدینؓ کی حکمت عملی کے ثمرات کو مشرقی محاذ پر نقشہ ششم میں دکھایا گیا ہے۔ ہم تیسری  
کتاب کے ساتویں باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مسلمان اگر ایک طرف  
دریائے جیحون تک پہنچ چکے تھے تو دوسری طرف کوہ ہندوکش، کابل، موجودہ وزیرستان اور بلوچستان  
تک پہنچ چکے تھے اور مشرق میں ہماری سرحد کے نزدیک غزنی مسلمانوں کی ایک بڑی چھاؤنی تھی کہ اس  
زمانے میں اس علاقے کو زبلستان کہتے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں میں اندرونی خانہ جنگی شروع ہو گئی  
تو فتوحات رُک گئیں۔ مشرقی علاقوں میں بھی بغاوتیں ہوئیں لیکن وہ فرد کر دی گئیں۔ البتہ کوفہ سے  
مغیرہؓ بن شعبہ اور بصرہ سے زیاد نے مل کر سنہ اجماعت کے بعد ایران و افغانستان کے اندرونی  
حالات کو کافی استحکام دے دیا۔ پھر جب جناب مغیرہؓ بن شعبہ وفات پا گئے تو زیاد کے لڑکے عبید اللہ  
نے فتوحات کو اور آگے بڑھایا وہ خراسان کا گورنر تھا۔ اس نے چوبیس ہزار کے لشکر کے ساتھ دریائے جیحون  
کو پار کیا اور بخارا تک کے علاقے فتح کر ڈالے۔ اس کی پیش قدمی کو بھی نقشہ ششم پر دکھایا گیا ہے۔

## جناب سعیدؓ بن عثمانؓ غنیؓ

بخارا کی فتوحات کے بعد عبید اللہ نے آکر بصرہ کی گورنری سنبھال لی کہ اس کا باپ زیاد  
مر گیا تھا اور خراسان کی گورنری جناب سعیدؓ بن عثمانؓ کو ملی جنہوں نے فتوحات کو آگے بڑھایا  
اور سمرقند بھی فتح ہو گیا۔

## مسلم ترکستان

ان علاقوں کے بارے میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ صدیوں تک یہ علاقے مسلمانوں کے مرکز رہے۔ مشہور محدث امام بخاریؒ کا تعلق بھی انہی علاقوں سے تھا۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کو پہلا جھٹکا تیرہویں صدی میں لگا جب منگولوں نے وہاں پر قبضہ کر لیا اور اسلام کے عظیم فرزند جلال الدین خوارزم نے اس علاقے میں آخری چٹان بننے کی کوشش کی گو اسے اس زمانے میں کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن شہیدوں کی شہادت رنگ لائی اور چودہویں صدی ہجری میں یہ علاقے پھر اسلام کی آغوش میں آگئے۔ امیر تیمور کا تعلق بھی انہی علاقوں سے تھا اور یہاں سے ہی وہ ماسکو تک گیا جو اس زمانے میں ایک معمولی گاؤں تھا لیکن بد قسمتی سے انگوڑہ کے مقام پر امیر تیمور کی بایزید پلدرم سے جو جنگ ہوئی اس نے یورپ میں ترکوں کی پیش قدمی کو روک دیا۔ اس زمانے میں دنیا میں صرف دو عظیم سلطنتیں تھیں اور دونوں مسلمانوں کی یعنی امیر تیمور اور بایزید پلدرم کی۔

ظہیر الدین بابر کا تعلق بھی اسی علاقے سے تھا۔ وہاں سے پہلے وہ کابل آیا اور پھر دہلی فتح کی تو ظاہر ہوا کہ ان علاقوں کے ساتھ ہماری حد سے زیادہ روحانی، ثقافتی اور تاریخی وابستگی ہے کسی زمانے میں پشاور سے بخارا اور سمرقند اتنے ہی زیادہ وابستہ تھے جتنا آج کل پشاور کے ساتھ لاہور اور ملتان وابستہ ہیں۔ بد قسمتی سے یہ علاقے اب روس کے ماتحت ہیں اور روس آگے بڑھ رہا ہے۔ افغانستان کے مجاہدین کی طرح انیسویں عیسوی میں امام شاملؒ نے روس کا مقابلہ کر کے وہاں بڑی قربانیاں دیں اور انشاء اللہ یہ قربانیاں رنگ لائیں گی کہ کاشغریک ساری امت میں وحدت پیدا ہو۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تاجک کا شغریک

(اقبالؒ)

## موجودہ پاکستان میں صحابہ کرامؓ کی آمد

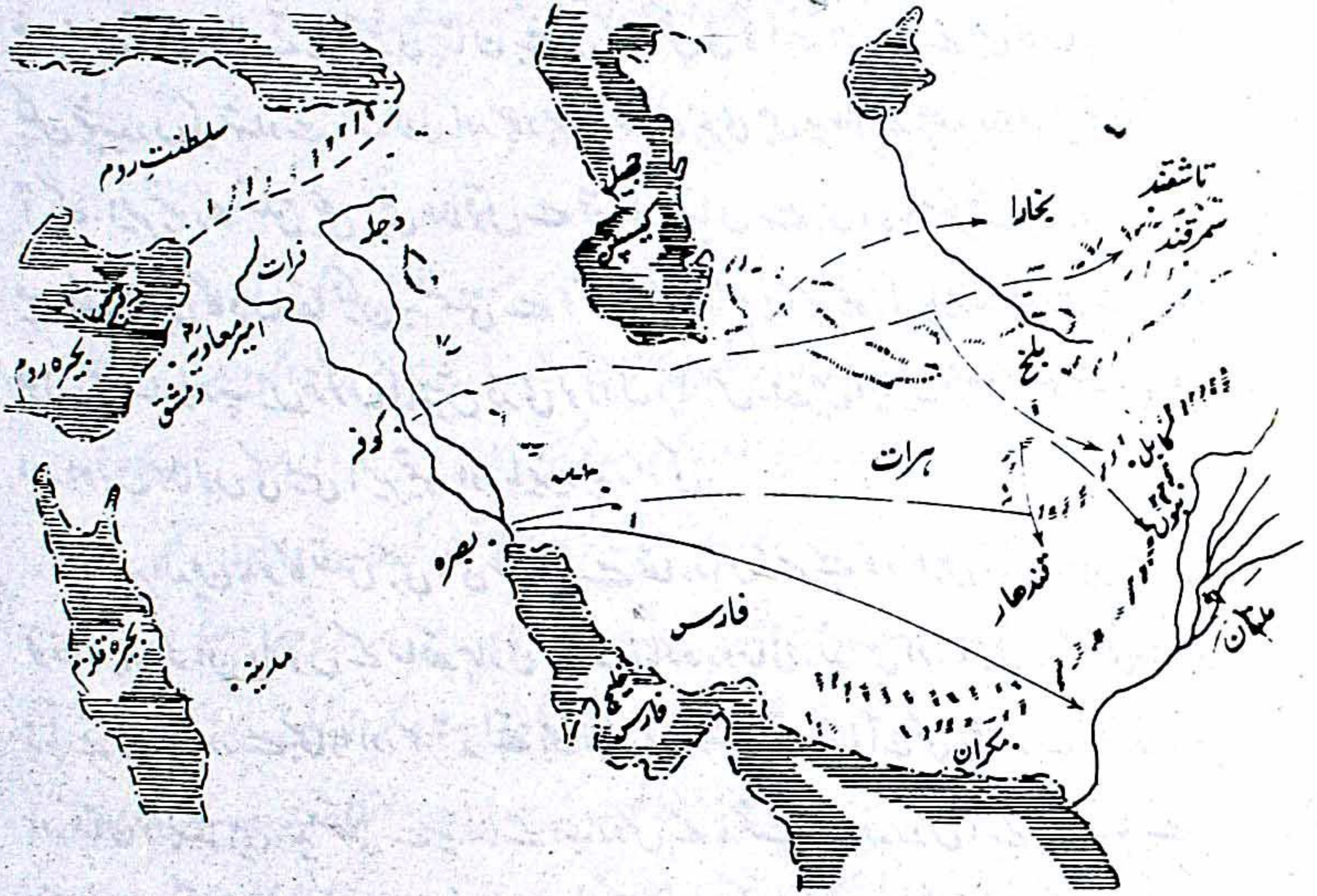
تیسری کتاب میں ہم جناب مجاشعؒ بن مسعود اور ان لشکروں کا ذکر کر چکے ہیں جو وزیرستان تک

مشرقی محاذ

نقشہ ششم

شمال

امیر معاویہ کے زمانے میں مشرقی محاذ پر اسلامی سلطنت کا پھیلاؤ  
بخارا، سمرقند، کابل، ہون اور مکران تک۔



۲۰ ۴۰  
میل  
کیل



آئے۔ سنہ الجماعت کے بعد مسلمانوں کی سلطنت کو اور زیادہ وسعت ہوئی اور بنوں تک کے علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ہم دوسری اور تیسری کتاب میں ذکر کر چکے ہیں کہ جناب عاصم بن عمرو کا لشکر زاہدان تک پہنچا تھا اور مسلمان مجاہدین مکران کے علاقے میں دریائے سندھ تک پہنچ گئے تھے بہر حال استحکام زیادہ کی بصرہ کی گورنری کے زمانے میں آیا کہ اس نے موجودہ مکران کے علاقے کو صوبہ فارس کی ایک امارت بنا دیا۔ نقشہ ششم میں ان تمام علاقوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس علاقہ میں جو اب اللہ اور رسول کے نام پر ایک ملک قائم ہوا تو اس کی بسم اللہ حضور پاک کے صحابہ کرام سے کر گئے کہ جہاں ان کے قدم پڑ گئے ان خطوں میں حق کا بول بالا ہو گیا۔ یہ چیز خاص مطالعہ سے تعلق رکھتی ہے کہ جو فتوحات صحابہ کرام کے زمانے میں ہوئیں وہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کا نام اب بھی بلند ہو رہا ہے لیکن مسلمانوں نے جو علاقے بعد کے زمانوں میں فتح کئے یعنی سپین، کریمیا، یوکرین کے کچھ حصے، رومانیہ، بلغاریہ، پولینڈ کے کچھ حصے، یونان، ہنگری، سسلی، اسٹریا کے کچھ حصے، بھارت کے بڑے حصے اور چینی ترکستان وغیرہ۔ وہاں پر یا تو مسلمان بالکل ختم ہو گئے یا بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں۔ صرف بنگلہ دیش میں مسلمان موجود رہے یا انڈونیشیا اور ملائیشیا میں لوگوں نے تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں لیکن ایک چیز واضح ہے کہ جہاں پر عملی اسلام پہنچا وہاں قائم رہا کہ فتوحات اسلام کو پھیلانے کے لئے ہوئیں یا جنوب مشرقی ایشیا میں عرب ملاحوں نے عملی اسلام پہنچایا تو وہاں بھی وہ قائم و دائم ہے۔ اس لئے ان کتابوں میں لکھنے میں ہمارے سامنے بھی یہی مقصد تھا کہ عملی اسلام کو تلاش کریں اور صرف عمل لکھیں۔ اس کے علاوہ عملی اسلام کے لئے حضور پاک کے عشق کی بھی ضرورت ہے اور صحابہ کرام سے اس عشق سے مخمور تھے تو نتائج یہ نکلے۔

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم

عشق ہو جس کا جسور فقر ہو جس کا غیور

(اقبال)

## نتائج و اسباق

اس باب میں ہم نے خلفائے راشدین کی حکمت عملی کے دور رس نتائج اور اسباق کا مختصر ذکر ہی

کیا ہے جن کو جاری و ساری رکھا جاسکتا ہے ہاں شرط یہ ہے کہ اس سے چند موٹے موٹے سبق بھی سیکھیں جو حسب ذیل ہیں :

۱۔ مومن کا مقصد حیات کیا ہے اور ہم نے مثالوں کے ذریعے اسکو عملی طور پر جگہ جگہ وضع کیا ہے بہر حال اگلے یعنی ساتویں باب میں اس کے عملی پہلو کی مزید وضاحت بھی کر دیں گے۔

ب۔ خلافت راشدہ کا زمانہ واپس نہیں آسکتا لیکن امت نے اجتماعی طور پر مرکزیت اور وحدت پر عمل کرنا ہے اور ایسے عمل کے کچھ نتائج واضح کر دیئے گئے ہیں۔ اٹھویں باب میں ایسی وحدت اور مرکزیت کے لئے ہم اسلامی نظام حکومت پر مختصر تبصرہ کریں گے۔

ج۔ تمام تر کتابوں میں اچھے نتائج حاصل کرنے کے لئے اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کو ہی اہم اصول مانا گیا۔ اسلامی فلسفہ حیات کے کسی عملی پہلو بھی جگہ جگہ بیان کر دیئے ہیں لیکن کچھ مزید وضاحت کی ضرورت ہے کہ یہ دنیا کیا ہے، آخرت کیا ہے۔ انسان کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے زندگی اور موت کیا ہے چونکہ غیروں کے اثرات سے ہمارے فلسفہ حیات پر پردے پڑتے جاتے ہیں اس لئے نویں باب میں ہم روزمرہ کی سائنسی اور تکنیکی زبان میں اسلامی فلسفہ حیات یا نظریہ حیات کا ازل اور آخر کی مدد سے عملی بیان کے ذریعہ سے خلاصہ پیش کریں گے۔

د۔ مسلمانوں کی نظری بھی کم تھی اور غیروں کے مقابلے میں ان کے پاس ہتھیار بھی کم تھے لیکن حکمت عملی اور تدبیرات ایسی اختیار کی گئیں کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی ان تمام اصولوں کو عملی طور پر جگہ جگہ بیان کرتے رہے لیکن اب اختصار سے ان تمام تر ضروریات اور اصولوں کو دہریں با میں اسلامی فلسفہ دفاع کے عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

س۔ تاریخ کا با مقصد مطالعہ بڑا مشکل ہے۔ خاص کر جب عسکری تاریخ سے نتائج اور اسباق کو زیر بحث لایا جائے۔ اتنے سالوں کی تاریخ کے جائزے پیش کرتے وقت نتائج اور اسباق کے بیان میں تضاد آسکتا ہے لیکن چونکہ سب بیانات کو ہم نے اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر دیا ہے۔ اس لئے انشاء اللہ خیالات میں وحدت ہی وحدت ہوگی اور اسی وحدت فکر اور وحدت عمل کی ہم کو تلاش ہے۔

## ساتواں باب

## مومن کا مقصد حیات

## عملی پہلو

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کی شانی  
(اقبال)

مومن کا مقصد حیات تو علامہ اقبالؒ کی زبان میں بیان ہو گیا لیکن ہمیں اس فلسفہ کے عملی پہلو اور عملی مثالوں میں جانا ہو گا جب سے ہم نے جنگوں کے قصے شروع کئے تو شہیدوں کے ذکر سے قارئین کے خون کو گرمایا اور عظیم شہدا کا ذکر خاص طور پر کیا۔ خواہ وہ بدر کے شہید جناب عبیدہ بن حارث تھے یا احد کے شہید جناب حمزہؓ اور جناب مصعبؓ وغیرہ۔ خواہ ایسی شہادت جنگ موتہ میں تینوں سپہ سالاروں جناب زیدؓ، جناب جعفرؓ اور جناب عبداللہؓ کے لئے تھی یا بئر معونہ، ذات اطلاق یا ربیع کے عظیم شہدا تھے۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ہم نے بزوخا اور یمامہ کی جنگوں سے لے کر ہر جنگ کے عظیم شہدا پر مختصر نوٹ بھی لکھے۔ خواہ یہ حفاظ کی شہادت تھی یا ابو عبیدہ ثقفیؓ کی شہادت یا جناب عکرمہؓ کی جنگ یرموک میں شہادت پر بیعت۔ ہم نے یہ بھی واضح کیا کہ اللہ کی تلوار کے لئے شہادت نہ تھی اور نہ ہی جناب ابو عبیدہؓ کے لئے شہادت تھی کہ آپؓ کے بدن پر حضور پاکؐ کے پسینہ اور خون کے اثرات تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے تلوار کے طور پر موسوم ہو جانے کے بعد یا حضور پاکؐ کے خون کے اثرات والوں کے لئے جنگ میں شہادت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ یہ نہ چاہتا تھا کہ اس کے اپنے نام یا اس کے حبیبؐ کے نام سے وابستہ کوئی چیز دشمن یا کافر کی تلوار سے مار کھا جائے اور شاید یہی وجہ تھی کہ حضور پاکؐ کے اپنے عظیم رفقاء یعنی جناب عمرؓ، جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ میدان جنگ میں کفار کے ہاتھوں سے شہید نہ ہوئے۔

## اللہ تعالیٰ کا راز

اللہ تعالیٰ کے راز نرالے ہیں اس نے شہادت کی موت کو بہت بلندیاں عطا کیں کہ مومن کے مقصدِ حیات کے لحاظ سے اس دنیا کی حیثیت کچھ نہیں اور یہاں پر ہم امتحان کے لئے آئے ہیں جس کی مکمل وضاحت نویں باب میں ہوگی۔ اس امتحان میں اگر خاتمہ بالخیر ہو جائے اور شہادت کی موت مل جائے تو انسان کی صرف ایک خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پھر زندگی دے اور پھر وہ اللہ کے نام پر شہید ہو اور خاتمہ بالخیر کا لطف اٹھائے اور اس میں وہ بلندیاں ہیں کہ انسان کی یہ خواہش ختم نہ ہوگی ورنہ دنیا کی زندگی کو حضور پاکؐ نے قید خانہ فرمایا اور موت کے بعد کون اس زندگی کی آرزو کرتا۔ لیکن سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اللہ کے نام پر یا حق کے نام پر موت کو شہادت کا درجہ ہے اور یہی پہلو وضاحت طلب ہے۔

## راہِ حق کی شہادت

کتابوں کے ان سلسلوں میں ہم نے میدانِ جنگ کی موت یا جہاد میں شمولیت سے زخموں کے بعد موت کو شہادتِ حق کا نام دیا ہے اسی طرح اللہ کے راستے یا حق کی حفاظت کے لئے دشمن کے ہاتھوں شہید ہونا ہوتا ہے جیسے بیرمعو نہ یا رجب کے شہید تھے یا جناب عمرؓ، جناب عثمانؓ یا جناب علیؓ شہید ہوئے طاعون یا دبا کی موت، جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں موت، کسی حادثہ کی موت وغیرہ متعدد ان اموات کو شہادت کا رتبہ دیا گیا ہے جن میں انسان کی کوئی ذاتی خود غرضی نہ تھی بلکہ اپنے مال و اسباب یا بال و بچوں کی حفاظت کے سلسلہ میں موت کو بھی شہادت کا رتبہ دیا گیا ہے۔ بے شک یہ وسیع تر پہلو ہے اور ہم نے واضح کیا ہے کہ مسلمان کسی خود غرضی کے لئے ملک نہ فتح کرتے تھے بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے تھے۔ اور انکو غاصبوں کی غلامی سے چھٹکارا دلاتے تھے۔ بے شک یہ کہنے کی بات تھی لیکن ملک ضرور فتح ہوئے اور غیر کہہ سکتے ہیں کہ ہم جنگیں بھی صرف خود غرضی کے لحاظ سے کرتے تھے گو مسلمانوں نے ہر جنگ اور جھڑپ میں راہِ حق کو ایک عظیم مثال کے طور پر اپنا کر جنگ کی اور ہم نے جنگوں سے اس سلسلہ میں سینکڑوں مثالیں پیش کر کے راہِ حق کی موت اور شہادت کے عملی پہلو کی وضاحت کی لیکن ہماری کہانی پھر بھی نامکمل

ہے اور اس سلسلہ میں سانحہ کربلا کا ذکر ضروری ہے کہ عملی پہلو کے علاوہ اس میں روحانی پہلو بھی ہے۔

## فَدَيْنُهُ بِذَبْحِ عَظِيمٍ (ایک روحانی پہلو)

قارئین کی توجہ قرآن پاک کی سورہ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۰۷ کی طرف دلائی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا: "کہ میں نے اس کو بچا لیا ایک ذبح عظیم کے بدلے" سورہ الصّٰفّٰت میں حضرت ابراہیمؑ کا اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے لے جانے کا ذکر ہے اور آگے یہ اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے راہ میں قربانی کو ضرور پسند کرتا ہے لیکن بھیڑ بکریوں کی طرح کی قربانی اور انسانوں کی قربانی میں فرق ہے۔ انسان انشرف المخلوقات ہے وہ غیرت اور عقیدہ کی حفاظت یا حق کے لئے شیروں کی طرح لڑ کر قربانی دے۔ بے شک واقعہ کربلا جس میں فتح کی ذرا بھی امید نہیں کہ وہ اس سلسلہ کی ایک عظیم مثال ہے کہ لڑ کر کس طرح اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کی۔

علاوہ ایک اور بڑا اہم پہلو یہ ہے کہ حضور پاکؐ نے دنیاوی زندگی میں بشری تقاضوں کے تحت راہِ حق کا ہر کام سرانجام دیا اور خاص کر ہر ارفع اور اعلیٰ کام میں حصہ لیا۔ لیکن ایک اعلیٰ اور ارفع مقام شہادت کا بھی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کو پسند نہ تھا کہ اس کا وہ خود عملی نمونہ پیش کریں کہ غیروں یا باطل والوں میں سے کسی کو یہ اعتراض اٹھانے کو موقع نہ ملے کہ اللہ کا حبیبؐ فلاں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ حضور پاکؐ کے بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے اور یہ کام آپؐ کے نواسے نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ انجام دیا۔ بلکہ حضور پاکؐ کے دوسرے نواسے جناب امام حسنؑ کی اولاد، جناب علیؑ کی باقی اولاد، کسی اور قرابت داروں اور دور دور سے اُمت کے چیدہ مجاہدین نے اس ذبح عظیم میں شرکت کر کے اسلام کے نام کو چار چاند لگا دیئے۔

امام حسینؑ کے ساتھیوں کی تعداد اگر کچھ زیادہ ہوتی یعنی دشمن کے لشکر کا ایک چوتھائی بھی ہوتی تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ امام حسینؑ لڑائی امارت کے لئے لڑ رہے تھے۔ لیکن اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت میں پیش کرنا تھا کہ اس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور کسی "افلاطون" کو اپنے پیمانوں سے اس واقعہ کی ماہیت کو ناپنے کی ہمت نہ ہو۔

## نظام حکومت کا پہلو

ان واضح روحانی اور عملی پہلوؤں کے علاوہ ایک تیسرا پہلو ہے کہ خلافت راشدہ تو واپس نہیں آسکتی لیکن حضور پاک ﷺ کے ایک نواسے نے امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کر کے قوم کے لئے یہ راہ نکالی کہ مسلمانوں کا امیر اگر امیر معاویہؓ جیسا ہو تو اس کے ساتھ تعاون کرو اور امت نے تعاون کیا نتائج اور ثمرات پچھلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب دوسرے نواسے نے ایک عملی نمونہ پیش کیا کہ حکومت اگر مزید جیسے شخص کے پاس چلی جائے تو کیا طریق کار اختیار کیا جائے۔ اس میں آپؐ نے امت کے لئے نشان راہ کی نشاندہی کر دی اور باقی مسلمانوں نے بھی اپنے رویہ کا اظہار کر دیا اور یہ ہیں وہ عملی پہلو کہ حضور پاک ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کی حکمت عملی کی کہانی تب مکمل ہوتی ہے کہ سانحہ کربلا کو بھی مختصر الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔

ہم اگر اپنی تنگ دامانی کے طفیل اظہار خیال میں شاید اس مضمون کے ساتھ انصاف نہ کریں اور ہمارے جائزے اگر عاشقوں کے معیار پر پورے نہ اتریں۔ تو اُمید ہے وہ ہماری کم علمی اور کم مائیگی کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارے طرز بیان کو ایک کوشش کا نام تو دے ہی دیں گے۔ بد قسمتی سے سانحہ کربلا اگر ایک طرف افسانوی رنگ اختیار کر گیا ہے تو دوسری طرف فلسفہ، حیات کے عملی اور روحانی پہلوؤں پر بھی پردے پڑے ہوئے ہیں بلکہ سانحہ کربلا کے شرکاء کے ناموں کو بھی قوم سے چھپایا جاتا ہے۔ کتنی افسوسناک بات ہے کہ میدان کربلا میں ابو بکر نام کی دو ہستیاں شہید ہوئیں جن میں سے ایک جناب علیؓ کے بیٹے تھے اور دوسرے امام حسنؓ کے لیکن قوم سے جناب علیؓ کے خاندان اور جناب ابو بکرؓ کے خاندان کی ایک دوسرے کے ساتھ الفت کو چھپانے کے لئے، ایسے نام ہماری تاریخ سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب میں گزارش کر دی گئی تھی کہ جناب علیؓ کو اصحابہ ثلاثہؓ کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنے بیٹوں کے نام ان کے ناموں پر رکھے۔ اب اسی چیز کو عملی طور پر پیش کر رہے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے رفقاء میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ روایت ہے کہ جناب علیؓ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو اکثر آپؐ راوی سے حلف بھی لے لیتے تھے کہ بیان کا تزکیہ ہو جاتا ہے ماسوا جناب صدیق اکبرؓ کہ جناب علیؓ نے فرمایا: ”صدیقؓ

سے سوال نہیں کہ حضور پاکؐ نے ان کو صدیقؑ کا لقب عطا فرمایا۔“

## یزید کی نامزدگی

سانحہ کربلا کی بنیاد اس روز بندھ گئی جب جناب معاویہؓ نے خلافت کے لئے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کر دیا۔ اس سلسلہ میں امیر معاویہؓ نے کئی وجوہ بیان کئے کہ جانشینی کے سلسلہ میں وہ جھگڑے نہ پڑیں جو جناب عثمانؓ اور جناب علیؓ کی شہادت کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ امیر معاویہؓ کے ساتھ اور نزدیک حاصل کرنے کے لئے ان کو ایسا مشورہ جناب مغیرہؓ بن شعبہ نے دیا۔ بہر حال ایک یہ بھی روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اور بنو امیہ کے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قریش میں کافی عرصہ سے سیاست پر بنو امیہ کا قبضہ رہا۔ اب جو خلافت قریش میں ہی ہے۔ تو امیہ اس کے نہ صرف حق دار ہیں بلکہ یہ کام وہ اوروں کی نسبت بہتر طور پر نبھاسکتے ہیں اور کئی تادیلیں پیش کی گئیں لیکن یہ سب باتیں اسلامی طرز حیات کے لحاظ سے بے معنی ہیں۔ اسلام میں حاکم کے لئے اول شرط کردار کی ہے اور یزید اس پر پورا نہ اترتا تھا۔ ہم اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہیں گے اور اس چیز کی وضاحت بھی آگے عظیم صحابہ کرامؓ کے بیٹوں کی زبان سے آتی ہے۔ امیر معاویہؓ نے ایسا کیوں کیا یہ بات ان کے اور ان کے اللہ کے درمیان ہے۔ ہمارے لئے جناب معاویہؓ کا تب وحی ہیں۔ حضور پاکؐ کے تراشے ہوئے ناخنوں کے ٹکڑے ان کے پاس تھے۔ مرتے وقت ان کو پسوا کر اپنی آنکھوں میں ڈلوانے کا حکم دیا۔ حضور پاکؐ کی ایک قمیض بھی پاس تھی۔ اس کو اپنے کفن کا حصہ بنانے کا حکم دیا۔ اس لئے ہمارا قلم ان کے خلاف کوئی ترش لفظ استعمال کرنے پر تیار نہیں۔

## یزید کے لئے بیعت

یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا کام امیر معاویہؓ نے ۵۵ اور ۵۶ ہجری یعنی اپنی وفات سے چار سال پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ان کو کوفہ اور بصرہ میں تو کامیابی ہو گئی، لیکن مدینہ میں ان کا گورنر مروان بن حکم اس سلسلے میں ناکام رہا۔ حضرت امام حسینؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ

عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، محمد اللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے یزید کو ولی عہد تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جناب معاویہؓ خود مدینہ شریف آئے۔ انہوں نے طریق کار یہ استعمال کیا کہ اوپر مذکورہ صحابہؓ ابن صحابہؓ سے الگ الگ ملاقات کی اور ہر ایک کو یہ کہا کہ وہ باقی چاروں کی بھی قیادت کر رہا تھا چنانچہ ہر ایک نے اس سے انکار کیا لیکن امیر معاویہؓ نے ہر کسی سے یہ وعدہ بھی لے لیا کہ جو بات چیت ہو چکی ہے اس کو راز میں رکھا جائے۔ اس لئے پہلے تو یہ بات چیت پوشیدہ ہی رہی۔ لیکن اس کے بعد امیر معاویہؓ نے کسی طرح مشہور کر دیا کہ سب نے الگ الگ بات چیت میں ان کی بات کو مان لیا ہے۔ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اعلان کیا کہ ان پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ میں نے امیر معاویہؓ کو صاف کہا تھا کہ جو طریقہ وہ اختیار کر رہے ہیں وہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے اور وہ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ اس کے بعد تقریباً سب نے اعلان کر دیا کہ ان پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ یزید مسلمانوں کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا ذاتی کردار گیا گزرا ہوا ہے وہ شرابی اور زانی بھی ہے۔ وہ رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہوتا ہے۔ لہو و لعب اس کی گھٹی میں ہیں۔ اس کے حرم میں لاتعداد عورتیں ہیں اور وہ عیش و عشرت میں پلا ہے چنانچہ وہ کسی لحاظ سے بھی خلافت کا مستحق نہیں۔

## امیر معاویہؓ کی وفات

امیر معاویہؓ نے وفات کے وقت یزید کو بلایا اور اس کو اچھی نصیحتیں بھی کیں کہ مہاجرین اور انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور تمام اسلامی ممالک کے حالات کا جائزہ بھی پیش کیا اور کہا کہ تمہاری خلافت کو تسلیم کرنے سے پانچ شخصوں نے انکار کیا ہے۔ ان میں سے عبدالرحمن بن ابوبکرؓ وفات پا چکے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں لیکن دو اشخاص کا خیال رکھنا۔ ایک عبداللہ بن زبیرؓ جو لومڑی کی طرح قلابے لگا کر جب موقع ملا، شیر کی طرح جھپٹ کر تمہارے اوپر حملہ آور ہوگا اور دوسرے امام حسینؓ ہیں۔ ان کو کسی طرح قابو میں لا کر ان سے درگزر کرنا۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے دمشق میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مدینہ کا گورنر



یزید کا چچیرا بھائی ولید بن عتبہ تھا۔ یزید نے اس کو حکم دیا کہ سب لوگوں سے اس کی بیعت لی جائے لیکن ولید اس سلسلہ میں سختی نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یزید کی بیعت لینے کی کوشش ضرور کی لیکن عبداللہ بن زبیرؓ نے مدینہ شریف چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ جا کر حرم میں پناہ لے لی اور جناب امام عالی مقام حضرت حسینؓ بن علیؓ نے بھی مدینہ شریف کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ولید شاید آپ کے ساتھ سختی بھی نہ کر سکتا تھا کہ مدینہ شریف میں کافی لوگ امام حسینؓ کے ساتھ تھے بہر حال امام حسینؓ کے مدینہ شریف سے بغیر یزید کی بیعت کے نکلنے کی وجہ سے یزید نے ولید کو مدینہ شریف کی امارت سے ہٹا دیا اور امام حسینؓ مدینہ شریف کو اس لئے چھوڑ رہے تھے کہ وہ مدینہ النبی میں خانہ جنگی نہ کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ مدینہ شریف میں کافی لوگ ان کی مدد کرنے کو تیار تھے۔

## اہل بیت کا قافلہ

واقعات کو آگے چلانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس تمام قافلے سے قارئین کا تعارف کرایا جائے تاکہ آگے معاملات کو آسانی سے سمجھا جاسکے اور تاریخی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی جائے۔ آپ کے بھائیوں میں سے عباسؓ، جعفرؓ، عبداللہؓ اور عثمانؓ تھے جن کی والدہ ام البنین بنت حزام تھیں۔ آپ چاروں کے ناموں کے بیٹے عبداللہ بن ابی نخل بن حزام نے ثمر بن ذی الجوشن سے سفارش کرا کے، آپ کے لئے عبید اللہ بن زیاد سے بھی امان طلب کر لی تھی لیکن آپ چاروں نے امان لینے سے انکار کر دیا۔ طبری نے ایک جگہ عنوان کی ایک غلطی سے ان چاروں کو ثمر کا بھانجا لکھ دیا۔ حالانکہ وہ ابی نخل کے بھانجے تھے جو ثمر کا دوست تھا۔ اب یہ غلطی ہماری تاریخ کا حصہ بن گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جناب ام البنین بنت حزام بن خالد بن جعفر بن ربیعہ وغیرہ کا تعلق قبیلہ کلاب سے تھا اور ثمر بن ذی الجوشن کا اس قبیلہ کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے قارئین اس غلطی کو ٹھیک کر لیں۔

امام حسینؓ کے ایک بھائی ابو بکرؓ تھے، جن کی ماں یسریٰ بنت مسعود تھیں۔ امام حسنؓ کے

لہ اوپر ہندسہ لکھنے سے نمبر شمار میں آسانی ہوگی۔

کے ایک بیٹے کا نام بھی ابو بکرؓ تھا جن کو آگے دسواں شہید بتایا گیا ہے تو بعض مورخین کا خیال ہے کہ صرف ایک ابو بکرؓ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے لیکن واقعہ کربلا کے بعد اولادِ علیؓ میں سے کسی اور ابو بکر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ دونوں ابو بکرؓ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ ایک بھائی محمد تھے جن کو محمد اصغرؓ کہتے تھے اور ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جناب علیؓ کے تین بیٹوں کے نام محمد تھے۔ بڑے امام محمد بن حنیفہ تھے جن کا ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے۔ وہ ساتھ نہ شریک ہوئے اور وہ مدینہ شریف میں رہ گئے تھے انہوں نے امام حسینؓ کو کوفہ کی طرف سفر کرنے سے روکنے کے لئے بڑی عرضداشتیں بھیجیں۔ دوسرے محمد اوسط تھے جو امامہ بنت زینب بنت رسولؐ کے بطن سے تھے ان کی شاید پہلے وفات ہو گئی کہ ان کا کوئی ذکر نہیں۔ تیسرے محمد اصغرؓ تھے جو جنگ میں شہید ہوئے یعنی امام حسینؓ کے علاوہ حضرت علیؓ کے چھ اور بیٹے بھی میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت علیؓ کے دو اور بیٹوں کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ یحییٰ اور عون تھے جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھے اور جناب محمد بن ابو بکرؓ اور عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے اخیانی بھائی تھے چونکہ ان سے آگے کوئی اولاد نہ چلی۔ اس لئے شاید وہ بھی واقعہ کربلا سے پہلے فوت ہو گئے ہوں یا اپنے اخیانی بھائی عبداللہ بن محمد بن جعفر طیارؓ کے پاس ہوں۔ محمد بن حنیفہ کے علاوہ جناب علیؓ کے صرف ایک بیٹے عمرؓ نے کربلا میں شرکت نہ کی اور آگے ان کی نسل بھی چلی۔ ان کی والدہ کا نام صہباؓ تھا جن کا ذکر پہلی کتاب کے پندرہویں باب میں ہو چکا ہے۔ ان عمرؓ کا ذکر طبقات ابن سعد میں محدث کے طور پر بھی ہے۔ آپ ان دنوں اپنے سخیال کے پاس گئے ہوئے تھے۔

جناب امام عالی مقامؓ کے اپنے تین بیٹے بھی ساتھ تھے۔ بڑے بیٹے علی بن حسینؓ تھے جن کو علی اکبرؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ماں لیلیٰ، یزید کی بھوپھی کی بیٹی تھی۔ دوسرے بیٹے بھی علی بن حسینؓ تھے جن کو اس زمانے میں علی اصغرؓ بھی کہا جاتا تھا۔ آپ ہی امام زین العابدینؓ ہیں۔ اب آپ کو علی اوسطؓ کے نام سے لکھا جاتا ہے جس کی وجہ آگے بیان کی جائے گی۔ آپ

لے صہبا، عین التمر کے نزدیک علاقوں کے ایک سردار کی بیٹی تھیں۔

کی والدہ شاہ ایران یزدجرد کی بیٹی تھی جن کے ساتھ امام حسینؑ کی شادی کا ذکر پہلی کتاب کے آخری ابواب میں ہو چکا ہے۔ تیسرے بیٹے کا نام عبداللہؑ تھا۔ آپ شیرخوار تھے۔ آپ کی والدہ رباب بنت امرالقیس تھیں۔ آپ بھی جنگ کربلا میں شہید ہوئے اور مورخین نے آپ کو علی اصغرؑ لکھنا شروع کر دیا کہ علی اکبرؑ اور علی اصغرؑ شہید ہو گئے تو اس وجہ سے لوگوں نے امام زین العابدینؑ کو علی اوسطؑ کہنا شروع کر دیا۔ ویسے امام زین العابدینؑ بہت زیادہ احادیث کے راوی ہیں اور وہاں پر ان کے لئے صرف علی بن حسینؑ کے الفاظ ہی لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

امام عالی مقام امام حسینؑ کے بڑے بھائی امام حسنؑ کے خاندان کے اکثر لوگ آپؑ کے ساتھ ہی تھے لیکن آپ نے چونکہ متعدد شادیاں کیں۔ اس لئے ممکن ہے آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگ ساتھ شامل نہ ہوئے ہوں۔ مورخین نے آپؑ کے پانچ بیٹوں کی شمولیت کا ذکر کیا ہے جن میں ابو بکرؑ، قاسمؑ اور عبداللہؑ نے شہادت پائی اور دو ابھی بلوغت کو نہ پہنچے تھے وہ بچ گئے ان کے نام عمرو بن حسنؑ اور محسن بن حسنؑ تھے۔ روایت ہے کہ امام حسنؑ کی اولاد جناب محسنؑ سے چلی۔

آپؑ کے چچیرے بھائی جناب عبداللہ بن جعفر طیارؑ کے بیٹے، جناب عونؑ اور محمدؑ، اپنے والد کا خط لے کر امام حسینؑ کے پاس مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ خط میں عبداللہؑ نے عرض کی تھی کہ امام حسینؑ کو نہ نہ جائیں لیکن امام حسینؑ نے مانے۔ تو ان دونوں عظیم فرزندوں نے اسلام کی لاج رکھتے ہوئے اپنے عظیم چچا کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اس طرح اپنے عظیم دادا جناب جعفر طیارؑ اور عظیم پردادا جناب ابوطالبؑ کے نام کو اور بلند کیا، آپؑ دونوں بھی شہید ہو گئے۔ کچھ مورخین نے انگریزی کتابوں سے جب یہ پڑھا کہ آپ امام حسینؑ کے NEPHEW تھے تو انہوں نے ان کو جناب امام حسینؑ کا بھانجا بنا دیا۔ کسی نے آگے بڑھ کر ان کو جناب زینب بنت علیؑ کا بیٹا قرار دے دیا اور مرثیے لکھ ڈالے کہ جناب زینبؑ نے بیٹوں کو یہ فرمایا، وہ فرمایا، وغیرہ۔ دراصل جناب عونؑ کی والدہ کا نام جمانہ بنت مسیب اور جناب محمدؑ کی والدہ کا نام خوصاء بنت خصفہ تھا تو جناب زینبؑ کا ذکر خواہ مخواہ کر دیا گیا ہے۔

امام عالی مقامؑ کے دوسرے چچا جناب عقیلؑ کے تین بیٹے جناب جعفرؑ، جناب عبدالرحمنؑ

اور جناب عبد اللہؓ بھی ساتھ تھے اور تینوں میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اور چوتھے جناب مسلم بن عقیلؓ پہلے کوفہ میں شہید ہو گئے تھے۔ جناب مسلمؓ کے بیٹے عبد اللہؓ بن مسلمؓ، امام حسینؓ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام حسینؓ کے ایک اور چچیرے بھائی، ابو سعیدؓ بن عقیلؓ کے بیٹے محمدؓ بھی امام حسینؓ کے ساتھ تھے اور میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

باقی ساتھیوں اور شہدا کا ذکر واقعات میں آئے گا۔ اہل بیت میں سے امام حسینؓ سمیت ۲۳ عظیم ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے تین زندہ بچے جو امام زین العابدینؓ اور امام حسنؓ کے دو بیٹے عمرؓ اور محسنؓ ہیں۔ باقی بیٹوں میں سے جناب مسلمؓ کوفہ میں شہید ہوئے اور اہل بیت میں سے کربلا کے میدان میں امام حسینؓ، سترہ یا اٹھارہ عظیم ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے۔ ایک نام کا فرق ہے اور اختلاف صرف اتنا ہے کہ آیا ایک ابو بکرؓ بن حسنؓ ہی شہید ہوئے یا دوسرے ابو بکرؓ بن علیؓ بھی شہید ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ باقی کوئی اختلاف نہیں ہے اور باقی شہدا کا ذکر بعد میں آئے گا۔

## امام حسینؓ کی کوفہ روانگی

بہر حال امام عالی مقامؓ اس چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ مدینہ شریف سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچے آپؓ کے کوچ کے راستہ کو نقشہ سفیم پر دکھایا گیا ہے مکہ کے گورنر عمروؓ بن سعیدؓ بن عاصؓ تھے۔ وہ آپؓ کو امان دینے پر تیار تھے بلکہ عبد اللہؓ بن جعفر طیارؓ نے عمرو بن سعیدؓ کو ایک خط لکھا اور ان کو بھی عمرو نے کہہ دیا تھا کہ امام حسینؓ مکہ مکرمہ میں قیام کر سکتے ہیں لیکن امام حسینؓ مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کے لئے تیار نہ تھے حالانکہ مکہ مکرمہ میں کافی لوگوں نے امام حسینؓ کو عرض بھی کی کہ وہ ان کے ساتھ ہیں لیکن امام عالی مقامؓ نے فرمایا کہ انہوں نے حضور پاکؐ سے یہ حدیث مبارکہ سنی ہے کہ ایک "مینڈھا" مکہ کی حرمت کو حلال کر دے گا۔ میں وہ "مینڈھا" نہیں بننا چاہتا۔ مکہ مکرمہ کے بائے میں حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کی حرمت ہے اور حضور پاکؐ

نے وہی سعیدؓ بن عاصؓ جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کوفہ کے گورنر تھے۔

کے فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو ان کے لئے چند محلوں کے لئے حلال کر دیا تھا۔ کہ حق یہ چاہتا تھا کہ اہل حق مکہ مکرمہ میں کسی منظم طریقے سے داخل ہوں۔ اور اس پہلو کی ہم جلال مصطفیٰ کے چھٹے باب میں وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کے بعد حضور پاکؐ از خود سر جھکا کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

## اہل کوفہ کے خطوط

امام حسینؑ کو کوفہ کے لوگوں کے متعدد خطوط موصول ہو رہے تھے، کہ آپؑ ہمارے پاس آئیں اور ایک لاکھ مجاہدین آپؑ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں چنانچہ یہ خط وصول کرنے کے بعد آپؑ مکہ مکرمہ میں چند روز رک گئے اور اپنے چچیرے بھائی جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ کیا کہ وہاں کے حالات کا صحیح طور پر اندازہ لگائیں اور ان کو صورت حال سے آگاہ کریں۔ کوفہ کے گورنر نعمانؑ بن بشیر تھے۔ آپ انصار تھے اور بے شک بنو امیہ کے منظور نظر تھے کہ حضرت عثمانؑ کا خون آلودہ کرتے لے کر دمشق گئے تھے۔ جس کا ذکر تیسری کتاب میں ہے لیکن صحابی ہونے کی وجہ سے کسی حتمی حد تک بھی نہ جا سکتے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی جناب مسلمؑ کوفہ پہنچے تو پہلے روز اٹھارہ ہزار جوانوں نے ان کے ہاتھ پر امام حسینؑ کے لئے بیعت کی اور نعمانؑ بن بشیر برائے نام گورنر رہ گئے۔ جناب مسلمؑ نے امام عالی مقامؑ کو ان حالات سے آگاہ کیا تو امام حسینؑ ذوالحجہ ۶۰ ہجری میں کوفہ روانہ ہو گئے۔

## عبید اللہ بن زیاد

یزید بھی حالات سے باخبر تھا اور جس روز سے اس کو اہل کوفہ کے امام عالی مقامؑ کی طرف خطوط کی بھنگ پڑی وہ بصرہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو لکھ چکا تھا کہ وہ جا کر کوفہ کی امارت بھی سنبھال لے۔ یزید کو معلوم تھا کہ نعمانؑ بن بشیر امام حسینؑ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں گے اور عبید اللہ بن زیاد، اب کسی تعارف کا محتاج نہیں کہ وہ یزید کے چچا کا بیٹا بن چکا تھا۔ اس کے باپ کی پیدائش خواہ کن حالات میں ہوئی لیکن بنو امیہ اس کے باپ کو ابوسفیانؑ کا بیٹا تسلیم کرتے تھے اور اس چیز نے عبید اللہ کے دماغ کو خراب کر دیا تھا۔ بہر حال وہ چال باز تھا۔ اس نے پہلے تو کچھ آدمی کوفہ

بھیج دیئے انہوں نے مشہور کر دیا کہ امام حسینؑ کو ذہ پہنچنے والے ہیں۔ اس کے بعد خود امام حسینؑ کا روپ دھار لیا۔ وہ ایک یمنی چفہ پہنے ایک چجر پر سوار کوفہ میں داخل ہو گیا۔ اکثر اہل کوفہ نے امام حسینؑ کو نہ دیکھا ہوا تھا اور ویسے عبید اللہ نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا صرف آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ کھلا تھا۔ اس نے جناب حسینؑ والی متانت اختیار کی ہوئی تھی۔ چند ہمراہی اس کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے کچھ اسی قسم کا لباس پہنا ہوا تھا اور چجر پر سوار عبید اللہ کے لئے ایسا موڈ بنا رہا۔ روپ اور روپ اختیار کئے ہوئے تھے کہ اہل کوفہ نے سمجھا کہ واقعی امام حسینؑ کوفہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ لوگ جھک جھک کر سلام کرتے تھے اور اس طرح عبید اللہ تھرا مارت میں داخل ہو کر اس پر قابض ہو گیا۔

قصر میں پہنچ کر اس نے تمام قبیلوں کے سرداروں کو بلایا جن میں سے کچھ تو اس کو امام حسینؑ سمجھ کر بڑی امیدیں لے کر گئے لیکن آگے سے جب عبید اللہ اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوا تو وہ لوگ کاٹنے لگے۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو جو جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کے ساتھ مل چکے ہیں، واپس لایا جائے ورنہ وہ سب کو تیر تیر کر دے گا۔ جناب مسلمؑ کو جب ان حالات سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے آدمی دوڑا کر اپنے ساتھیوں کو کوفہ کے باہر اجتماع کرنے کا حکم دیا۔ اول تو کچھ لوگوں کو ان کے قبیلہ کے سرداروں نے راستے ہی سے واپس بلا لیا۔ لیکن جناب مسلمؑ نے دیکھا کہ ان اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والوں میں سے ان کے ساتھ کل چار ہزار آدمی باقی رہ گئے تھے۔ اب انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر ان چار ہزار آدمیوں کو کوفہ سے باہر ہی صف بندی کے احکام دے دیئے۔

## جناب مسلمؑ کی شہادت

جناب مسلمؑ اب عجیب تذبذب میں تھے اور کوفہ کے باہر چار ہزار ساتھیوں کے ساتھ صف بند تھے کہ ابن زیاد کے کہنے پر قبیلہ کے سرداروں نے جناب مسلمؑ کے ساتھیوں کو نام لے لے کر بلانا شروع کر دیا اور طرح طرح کے لالچ دینا شروع کر دیئے۔ شام تک جناب مسلمؑ کے ساتھ صرف تیس آدمی رہ گئے تھے۔ اب جناب مسلمؑ نے سوچا کہ کسی جگہ وقتی پناہ لے کر اب تیس آدمیوں میں سے کسی کو

مکہ مکرمہ بھیجا جائے کہ امام عالی مقامؑ کو اصل حالات سے آگاہ کریں اور خود تو ان کو اپنی شہادت نظر آ رہی تھی وہ خواہ کوفہ میں ہوتی۔ خواہ وہ فرار کرتے تو ہوتی لیکن پناہ کی تلاش میں دیکھا کہ تیس میں سے صرف دس آدمی ساتھ رہ گئے اور جب ذرا اندھیرا ہو گیا تو وہ بھی غائب ہو گئے۔ آگے کافی لمبی کہانی ہے۔ جناب مسلمؑ گرفتار ہوئے اور ابن زیاد نے ان کو شہید کر دیا۔ اس سلسلہ میں اہل کوفہ کے کردار کی جو جھلک ملتی ہے اس سے آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ حُبّ دنیا انسان کو اس طرح اندھا کر دیتی ہے کہ نہ ان کا کوئی اصول رہتا ہے نہ ان میں احساسِ زباں باقی رہتا ہے۔ یعنی انسانیت، انسانیت کا بادلہ اتار کر پھینک دیتی ہے۔ اور اس جگہ میں وہ اس طرح ننگا ہو جاتا ہے جس طرح ننگا وہ پیدا ہوا تھا۔ اس لئے ان وعدہ خلافیوں کی تفصیل میں جانے سے کراہت پیدا ہوگی، کہ شیطان بھی ایسی حالت دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے

پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کف خاک (اقبال)

## امام حسینؑ ملک عراق میں

امام حسینؑ مکہ مکرمہ سے چل کر زروود کے مقام پر پہنچے تو خبر ملی کہ مسلم بن عقیلؑ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ وہی مقام ہے جہاں پر قادیسیہ کی فتح سے پہلے جناب سعد بن ابی وقاص نے قیام کیا تھا ہم پہلی کتاب کے اکیسویں باب میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ جناب مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن کر امام حسینؑ نے فرمایا "اب جینے میں کوئی مزہ نہیں" یہاں ہم قارئین کی توجہ پانچویں باب میں جناب علیؑ کے خواب کی طرف مبذول کرائیں گے کہ انہوں نے کیا دعا مانگی کہ چار سال خلافت کے دوران آپؑ مسلمانوں کی حالت پر نظر کر کے مایوس ہو چکے تھے اور امام عالی مقامؑ کو آج پھر ایسے ہی حالات نظر آ رہے تھے کہ لوگوں کا کردار ختم ہو چکا تھا ایسے لوگوں میں رہنے کی بجائے عزت کی موت یا شہادت کی دعا بد رہا بہتر ہے۔

ویسے راتہ میں کافی لوگ آپؑ کے ساتھ شریک ہو چکے تھے اور جیسے ہی ان لوگوں کو کوفہ کے حالات کا پتہ چلا تو انہوں نے آپؑ کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ ایسے لوگ دراصل امام حسینؑ کے

ساتھ اس امید پر شامل ہو گئے تھے کہ امام حسینؑ کی حکومت میں ان کو ترجیحات حاصل ہوں گی لیکن جب آگے خراب حالات کی خبر ملی تو رنوجکر ہو گئے۔ لعنت ہو حُبّ دنیا پر۔ بہر حال آپؑ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ساتھ ہو گئے تھے۔ ان کی تفصیل واقعات کے ساتھ آتی رہے گی یا اہل بیت تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

## شرف کے مقام پر

نقشہ ہفتم پر جناب امام حسینؑ کے کوچ کے راستہ کا مطالعہ کریں کہ اس راستے پر چلتے چلتے آپؑ شرف کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں جناب مثنیٰ بن عمار نے جناب سعد بن ابی وقاص کے انتظار میں وفات پائی اور اس کا ذکر بھی پہلی کتاب میں ہو چکا ہے۔ اب ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسینؑ آنے والے حالات سے آگاہ تھے۔ حضور پاکؐ خواب میں بشارت دے چکے تھے: "بیٹا جلدی آؤ تمہارا انتظار ہو رہا ہے" لیکن یہ بشری تقاضے تھے کہ امام عالی مقامؑ ہر کاروانی دنیاوی لحاظ سے کر رہے تھے۔ شرف سے قادسیہ کے مقام کی طرف امام عالی مقامؑ کا قافلہ آج ان حالات سے مختلف حالات میں پیش قدمی کر رہا تھا اور غیروں کی بجائے اپنے دشمن ہو چکے تھے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جناب سعد بن ابی وقاصؓ کا بیٹا عمرو بھی یزید کے لشکر میں آگے سے امام حسینؑ کی مخالفت کر رہا تھا اور اس نے حُر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار فوج کے ساتھ آگے بھیجا کہ امام حسینؑ کے قافلہ پر نظر رکھے اور حُر امام عالی مقامؑ کو قادسیہ کے نزدیک ملا۔

## حُر کی عرض

حُر نے امام عالی مقامؑ کو عرض کی کہ وہ ابن زیاد اور عمرو بن سعدؓ کے حکم پر آیا ہے کہ آپؑ کو ابن زیاد کے پاس لے چلے یا آپؑ واپس چلے جائیں یا کوئی اور راستہ اختیار کر لیں یا براہ راست یزید یا ابن زیاد کو خط لکھ کر اپنے مقاصد کا اظہار کریں کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہ آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاتے۔

۱۔ جناب سعدؓ نے انہی مقامات سے ایران فتح کیا جس کا ذکر پہلی کتاب میں موجود ہے۔



## امام عالی مقام کا فرمان

امام حسینؑ نے فرمایا: ”میں اپنا ایک فرض پورا کر رہا ہوں۔ میں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے لوگوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ یزید کی حکومت غیر اسلامی ہے۔ اہل کوفہ نے میرے ساتھ اس سلسلہ میں اتفاق کیا اور مجھے دعوت دی کہ میں ان کی قیادت سنبھالوں۔ میں اس غرض سے یہاں تک آ گیا میں اہل کوفہ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے وعدہ پورا کر دیا تم اپنا وعدہ پورا کرو تاکہ روز قیامت کوئی شک نہ رہ جائے اور ہم اس سلسلہ میں ایک دوسرے پر صحیح گواہی دے سکیں۔ آپ نے سفر جاری رکھا ہوا تھا اور حُر کے لشکر والے دائیں بائیں چل رہے تھے کہ اس طرح ایک جگہ قیام ہوا تو امام حسینؑ نے حُر کے لشکر والوں کو خطبہ دیا جس میں امام حسینؑ نے اپنے مقاصد اور مسلمانوں کے فرائض کو واضح کر دیا اس کے کچھ اقتباسات اس طرح ہیں :

”لوگو! سنو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسے امیر یا حکمران کو دیکھا جو ظالم ہے، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، سنت رسول اللہؐ کی مخالفت کرتا ہے اور دیکھنے والوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور دیکھنے والوں کو اس پر اپنے قول و عمل سے غیرت نہ آئی تو خداوند تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ یا حکمران کو بجاے ایسا دیکھنے والوں کو جہنم میں داخل کر دے۔ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت قبول کر لی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دی ہے زمین پر فتنہ فساد پھیلا رکھا ہے۔ حدود الہی کو معطل کر دیا ہے اور مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لئے مجھے حق ہے کہ ان حالات پر مجھے غیرت آئے۔“

تبصرہ

اسلامی فلسفہ حیات کے لحاظ سے اول جہاد بالنفس ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند کرو اور پھر حاکم وقت کو مجبور کرو کہ وہ بھی ان باتوں پر عمل پیرا ہو اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ ہمارا حاکم نہیں ہو سکتا اور جب تک قوم اس فلسفہ پر عمل نہیں کرتی تو ماقبہ سب باتیں فضول ہیں بلکہ

خانات کا درجہ رکھتی ہیں اسی وجہ سے یہ عملی پہلو لفظ بلفظ پیش کئے جا رہے ہیں۔

## کوفہ کے حالات

اب امام حسینؑ نے کوفہ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی اور مسافروں کے ساتھ رابطہ قائم کیا تو آپؑ کو بتایا گیا کہ شہر کے تمام قبائل کے سرداروں کو رشتہ دے کر ابن زیاد نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے یعنی وہ یزید کے ساتھی بن چکے تھے۔ عوام کے دل امام حسینؑ کے ساتھ تھے مگر ان کی تلواریں امام حسینؑ کے خلاف ہی نیام سے باہر نکلیں گی۔ جناب مسلمؑ بن عقبیلؑ اور ان کے ساتھ جو دور ہنمایا ساتھی بھیجے گئے تھے وہ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ خبریں سن کر امام حسینؑ نے قیسؑ بن مسہر کو کوفہ بھیجا تاکہ اہل کوفہ کو اپنا وعدہ یاد دلائیں۔ جناب قیسؑ کو گرفتار کر لیا گیا اور قصر امارت کی چھت سے نیچے گرا کر شہید کروا دیا۔ لوگ سہم گئے۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے جناب عبداللہؑ بن بقطر کو بھیجا تو ان کو شہر کے باہر ہی سے ابن زیاد کے ایک فوجی دستہ کے کمانڈر حصین بن نمبر نے گرفتار کر لیا۔ آپ کے ساتھ بھی ابن زیاد نے وہی سلوک کیا جو وہ جناب قیسؑ کے ساتھ کر چکا تھا۔

## طراح بن عدیؑ

اسی دوران طراح بن عدیؑ بن حاتم پہنچ گئے اور امام حسینؑ کے ساتھ ملاقات کی اور آپؑ کو بتا دیا کہ اہل کوفہ آپؑ کا ساتھ نہ دیں گے۔ آپؑ مہربانی فرما کر ہمارے ساتھ اوجا پہاڑ کے علاقوں میں چلیں اور وہاں پر ہمارا قبیلہ آپؑ کی نگہبانی کرے گا۔ امام حسینؑ نے طراح کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا: ”میں ایک اصول کے تحت کوفہ آیا ہوں کہ ان لوگوں نے ظالم حکمران کے خلاف میری مدد کا وعدہ کیا۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں اور جب تک میرا یہ پیغام نہیں پہنچ جاتا کہ میں وعدے پر پورا اُتر ہوں، تب تک میں راستے سے مڑنے والا نہیں ہوں اور اگر راستے سے مڑنا ہوتا تو میں زرد سے ہی واپس چلا گیا ہوتا وغیرہ۔ یہ زندگانی چند دن کی ہے اور سوال یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ اس لئے میں چاہوں گا کہ میرے ساتھ مل کر اگر ایک آدمی بھی حق کے لئے لڑنے کو تیار ہے تو میں ضرور حق کے لئے لڑوں گا۔“ اسلامی فلسفہ حیات کی یہ ایک اور عملی

مثال ہے۔

## میدان کربلا میں

اسی دوران امام عالی مقامؑ کا قافلہ نینوی کے قریب پہنچ گیا اور وہاں پر ہی ابن زیاد کا قاصد حُربن یزید تمیمی کے پاس پہنچ گیا اور اس کو حکم دیا کہ امام حسینؑ کے قافلہ کو دریا سے دور رکھا جائے۔ یہ محرم ۶۱ ہجری کا واقعہ ہے اور قافلہ ایک اجڑا میدان میں پہنچا ہوا تھا۔ جس کو میدان کربلا کہتے ہیں۔ یہ جگہ دریائے فرات سے دور تھی کہ اس میدان اور دریا کے درمیان ایک ٹیلہ یا ٹیکری کی قسم کی اونچی جگہ تھی اور وہاں پر ہی جناب سعد بن ابی وقاص کا بیٹا عمرو، ابن زیاد کی طرف سے چار ہزار کا لشکر لے کر امام حسینؑ کی مخالفت یا مقابلہ کے لئے پہنچ گیا۔ روایت ہے کہ عمرو اس مہم پر نہیں آنا چاہتا تھا لیکن ایک طرف اس کو رے کی حکومت کا لالچ دیا گیا اور دوسری طرف اس کے دل میں خوف بٹھایا گیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کی خیر نہیں لیکن وہ بھی حُرب کی طرح اس امتحان سے بچنا چاہتا تھا اور اس نے امام حسینؑ کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی۔

## تبصرہ

لیکن انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ عظیم صحابی اور عشرہ مبشرہ میں شامل سعد بن ابی وقاص کا بیٹا اس امتحان میں پاس نہ ہوا۔ اور اپنے نام کو سیاہ دھبہ لگوا بیٹھا لیکن ایک غیر معروف آدمی حُرنے دونوں جہان حاصل کر لئے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے اپنے خاتمہ بالجزی کی دعا مانگنی چاہیے۔

## امام حسینؑ اور عمرو کی ملاقات

مورخین نے امام حسینؑ اور عمرو بن سعدؑ کی ملاقات کو معاملات کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ بعض راویوں کے مطابق ملاقات علیحدگی میں بھی ہوئی۔ ستمبر اکتوبر کا مہینہ تھا۔ قافلے نے پڑاؤ کرتے وقت پانی کا خاص خیال نہ رکھا تھا۔ دریا سے تھوڑے فاصلہ پر ایک خشک

جگہ ایک ٹیلے کے پاس پڑا دیکر لیا کہ ضرورت کے مطابق پانی دریا سے لے آئیں گے جو نزدیک ہی تھا۔ ابن زیاد نے پہلے ہی حکم دیا ہوا تھا کہ قافلہ کی ناکہ بندی کی جائے اور ان کو دریا سے پانی نہ لینے دیا جائے لیکن جناب عباس علمبردارؓ چند ساتھیوں کے ساتھ گئے اور دریا سے کچھ پانی بھر لائے کہ عمرو بن سعدؓ نے زیادہ مزاحمت بھی نہ کی۔

عمرو کے ساتھ طویل ملاقات میں امام حسینؓ نے عمرو پر واضح کر دیا کہ وہ اہل کوفہ کی دعوت پر آئے ہیں، اگر ان کا پیغام اہل کوفہ کو پہنچا دیا جائے اور مجھ پر ثابت کر دیا جائے کہ اہل کوفہ مجھے پسند نہیں کرتے یا میرے ساتھ نہیں تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔ یہ بات سن کر عمرو خوش ہو گیا اور ابن زیاد کو اس کی خبر بھیجی۔ ابن زیاد نے البتہ حکم دیا کہ پانی کی مکمل ناکہ بندی کی جائے اور سیدھی بات یہ ہے کہ امام حسینؓ سے یزید کی بیعت لی جائے۔ ہم کوئی شرط ماننے کو تیار نہیں کہ اہل کوفہ سے ایک آدمی بھی امام حسینؓ کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک کوئی نہ کوئی آدمی تو امام حسینؓ کے ساتھ مل جاتا۔

## امام حسینؓ اور عمرو کی دوسری ملاقات

اب عمرو نے امام حسینؓ کے ساتھ دوسری ملاقات کی اور امام حسینؓ کو گزارش کی کہ کوئی آسان شرائط رکھیں کہ اہل کوفہ تو امام حسینؓ کی مدد کرنے کو تیار نہیں اور عمرو اس امتحان سے کچھ بچ جائے۔ عمرو کی اس گزارش پر امام حسینؓ نے تین آسان ترین شرائط پیش کر دیں جو حسب ذیل تھیں :

۱۔ مجھے وہیں واپس جانے دو جہاں سے آیا ہوں تاکہ میں زندگی کے باقی ایام مکہ مکرمہ میں عبادت الہی میں مصروف رہ کر گزاروں۔

یا

۲۔ مجھے یزید کے ساتھ اپنے معاملات طے کر لینے دو اور میں یزید کے پاس جاتا ہوں اور تم بھی میرے ساتھ چلو کہ تمہیں یہ خیال نہ ہو کہ میں یزید کے پاس جانے کی بجائے کہیں اور چلا جاؤں گا۔

یا

۳۔ مجھے اسلامی ممالک کی سرحدوں پر جانے کی اجازت ہو، جہاں مجاہدین کو اکٹھا کر کے ہم کفار کے ملکوں میں آگے بڑھ کر جہاد کر سکیں۔

عمرو یہ شرائط پا کر بہت خوش ہوا کہ تینوں شرائط میں صلح اور صلح ہی تھی اور اس نے ابن زیاد کو خبر دی تو ابن زیاد بھی بڑا خوش ہوا اور خاص کر دوسری شرط کو بہت پسند کیا کہ وہ امام حسینؑ کو ساتھ لے کر یزید کے پاس جائے گا اور اس کی بڑی سرحدوں ہوگی لیکن پاس ہی شمر بن ذی الجوشن بیٹھا تھا اس نے ابن زیاد کو کہا کہ یاد رکھو امام حسینؑ ایک دفعہ یزید کے پاس پہنچ گئے تو پھر ان کے مقابلہ میں ابن زیاد کی وہ عزت نہ رہے گی۔ یہ موقع ہے کسی طرح لڑائی سے یا کسی اور طریقہ سے امام حسینؑ کو ہتھیلد کرادو تو پھر یزید کو تیری ضرورت رہے گی اور تجھے یزید کی ضرورت (قارئین اس مشورہ والے فقرہ کی شیطینیت کو ضرور بھانپ جائیں گے)۔

## ابن زیاد کی گراوٹ

شمر کی یہ رائے ابن زیاد کو بڑی پسند آئی اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کا طرز عمل ایسا ہو کہ امام حسینؑ کو کسی بہانے سے ہتھیلد کر اسکے۔ اس لئے اس نے عمرو کو بڑا سخت خط لکھا کہ امام حسینؑ کی کوئی شرط نہیں مانی جا سکتی۔ سیدھی بات یہ ہے کہ سب سے پہلے امام حسینؑ غیر مشروط طور پر اپنے تمام ساتھیوں کو ہمارے سپرد کریں اور میرے ہاتھ پر یزید کی بیعت کریں تو پھر ان کی دوسری شرط منظور ہے۔ میں ان کو لے کر یزید کے پاس چلا جاؤں گا۔

## امام حسینؑ کی وضاحت

عمرو نے جب یہ شرائط امام حسینؑ کو سنائیں تو آپ مسرے اور فرمایا "کہ سارا جھگڑا تو بیعت کا ہے اگر میں یزید کی بیعت کر لوں یعنی اس کو اپنا حاکم تصور کر لوں تو پھر بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ میرا یزید کے پاس جانے میں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں وہاں جا کر اس کی بیعت کر لوں گا۔ میں تو یزید کے پاس جانے کے لئے اس لئے تیار ہو گیا تھا کہ یہ معاملہ میرے اور یزید کے درمیان ہے اور جو لوگ میری وجہ سے اس امتحان میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے لئے شاید آسانی ہو جائے میں

اگر زید کے پاس جاتا اور اس کے اور میرے درمیان کیا ہوتا، یہ آنے والا وقت ہی بتلا سکتا ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ایک فاسق و فاجر کی بیعت، اس سے سینکڑوں میل دور ایک اور فاسق و فاجر کے ہاتھ پر کروں۔

## تبصرہ

قارئین، امام عالی مقام کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک کاروائی میں مومن کے مقصد حیات کی عملی مثالیں ہیں۔ حاکم وقت یا زندگی کی طرف رویہ کی ان مثالوں میں ہمارے لئے نشانِ راہ ہے لیکن کچھ لوگ شاید اعتراض کریں کہ امام حسینؑ پہلے ہی مکہ مکرمہ میں عبادت کے لئے کیوں نہ ٹھہر گئے جو اب تیار ہو گئے کہ وہ باقی عمر مکہ مکرمہ میں عبادت میں گزار دیں گے۔ امام عالی مقامؑ اس کی بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ وہ بیعت کرنے پر تو بالکل تیار نہ تھے اور مکہ کی حرمت کو بھی خراب نہ کرنا چاہتے تھے۔ اب ایک معاہدہ کے تحت گوشہ نشینی اختیار کر رہے تھے اور کوفہ آنے تک بھی ایک مقصد تھا کہ مسلمانوں نے آپؑ کو راہِ حق پر لڑنے کی دعوت دی تھی اس پر لبیک کہنا ضروری تھا لیکن اب ساری دنیا راہِ حق سے بھاگ گئی تو جنگ بے فائدہ تھی لیکن امام حسینؑ غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرنا چاہتے تھے اور آخری وقت تک عزت اور عیزت کی زندگی کا مظاہرہ کیا، یہ ہیں مومن کے مقصد حیات اور اس باب کو ان کتابوں کا حصہ بنانے میں یہی مدعا تھے کہ ہم اپنے مقصد حیات کے ان عملی پہلوؤں کو سمجھیں۔

## ابن زیاد کا تذبذب

عمرو کو خط بھیجنے کے بعد ابن زیاد تذبذب میں پڑ گیا کہ شرائط بڑی ناجائز تھیں عمرو بھی قریش ہونے کی وجہ سے امام حسینؑ کا رشتہ دار بھی تھا اور ایسی ناجائز شرائط کو شاید وہ بھی ناپسند کرے اور امام حسینؑ کے ساتھ مل جائے۔ اس لئے اس نے عمرو کے نام جلدی سے ایک دوسرا خط شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھ بھیجا۔ قارئین، اسلام کی تاریخ کا یہ بدترین خط ہے جس کے اقتباسات لکھنے کو جی نہیں چاہتا لیکن کہانی سے عبرت حاصل کرنے

کے لئے ابن خلدون کے حوالے سے اس کی نقل حسب ذیل ہے :

”اما بعد میں نے تمہیں حسینؑ کی طرف اس غرض سے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کے ساتھ لیت و لعل میں وقت برباد کرتے رہو اور اس کی مجھ سے سفارشیں کرتے رہو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اگر حسینؑ اور ان کے ساتھی میرے حکم کی اطاعت کریں تو صلح نامہ لکھ کر ان سب کو میرے پاس بھیج دو۔ اگر انکار کریں تو حملہ کر دو یہاں تک کہ ان کو قتل کر کے مثلہ کر ڈالو کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں اور قتل کے بعد اس کے جسم اور سینہ کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرانا، وہ بڑا ظالم، جفاکار، خود سر اور نافرمان ہے۔ پس اگر ہمارے حکم کی تعمیل کرو گے تو تم سب تابعداروں اور فرمانبرداروں کو صلہ دیا جائے گا اور اگر کچھ بھی خلاف ورزی کا قصد ہو تو ہم تم کو معزول کرتے ہیں اور تمہارے بجائے شمر کو لشکر کی سرداری دیتے ہیں“

جس وقت یہ خط لکھا جا رہا تھا تو عبداللہ بن ابن نخل بن جزام پاس بیٹھا تھا۔ اس نے ابن زیاد سے اپنی پھوپھی ام البنینؑ کے چار بیٹوں کے لئے امان طلب کی۔ جس کا ذکر پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ شمر نے عمرو کے پاس پہنچ کر یہ خط عمرو کے حوالے کیا اور ساتھ اعلان کیا کہ ہماری بہن کے بیٹوں یعنی حضرت علیؑ کے چار بیٹے جو ام البنینؑ کے بطن سے ہیں ان کو امان ہے۔ شمر نے بہن کا جو لفظ استعمال کیا تو مورخین نے شمر کو جناب عباس علمبردارؑ وغیرہ کا ماموں قرار دے دیا اور مولانا ابوالکلام آزاد تک آج کل کے کسی مورخین نے یہ غلطی پھیلا دی اور تحقیق نہ کی۔ شمر ملعون نہ تو جناب عباسؑ کا ماموں تھا اور نہ انہوں نے اس کی امان قبول کی تھی بلکہ اس پر لعنت بھیجی۔

## امام حسینؑ کی ایک رات کی مہلت طلبی

عمرو نے جب جناب عباس علمبردارؑ کے ذریعے امام حسینؑ کو اس خط کے مضمون سے آگاہ کیا تو آپؑ نے ایک رات کی مہلت مانگی کہ آج کی رات وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں گے۔ عمرو نے شمر کی اجازت سے یہ مہلت دے دی۔ امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں نے رات بھر عبادت ضرور کی لیکن اصلی بات کچھ اور تھی۔ رات کے اندھیرے میں امام حسینؑ نے اپنے تمام

ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور ان کو آنے والے حالات سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا:

”اب یہاں سے بچ کر جانے کی تمام صورتیں ختم ہو چکی ہیں۔ اس لئے شاید دن کے وقت آپ لوگ میرا ساتھ کچھ حیا کی وجہ سے نہ چھوڑ سکتے ہوں۔ اس مجلس کے بعد پڑاؤ میں تمام چراغ گل کر دیئے جائیں گے تاکہ جو صاحب یہاں سے نکلنا چاہے وہ خاموشی سے نکل جائے۔“

یہ سن کر تمام ساتھی زار و قطار رونے لگے اور عرض کہ ”یا امام، ہم کو اور زیادہ امتحان میں نہ ڈالئے، ہماری حوصلہ افزائی کیجئے کہ ہم آخری دم تک آپ کے ساتھ رہ کر وہ فرض پورا کر سکیں جس میں آپ ہماری راہنمائی کر رہے ہیں کہ اس دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں کہ آپ کی راہنمائی میں ہم وہ کچھ کریں کہ آخرت میں آپ کے ساتھیوں کے ساتھ اٹھیں۔“ قارئین یہ تھی مومن کے مقصد حیات کی ایک اور جھلک۔ ہم ان ساتھیوں کے صحیح الفاظ سے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں کہ آپ لوگوں کا ایمان بھی تازہ ہو جائے:

جناب زہیر بن القیسن نے عرض کی ”یا امام! میں بلخبر کی لڑائی میں شریک تھا۔ وہاں پر بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا اور سب مجاہدین کو بے حساب حصہ ملا۔ جناب سلمان فارسیؓ بھی ہمارے ساتھ تھے فرمانے لگے، اے مجاہدو! اسلام میں اگر آپ کو حضور پاکؐ کی اولاد کا زمانہ ملے اور ان کی نصرت میں قتال کرو، تو اس مال غنیمت یا فتح سے وہ کام ہزار گنا بہتر خوشی کا مقام ہوگا“ جناب زہیر نے کہا کہ میں تو یہ پسند کروں کہ آپ کی نصرت میں قتل ہوں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل ہوں اور یہ سلسلہ جاری رہے۔“

جناب حبیب بن مظہر فرمانے لگے: ”بخدا، آپ کی رفاقت میں تو صرف ایک دفعہ قتل ہوں گا۔ میں تو اس وقت بھی آپ کی نصرت میں لڑتا جب آپ کی ہمراہی میں لڑتے ہوئے ستر دفعہ قتل ہوتا۔“

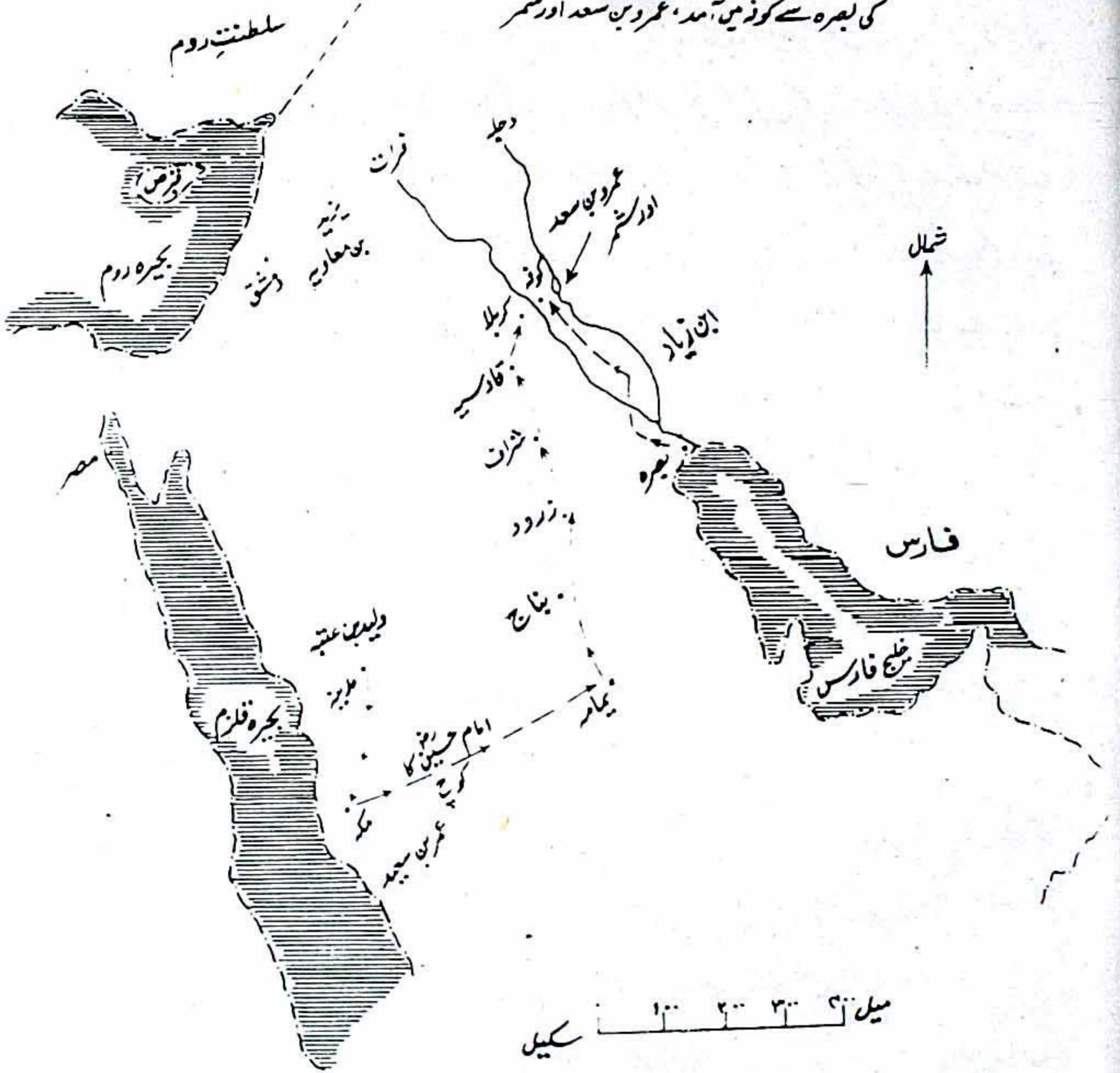
جناب مسلم بن عویجہ نے عرض کی ”اے امام! اب تو خدا کے فضل سے میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ بخدا اگر یہ نہ ہوتی تو پتھروں اور ہاتھوں سے لڑ کر آپ کی نصرت میں شامل ہوتا۔ اب انشا اللہ اس تلوار کا حق ادا کروں گا اور اس طرح امام حسینؑ کے تمام ہمراہی جن کی کل تعداد ۷۲ تھی۔ اپنے فلسفہ حیات کے امتحان کے عملی مظاہرے کو واقعہ سے چند لمحے پہلے اعلان کر رہے تھے یا نیت



نقشہ ہفتم

سائنحہ کربلا : امام حسین کا کربلا کی طرف کوچ اور ابن زیاد

کی بصرہ سے کوفہ میں آمد، عمرو بن سعد اور شمر



باندھ رہے تھے کہ اسلام میں نیت اور وعدہ کو بہت اونچا مقام دیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ ان ۷۲ ہمراہیوں میں اہل بیت سمیت ۳۲ سوار تھے اور چالیس پیادہ، عورتیں اور چھوٹے بچے الگ تھے۔

اب اندازہ لگائیں کہ یہ بہتر عظیم ہستیاں، پانچ ہزار کے لشکر کا مقابلہ کیسے کریں گے؛ ایک طریقہ جلال مصطفیٰ<sup>۱</sup> میں سقوط بغداد کے حوالے سے بتایا گیا ہے، کہ ایک منگول نے چالیس آدمیوں کو اکٹھا کر لیا اور ان کو قتل کرنے پر تیار ہوا تو ہاتھ میں تلوار نہ تھی کہ کوئی کلہاڑا وغیرہ تھا۔ وہ کہنے لگا کہ لیٹ جاؤ کہ وہ تلوار لے آئے تاکہ قتل کا کام جلدی ہو جائے۔ اس کے تلوار لانے تک صرف ایک آدمی کو فرار ہونے کی ہمت ہوئی، باقی بھیڑوں اور بکریوں کی طرح قربان ہو گئے لیکن یاد ہے کہ اسلام میں تو پستانی کی اجازت ہی نہیں، وہ بھی صرف حکمت عملی کے تحت اجازت ہے اور ایسی شرط میں کہ دوبارہ منظم ہو کر پھر لڑائی میں کود جاؤ، اسلام کے فلسفہ حیات کو سلطان ٹیپونے ایک فقرہ میں بیان کیا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی ہزار سال کی زندگی سے بہتر ہے۔ محمود غزنوی<sup>۲</sup> نے بھی ایک فقرہ میں بیان کیا کہ وہ روز قیامت کو محمود بت شکن کے نام سے پکارا جانا پسند کریں گے کہ حق کے راستے میں وہ بتوں کو پاش پاش کر دیتے تھے۔

پس یہ بے مومن کا مقصد حیات جس کی امام حسینؑ اور ان کے ساتھی کر بلا کے میدان میں عملی نشاندہی کر گئے۔

۱۰. محرم کو صبح کی نماز کے بعد عمرو نے اپنے پانچ ہزار لشکر کی صف بندی کی۔ مورخین نے اس کی تفصیل لکھی ہے، کون ملعون کہاں تھا۔ ہم کو اس سے دلچسپی نہیں۔ البتہ آگے سے جناب امام حسینؑ نے بھی صف بندی کی کہ اسلام لڑ کے مرنے کی اجازت دیتا ہے چنانچہ علمبرداری کا شرف جناب عباسؑ بن علیؑ کو نصیب ہوا۔ میمنہ پر جناب زبیرؑ بن العقیں تھے اور میسرہ پر جناب حبیبؑ بن مہرہ۔ اس کے بعد جناب امام عالی مقامؑ نے ایک اونٹنی منگوائی اور اس پر سوار ہو کر یزیدی لشکر کے سامنے خطبہ

۱: صفحہ ۱۲ سے استفادہ کریں

۲: جلال مصطفیٰ<sup>۱</sup> صفحہ ۳۶۵ سے استفادہ کریں۔

۳: جلال مصطفیٰ<sup>۲</sup> صفحہ ۳۷۹ سے استفادہ کریں۔

دیا۔ طبری سمیت متعدد مورخین نے اس خطبہ کو لفظ بلفظ لکھا ہے کہ سننے والے کہتے تھے کہ طرز بیان فصاحت و بلاغت سے بھرپور یہ خطبہ اپنی مثال آپ ہے لیکن افسوس کہ حب دنیا والوں پر اس کا اثر نہ ہوا۔ بہر حال ہم اس خطبہ کو تاریخ ابن خلدون کے ترجمہ سے نقل کر کے پیش کر رہے ہیں۔

آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر حضور پاک پر درود و سلام بھیجا۔ اور فرمایا:

”اے لوگو! میری بات سنو تاکہ میں آپ لوگوں کو اپنے آنے کا سبب بتا سکوں پس اگر تم میرے سبب، وجوہات یا عذر کو مان لو گے، میری بات کی تصدیق کرو گے، حق پسندی کرو گے تو تمہاری اس میں سعادت مندی ہے اور تمہارا اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اگر تم لوگ میری وجوہات اور سبب کو نہیں مانتے تو تم لوگ الگ جمع ہو کر مشورہ کرو تاکہ تمہارے اوپر کوئی شک نہ رہ جائے اس کے بعد میرے سامنے آؤ تو تمہیں نظر آئے گا کہ بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری ہے اور وہ صالحین کا ولی ہے۔“

”اے لوگو! تم میرے نسب پر نظر کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھو اور غور کرو کہ کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا یا میری آبروریزی کرنا واجب ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں اور ان کے چچا زاد بھائی کا بیٹا نہیں ہوں جو اول ترین مسلمان ہیں تو پھر کیا یہ تصدیق نہیں ہو جاتی کہ میں رسول اللہ کا ہی بیٹا ہوں کیا حمزہؓ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا جعفر الشہیدؓ جو جنت میں اڑ رہے ہیں وہ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم کو یہ خبر نہیں پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ تم دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہو اور اہل جنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، پس میں جو تم سے کہتا ہوں اس کی تصدیق کرو کہ یہی سچ ہے۔ بخدا جب سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والوں پر ناراض ہوتا ہے تو میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اگر تم مجھے جھوٹا جانتے ہو تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے یہ دریافت کرو گے تو وہ تم کو اس سے آگاہ کریں گے۔ جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری، ہبل بن سعید، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے دریافت کرو کہ وہ تم کو بتلائیں گے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تم کو میری خونریزی سے روکے؟ پس اگر تم لوگ میرے کہنے کو مشکوک سمجھتے

ہو یا میرے نواسہ رسول ہونے پر شک کرتے ہو، بخدا مشرق یا مغرب میں میرے سوا تمہارے نبی کا کوئی نواسہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو بتلاؤ۔ کیا میں نے تم میں سے کسی کو مار ڈالا ہے جس کا قصاص مجھ سے طلب کرتے ہو؛ یا کسی کے مال کو میں نے دبا لیا ہے۔ جس کا مجھ سے معاوضہ مانگتے ہو، وغیرہ۔“

اہل کوفہ یعنی عمرو کے لشکر میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو امام حسینؑ پکار اٹھے:

”اے ثابت بن ربیع، اے حجاز بن الجمر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن عمارت، کیا تم لوگوں نے مجھے یہ نہیں لکھا تھا کہ میوے پک گئے ہیں، باغ سرسبز ہو رہے ہیں۔ تالاب پھلک رہے ہیں، آپ کی نصرت کے لئے لشکر یہاں آراستہ ہیں۔ آئیے۔“

آگے سے خاموشی چھا گئی اور گویہ چاروں یزیدی لشکر میں شامل تھے لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ امام حسینؑ پھر پکار اٹھے: ”واللہ تم نے لکھا تھا لیکن اب اگر وعدہ پر قائم نہیں رہ سکتے یا ویسے ناگوار گزارا کہ میں کیوں آگیا، تو اب مجھے دنیا میں کسی گوشہ امن کی طرف جانے دو۔“

اب کی دفعہ قیس بن اشعث بول اٹھا۔ ”ابن زیاد کی اطاعت کیوں نہیں کر لیتے؟“

امام حسینؑ نے فرمایا: ”میں ایک ذخیرہ و خوار شخص کی اطاعت کرنے کی بجائے موت کو زیادہ پسند کروں گا۔“

یہ کہنے کے بعد آپؑ نے اپنی اونٹنی بٹھادی۔

## تبصرہ

ہمیں بار بار تبصرہ کرنے کی ضرورت اس لئے ہو رہی ہے کہ افسانوی رنگ کے علاوہ جو لوگ اپنے بودے عقل کے دنیاوی پیمانوں سے واقعہ کو بلا پر تبصرہ کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے فلاں مشورہ مان لیا ہوتا، یا یہ نہ کرتے اور وہ نہ کرتے۔ ایسے لوگ اسلامی فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصد زندگی سے نا بلد ہیں۔ ہم نے ہر پہلو کو دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا۔ امام عالی مقام نے اپنے کوفہ آنے کی وجہ بھی بتادی اور خط لکھنے والوں کے نام بھی بتادیے۔ یہ ثابت بن ربیع کوئی معمولی آدمی نہ تھا، اس کا ذکر جنگ صفین میں ہو چکا ہے کہ اپنے آپ کو مرد حق کہتا تھا۔

قیس اور اس کے باپ اشعث کا بھی جنگ صفین یا جنگ نہروان کے سلسلہ میں اور پہلے بھی تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ باقی دونوں بھی اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

امام عالی مقامؑ نے اپنے آنے کا مقصد اور وعدہ پورا کرنے والی بات کا اعلان کر دیا اور اب امن کی طرف جانے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی عزت کی زندگی اور موت کی پسندیدگی کی بات بھی کر دی۔ قارئین انہی زندگی کے مقاصد کی ہم کو تلاش تھی اور وہ بتدریج بیان کئے جا رہے ہیں۔ ایک اور چیز بھی سامنے آتی ہے کہ امام حسینؑ نے چار صحابہ کرامؓ کا بھی ذکر کیا کہ وہ تمہارے بیچ موجود ہیں کیا وہ صحابہ کرامؓ لشکر میں موجود تھے؟ اگر ایسا ہوتا تو امام حسینؑ ان کو بھی پکارتے اور یہ موجودگی شاید ان کے زندہ ہونے کا ذکر ہے یا وہ لوگ کوفہ میں موجود ہوں۔ ویسے اس زمانے میں متعدد اور صحابہ کرامؓ یعنی جناب عبداللہؓ بن عمرؓ اور جناب عبداللہؓ بن زبیرؓ وغیرہ بھی زندہ تھے لیکن وہ لوگ مکہ شریف میں تھے اس لئے ممکن ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کا نام لیا گیا وہ ملک عراق اور شام میں موجود ہوں۔ ہمارا ایمان ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ صحابہ کرامؓ یزیدی لشکر میں شامل تھے اور خیر قیس بن اشعث وغیرہ کی قسم کے لوگ تو ساری عمر بکاؤ مال رہے اور انہوں نے وقت کو سلام کیا ہے۔

### حضرت یزیدؓ

البتہ قبیلہ تمیم کے حضرت ضمیرؓ پر ضرور اثر ہوا اور وہ اکیلے یزید کے لشکر سے الگ ہو کر امام عالی مقامؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ ساتھ خاندان کے نام کو بھی چار چاند لگا گئے۔ یہ جہان اور آخرت دونوں حاصل کر لئے، ہم جناب حضرتؓ کو سلام کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک ہی عمل یا ادا سے سب کچھ حاصل کر لیا۔ اگر خالی لشکر سے الگ ہو کر ان حالات سے کنارہ کشی کر لیتے تو بھی عظیم کاروائی تھی بلکہ آپؑ نے اٹا یزید کے لشکر کو خطاب کیا اور ان کے ضمیر کو جگانے کی کوشش کی۔ آپؑ کے علاوہ امام حسینؑ کے لشکر میں سے جناب زبیرؓ بن العقیل وغیرہ متعدد ساتھیوں نے یزیدیوں کے ضمیر کو جگانے کی کوشش کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

## عمر بن سعد کا تیر

اب لشکر صف آرا ہو چکے تھے اور یزیدی لشکر کا کمانڈر عمرو آگے بڑھا اور دنیا کا لاپٹ سا منہ رکھتے ہوئے ایک تیر امام حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر پر چلا دیا اور پکار اٹھا کہ "لوگو! گواہ رہنا سب سے پہلا تیر میں نے چلایا" اور اس کے بعد یزیدی لشکر نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

## تبصرہ

انسوس کہ عمرو یہ تیر ابن زیاد کی خوشنودی کے لئے چلا رہا تھا۔ بے چارہ بد نصیب تھا اور شاید اس کو یاد نہ رہا کہ حق کے راستے میں پہلا تیر چلانے والے اس کے عظیم والد جناب سعد بن ابی وقاص تھے۔ روز قیامت میں یہ معاملہ عمرو اور اس کے اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے لیکن عمرو کو دیکھ کر جناب سعد بن ابی وقاص کو یا حضور پاک سے کچھ وقفہ پوشیدگی اختیار کرنا پڑے گی یا بیٹے کی طرف سے نظریں موڑنا پڑیں گی۔ بہر حال چند سال بعد عمرو سمیت اس کی تمام اولاد والے مختار ثقفی کی تلوار کے سامنے تڑپتے رہے۔ قارئین! امتحان بڑا سخت ہے اور اللہ تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر کی دعا کی جائے۔ حضرت نوحؑ جیسے عظیم پیغمبر کا بیٹا بھی گمراہ ہو گیا تھا۔

## جنگ کی کارروائی

قارئین! ہم جنگ کی تفصیل میں نہ جائیں گے۔ ہمیں جو اصول اور حق کی باتیں کرنا تھیں اور جن چیزوں سے اسباق نکلانے تھے وہ سب بیان کر دی گئی ہیں۔ لڑائی کئی گھنٹے جاری رہی۔ دشمن کے اٹھاسی آدمی ہلاک ہوئے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے لشکر کے تقریباً تمام مجاہدین شہید ہوئے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور جنگ میں شرکت نہ کی وہ بچ گئے۔ امام حسنؑ کے دو بچے جن کی عمر بارہ یا تیرہ سال تھی۔ وہ بھی جنگ میں شریک نہ ہوئے اور بچ گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ شادی شدہ تھے اور ان کے لڑکے امام باقر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت چند روز کے معصوم تھے لیکن پرانے مورخ ایسا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

## شہدائے کربلا

کربلا کے میدان میں سترہ یا اٹھارہ شہداء جن کا تعلق اہل بیت سے تھا۔ ان کے اسمائے گرامی لکھے جا چکے ہیں۔ باقی جو نام معلوم ہو سکے ہیں ان میں چند یہ عظیم ہستیاں ہیں :

جناب حُر بن یزید، جناب زبیر بن العقیق، جناب حبیب بن مطہر، جناب بریر بن حفص، جناب مسلم بن عجور، جناب نافع بن بلال، جناب عبداللہ، جناب عبدالرحمن، پسران عمر زہ غفاری، جناب مالک بن عبد (دونوں صاحبان چچازاد بھائی بھی تھے) جناب سیف بن حارث، جناب حنظلہ بن اسد، جناب عابس بن ابی شیبہ اور آپ کے خادم جناب شوذب بن یزید بن ابی زیاد کنڈی مایہ ناز تیر انداز، جناب سوید بن عمر، جناب بشیر بن عمر حضرمی، جناب عمر بن خالد اور ان کے خادم سعد، جناب جابر بن حارث، جناب مجمع بن عبداللہ۔ یہاں پر یزید بن ابی زیاد کے بائے میں یہ لکھنا ضروری ہے کہ آپ شاعر بھی تھے اور ابوششاک کے نام سے مشہور تھے۔ تیر اندازی میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے۔ آپ عمرو بن سعد کے لشکر میں تھے اور جناب حُر سے بھی پہلے یزیدی لشکر کو چھوڑ کر امام حسین کے ساتھ آکر شامل ہو گئے تھے کہ امام حسین کو ناجائز شرطیں پیش کی جا رہی تھیں ایک اور شہید عمر بن قرظہ کا ایک بھائی یزیدی لشکر میں تھا۔

ان شہداء کے نام لکھ کر ہم اپنے ایمان کو تازہ کر رہے ہیں کہ انہوں نے دو جہان حاصل کئے یزیدی لشکر والوں پر اس جہان میں بھی ٹھپکار اور آخرت بھی برباد اور پھر چند سال بعد ان زیاد سمیت ان میں سے اکثر پر ذلت کا زمانہ آیا اور ان کے ساتھ جو کچھ مختار ثقفی یا ان کے لشکر والوں نے کیا وہ الگ کتاب کا مضمون ہے اور اس میں بڑی عبرت ہے۔

## افسوسناک روایت

لیکن سب سے بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ یزیدی لشکر والوں نے تمام شہداء کے سر کاٹ ڈالے اور میدان جنگ میں لاشوں پر گھوڑے دوڑائے۔ شہداء کو دفن تک نہ کیا اور جو ان کے اپنے مردود جنگ میں ماسے گئے صرف ان کو دفن کیا۔ امام حسین کے لشکر کو بنو اسد کے ایک

قبیلہ کے لوگوں نے جنگ سے دوسرے دن دفن کیا۔ یہ لوگ نزدیک ایک گاؤں عاصریہ سے آئے تھے۔ یزیدی لشکر والوں نے تمام عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور شہداء کے سر نیزوں پر اٹھا کر پہلے کو ذگئے اور پھر دمشق روانہ ہو گئے۔

ہم اگلے واقعات کی تفصیل میں بھی نہ جائیں گے لیکن جن قبیلوں نے یزید کی فوج میں شرکت کی تھی انہوں نے شہداء کے سر اپنے نیزوں پر اس طرح اٹھائے ہوئے تھے جیسے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ قبیلہ کندہ جس کا سردار قیس بن اشعث تھا انہوں نے تیرہ شہداء کے سر اٹھائے ہوئے تھے، بنو اسد نے چھ، بنو فدیج نے سات اور اسی طرح اسی نسبت سے باقی قبائل نے بھی شہداء کے سر اپنے نیزوں پر اٹھائے اور وہ دمشق یزید کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جا رہے تھے (نعوذ باللہ)۔

## یزید کا رویہ

کچھ مورخین کہتے ہیں کہ یزید نے کچھ افسوس ضرور کیا کہ اس نے ابن زیاد کو اس حد تک جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ لیکن کچھ کہتے ہیں کہ اس مردود نے اپنی چھڑی تک جناب امام حسینؑ کے دندان مبارک پر لگائی۔ یہ بھی روایت ہے کہ امام زین العابدینؑ اور عورتوں اور بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا اور یزید کے گھر سے رونے کی آواز بھی آئی۔ رونے والی بات البتہ تسلیم کی جا سکتی ہے کہ یزید کی بیوی ام کلثوم کا دادا عامر، حضرت علیؑ کی پھوپھی کا بیٹا تھا اور یزید کی دوسری بیوی ہندہ نے بھی آہ و زاری کی۔ یزید نے اگر کوئی نرم الفاظ استعمال کئے تو یہ سیاست تھی کہ وہ فکر مند ہوا ہو گا کہ دمشق میں کہرام نہ مچ جائے اور بے شک مدینہ شریف میں تو بعد میں کہرام مچ بھی گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ کیا جو کچھ ہوا۔ وہ یزید کی بے خبری یا نادانی کی وجہ سے ہوا، ہرگز نہیں! اگر ایسا ہوتا تو ابن زیاد کے لشکر والے شہداء کے سر اٹھا کر دمشق کی طرف اس طرح فخر سے نہ چل کر آتے۔ وہ ایسے چل کر آ رہے تھے جیسے انہوں نے ساری دنیا کو فتح کر ڈالا تھا۔ بے شک امام حسینؑ کی شہادت کی خبر بہت پہلے دمشق پہنچ چکی ہوگی اور اگر یزید نام ہوتا



تو شہداء کے سر اس ڈرامائی انداز میں نہ اٹھائے جاتے اور نہ اہل بیت قیدیوں کی حالت میں دمشق پہنچتے، یہ سب ڈرامہ اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے کیا جا رہا تھا اور ذرا بھر بھی ندامت نہ تھی۔ ہم نے یزید، ابن زیاد، سمر اور عمرو چاروں کی اس سلسلہ میں ذمہ داری پر تبصرہ کر دیا ہے اور ہم واقعہ کو بلا کا جائزہ تو ویسے بھی پیش نہیں کر رہے۔ ہم نے تو یہ واقعہ مومن کے مقصد حیات کے عملی، روحانی اور واقعاتی پہلو کے تحت مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اسی وجہ سے نتائج و اسباق پیش نہیں کئے جا رہے۔

یہ ہیں مومن کے مقصد حیات اور اسلام کے حاکم وقت کی ضروریات۔ اگلے باب میں ہم مسلمان حکمران کی ذمہ داریوں اور اسلامی نظام حکومت پر مختصر تبصرہ کریں گے اور پھر اسلامی فلسفہ حیات کے عملی پہلو کا خلاصہ پیش کیا جائے گا کہ ہم لوگ نہ تو حق و باطل کو سمجھتے ہیں اور نہ حرب و ضرب سے شدہ بدھ رکھتے ہیں۔

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے

تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے

(اقبال)

## آٹھواں باب

# اسلام کا نظام حکومت

اور

## حاکم وقت اور لوگوں کی ذمہ داریاں

تمہید

ان چار کتابوں میں حکمت عملی کے تحت جو کامیابیاں نصیب ہوئیں یا غلطیوں کی صورت میں جو خراب نتیجے نکلے۔ ان سب حالات کے جائزے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ جو کچھ ہوا وہ کسی نظام حکومت کے تحت ہوا اور آگے حاکم وقت یا لوگوں کی کارروائیوں کے اثرات ہوئے۔ موٹے طور پر پہلے دو خلفائے راشدین کے زمانے میں اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے آٹھ سالوں میں ہر طرح سے اور ہر پہلو میں کامیابی نصیب ہوئی۔ حاکم وقت جو اولی الامر تھے انہوں نے حکومت صحیح اسلامی اصولوں کے تحت کی۔ لوگوں نے ہر طرح سے ان کے ساتھ تعاون کیا تو وہ اسلام کا سنہری دور قرار پایا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دو سالوں میں حاکم وقت نے تو اسی طرح اپنی ذمہ داری نبھائی لیکن لوگوں نے آزادی فکر اور آزادی عمل اختیار کر کے فتنہ و فساد برپا کر دیا تو تمام فتوحات رک گئیں اور اسلام کے مرکز پر بھی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجہ سے سخت چوٹ پڑی۔

حضرت علیؓ نے مجبوری کے تحت خلافت سنبھالی کہ مرکز کو سہارا دینا ضروری ہو گیا تھا لیکن فتنہ و نساد والوں کی سازش گہری تھی جیت دُنیا بھی آگئی، خود غرضی اور مطلب پرستی کو دور دورہ ہو گیا تو ندرونی خلفشار اور خانہ جنگی شروع ہو گئی اور قوم میں کئی "افلاطون" پیدا ہو گئے۔ نتیجہ خارجیوں کی نگرہ بندی اور حضرت علیؓ کی شہادت کی صورت میں نکلا لیکن جناب امام حسنؓ نے حُب دُنیا کو لات

ماری اور خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ تو سنہ ۱۹۱۷ء میں پھر وحدت شروع ہو گئی اور مرکزیت بھی مل گئی۔ آئندہ بیس سال اسلام کی تاریخ کا شاندار دور تھا کہ ہم وسط ایشیا سے لے کر بحر اوقیانوس تک پہنچ گئے، تطنطنیہ کے دروازے کھٹکھٹائے۔ بحیرہ روم کو اپنی جھیل بنالیا اور سسلی و کریٹ پر بھی حملہ آور ہوتے رہے۔

لیکن پھر ایک فاسق و فاجر آگیا جو ہماری تاریخ میں یزید کے نام سے موسوم ہے۔ پھر وہی حب دنیا عیاشی، بے فکری اور باطل فلسفوں کی پیروی شروع ہو گئی لیکن نواسہ رسولؐ نے حق کے راستے کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے سارے کنبے اور رفقاء کی قربانی سے دی جو قرآن پاک کے الفاظ میں ذبح عظیم کے طور پر بیان کی گئی اور حق کے راستے یعنی صراطِ مستقیم کی نشاندہی ہو گئی۔

## نشانِ راہ

تاریخ کے اس بامقصد مطالعہ کے بعد جہاں پر ہم نے صرف عمل لکھا اور عمل تلاش کیا تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ چودہ سو سال میں جو پہلی دفعہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام پر ایک ملک قائم ہوا ہے تو اس کے لئے کوئی ایسا نظام حکومت تلاش کیا جائے جہاں حاکم وقت اور لوگوں کی ذمہ داری کی نشاندہی بھی کر دی جائے مضمون بہت مشکل ہے اور پوری کتاب کا مضمون ہے لیکن ہم زیادہ تر صرف ان باتوں کی نشاندہی کریں گے جو دراصل باطل فلسفے کے اصول اور تمہیجات ہیں لیکن پچھلے دو سالوں کی غلامی اور کچھ پہلی غلطیوں کی وجہ سے ہم ان باطل چیزوں کو اسلامی اصول سمجھنے لگ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ ہمیں تنبیہ کر گئے تھے کہ ”خبردار جو باطل کو نہیں سمجھتا وہ اسلام کو پاش پاش کر دے گا“ اس لئے ہم حق کی حینک پہن کر ان باطل چیزوں کو تلاش کریں گے جو آج کل ہمارا اڑھٹنا بچھونا بنی ہوئی ہیں اور اس کے بعد چند اصولوں کا ذکر کریں گے کہ اسلامی فلسفہ حیات کیسے اپنائیں کہ اس سے اگلا باب ہمارے نظریہ حیات پر ہے۔

## نظام حکومت کی وضاحت

اسلام دینِ فطرت ہے، قرآن پاک عملی طور پر فوجی زبان میں ہے کہ زیادہ زور امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر پر ہے۔ سنت میں بے شمار عملی مثالیں موجود ہیں اور ان چار کتابوں میں ہم نے حضور پاکؐ کے عظیم رفقاءؓ کے عمل لکھ دیئے یعنی ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے لیکن ان باتوں کا خلاصہ کہیں سے نہیں مل رہا کہ نظام حکومت کو چند لفظوں میں کسی عالم یا بزرگ کے الفاظ میں بیان کریں۔ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں امام غزالیؒ نے حاکم وقت کی ذمہ داریاں پر بہت کچھ لکھا اور پندرہویں صدی میں ابن خلدون نے اسلام کے سیاسی فلسفہ کی کچھ نشاندہی کی۔ لیکن یہ چیزیں بھی اب "قدیم" کے زمرہ میں آتی ہیں۔ پرانے فقہوں کے بارے میں پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ ہمارے علماء نے بڑے کام کئے لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کہیں سے فقہ وحدت یا "فقہ عسکریت" تلاش کریں کہ پہلے ہم پاکستان میں پوری قوم کو اللہ کی فوج بنا دیں اور پھر ساری امت کو ایک کر دیں۔ اس سلسلہ میں انیسویں صدی میں ہمارے دانشوروں میں جمال الدین افغانیؒ کے خیالات سے مدد مل سکتی ہے اور اس صدی میں علامہ اقبالؒ اور سید قطب شہیدؒ کی کتابوں سے یا ابوالحسن ندوی کی چند کتابوں سے یہ مدد مل سکتی ہے کہ مغربی خیالات نے ہمیں کیا کیا نقصان پہنچائے ہیں۔

## تحتس

چنانچہ ہمارا یہ باب ایک تحتس ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اپنے ماضی قریب کی تاریخ میں جانا ہوگا کہ ہماری موجودہ سوچ پر اس زمانے نے کیا اثرات ڈالے اور اگر یہ خیالات یا اثرات غیر اسلامی ہیں تو پھر ان تلمیحات، نظریات یا اصطلاحات سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں۔

## انگریزی دور

انگریز نے اپنے دور حکومت میں مغربی طرز کے تعلیمی ادارے کھولے اور ان کے ذریعے پورے برصغیر کو فرنگی تہذیب کا گرویدہ بنا دیا۔ غیر ملکی فرنگی حکومت نے اقتدار چونکہ مسلمانوں سے چھینا تھا۔ لہذا اسلام اور اس کے پیروکار، زیادہ تختہ مشق بنے۔ خاص کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلام کے فلسفہ جہاد کو دین سے نابود کرنے کی کوشش کی گئی یا اسے کچھ اس قسم کے معانی پہنا

لہ: جلال مصطفیٰ صفحہ ۱۸ سے استفادہ کریں۔

دیئے گئے کہ یہ فریضہ معطل ہو کر رہ گیا۔ ترک جہاد کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں اہل اسلام بڑی سفاکی سے بھیڑ بکریوں کی طرح قتل و غارت کا نشانہ بنے یا انہیں بزور شمشیر پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ انگریزی تعلیم کا مقصد بالو یا سرکاری نوکر پیدا کرنا تھا یا زیادہ سے زیادہ کچھ ڈاکٹر اور وکیل بن گئے لیکن یہ پیشے بھی مغربی ثقافت میں اس طرح ننگے ہوئے تھے کہ وہ ہمیں باطل تہذیبوں کا غلام بنا دیتے ہیں بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے گرد بھی کچھ لادینیت کے چکر لپیٹ دیئے گئے ہیں کہ وہ بھی ہمیں اسلام سے دور کرتے ہیں۔ خیر و کالت یا عدلیہ تو مکمل یونانی اور رومن قانون کی غلامی ہے جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ معاشرتی علوم یعنی تواریخ یا فرنگی مدنیت اس طرح پڑھائی جاتی ہے کہ ملک صرف جغرافیائی یا لسانی بنیادوں پر بنتے ہیں اور اس لحاظ سے ہم ایک ملک ہو بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ ہم نے ملک کی آزادی کی اینٹ ان علوم کے تحت رکھی۔

## پاکستان کا وجود میں آنا

ہم اس تفصیل میں نہ جائیں گے کہ پاکستان کس طرح وجود میں آیا، سوائے اس کے کہ غلام آدمیوں کے سامنے یہ فلسفہ پیش کیا گیا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ہے اور پاکستان اس وجہ سے وجود میں آیا، نہ کہ فرنگی مدنیت کے چند تعلیم یافتہ لوگوں کی وجہ سے جن کی تعداد پانچ فی صد ہوگی اور ان میں سے بھی آدھوں کے قریب لوگوں نے پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ ہاں قائد اعظم اور اس کے چند مخلص رفقاء یا علامہ اقبالؒ کی اس سلسلہ میں خدمات البتہ سنہری الفاظ میں لکھی جاسکتی ہیں لیکن پاکستان کے متعدد اور خالقوں نے برسرِ اقتدار قوم کے رخ کو مکہ و مدینہ کی طرف کبھی نہ کیا۔ ان لوگوں کو انگریزوں نے اپنی درسگاہوں میں تیار کیا تھا اور یہ لوگ کالجوں میں فرنگی مدنیت پڑھ چکے تھے۔ اس لئے یہ لوگ فرنگی نظام حکومت کے بغیر اور کسی نظام کے بسے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ اس سب کا ہمارے اوپر یہ اثر ہوا کہ بے شمار نظریات،

تلمیحات اور اصطلاحات ہمارے ایمان یا عمل کا حصہ بن گئیں۔ ان میں چند یہ ہیں: آزادی، مغربی جمہوریت، سیاسی پارٹیاں، صدارتی نظام، پارلیمانی نظام، پارلیمنٹ، سپیکر، تحریک، تحریک التواء، حق استحقاق، نکتہ استحقاق، الیکشن، الیکشن کمشنر، بلیٹ، بلیٹ پیپر، ووٹ، پریذائیڈنگ افسر، ریٹرننگ افسر، انتخابی مہم، بحث برائے بحث، مقننہ یعنی قانون ساز اسمبلی، کونسل اور یونین کونسل وغیرہ۔ اب غیر جانبدار قسم کی تلمیحات یا نظریات یا ایسی تلمیحات جو حق کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں، ان کو اپنانے میں کوئی ہرج تو نہیں ہوتا لیکن بد قسمتی سے یہ تلمیحات ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہمارے اوپر اس طرح چھا گئیں کہ ہمارا اپنا نظام جو ہم ان چار کتابوں میں پیش کر چکے ہیں وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور ان میں سے بعض اصطلاحات غیر اسلامی تھیں۔ یعنی اسلام کے طریق کار کی ضد بھی تھیں۔ اس لئے ان اصطلاحات میں سے یا اس قسم کی چند اور اصطلاحات کا ہم مختصر ذکر ضرور کریں گے کہ انہوں نے ہمیں کیا نقصان پہنچائے۔ حالانکہ علامہ اقبال فرما گئے تھے:

سوال مے نہ کروں ساقی فرنگ سے

کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں

## آزادی فکر و آزادی عمل

آزادی کا دلفریب نعرہ، دراصل مغربی جمہوریت کی پیداوار ہے۔ بے شک حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور اس کو غلام نہ بنایا جائے اور حضور پاکؐ نے بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑوایا لیکن مسلمان اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے اور اسلام کسی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ حیوانیت کی طرف ایک پیش قدمی ہوگی کہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

ہم تیسری کتاب کی نویں باب میں اس آزادی فکر کے نتائج بیان کر چکے ہیں کہ بقول علامہ اقبالؒ کہ ایسی فکر خام ہو تو اس سے انسان حیوان بن جاتا ہے اور قارئین پڑھ چکے ہیں کہ اس آزادی فکر اور

آزادی عمل نے پہلے ہمارے مرکز کو پاش پاش کیا، پھر خارجی پیدا ہوئے جنہوں نے آگے معتزہ، قدریہ، جبریہ اور باطنیہ وغیرہ گروہ پیدا کئے اور اس سب کے اثر مسلمانوں پر اس طرح ہوئے کہ گو ہمارے علماء یا اماموں نے خود کسی فقہی گروہ کی بنیاد نہ ڈالی اور اکثر نے فقہ لکھا بھی نہ۔ لیکن ہم خواہ مخواہ فقہی گروہوں میں بٹ گئے اور جب کسی نے ان گروہوں کو ختم کرنے کی کوشش کی تو آگے چل کر ہم "مقلد" اور "غیر مقلد" گروہوں میں بٹ گئے۔ چنانچہ اس آزادی فکر نے ہمیں "فقہ وحدت" یا "فقہ عسکریت" کے بارے میں کچھ نہ سوچنے دیا۔ اس لئے جو آزادی فکر یا آزادی عمل ہماری وحدت کو پارہ پارہ کرے اس کو اپنانے کی اجازت نہیں اور نہ ہی مفسدین یا سازشی لوگوں کو حکومت ایسی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ باطل فکر پھیلائیں اور لوگوں کو باطل عمل کی طرف مائل کریں یا لوگوں کو ایسی باتوں پر اکسائیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

## کلمہ حق

آزادی فکر کو محدود کرنے کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اسلام میں کلمہ حق کی بھی اجازت نہیں بلکہ اسلام کے لحاظ سے جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد ہے اور پہلی کتاب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ اول نے فرمایا: "کہ حاکم وقت کے سامنے سچ بولنا بہت بڑی وفاداری ہے اور سچ کو چھپانا غداری ہے۔ ہمارے خلفائے راشدین نے گورنروں کے خلاف الزام سنے اور تیسری کتاب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ایک گورنر بری قرار دیا گیا دوسرے کو گورنری سے ہٹا دیا گیا اور سزا بھی ملی حالانکہ ثبوت صرف اتنا تھا کہ اس نے شراب کی قے کی تو کلمہ حق دین فطرت کی ضرورت ہے لیکن کلمہ حق کہنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سچ بولنا تو پھر بھی آسان ہوتا ہے لیکن سچ سننا مشکل ہوتا ہے اس لئے کلمہ حق کسی ضرورت یا مدعا کے تحت بولا جائے اور حاکم وقت تو کلمہ حق سن لیتے ہیں۔ ہمارے ملک کے دوسرے براہوں کے ساتھ باری باری راقم کا ستمبر ۷۰ء اور فروری ۷۲ء میں واسطہ پڑا اور ان کو سچ بتایا گیا لیکن وہاں پر خوشامدی زیادہ تھے اور ہامان کی قسم کے شیر تھے جو لوگوں کو فرعون بنا دیتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں حاکم وقت اور لوگوں دونوں پر بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اگر اسلامی حکومت میں اس کے لئے صحیح طریقہ نہیں بتایا جاتا تو پھر وہ دین فطرت کی حکومت

نہیں رہتی۔

## مغربی جمہوریت

در اصل اس آزادی فکر کی بڑی ماں یہ مغربی جمہوریت ہے جس کو ہمارے "دانشور" ایک جدید سائنسی نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اس کو اس زمانے میں اپنانا ضروری ہے۔ ورنہ لوگ ہمیں قدامت پسند کہیں گے اول تو اسلام اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے یہاں اللہ اور رسول کا حکم چلتا ہے۔ دوم جمہوریت یونان میں قبل مسیح سے جاری ہے حضور پاک کی نبوت سے پہلے مکہ میں بھی قبائلی جمہوریت تھی اور یونانی فلسفہ کے تحت حکومت ایک وفاق تھی۔ عمرو بن ہشام اس طرز حکومت اور فلسفہ کا ماہر تھا، تب ہی اس کو دانائی کا باپ (ابو الحکم) کہتے ہیں لیکن یہ بدقسمت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور امریت اور حضور پاک کے لئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دشمن بن گیا تو آج ہم اس کو جہالت کے باپ (ابو جہل) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مغربی جمہوریت، اسلام کی ضد ہے کہ ہمارے لحاظ سے اللہ تعالیٰ حاکم ہے اور اس کا امر چلتا ہے اور مغربی جمہوریت میں لوگوں کی مرضی چلتی ہے۔ اس لئے وہ غیر اسلامی فلسفہ ہے۔

در اصل ہماری قرارداد مقاصد ۱۹۴۹ء میں بھی ہم سے بھول ہو گئی کہ اس کی رو سے ہم خلیفۃ اللہ یا اللہ کے نائب بن گئے۔ خلیفۃ اللہ صرف نبی ہوتا ہے اور ہمارے خلفائے راشدین اپنے آپ کو خلیفۃ الرسول کہتے تھے، دین مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس کو جاری کرنا ہے۔ مشورہ اللہ تعالیٰ کے امر میں ہے۔ قانون مل چکا ہے۔ مقننہ یا قانون ساز اسمبلی یا اور ایسی اصطلاحیں غیر اسلامی ہیں جمہوریت گروہ بندی اور سیاسی پارٹیوں کو جنم دیتی ہے اور انتخاب کے ذریعہ سے طبقاتی نفرت پیدا کی جاتی ہے۔ یہ بڑے وسیع مضمون ہیں اور ان تمام طریقوں کی علامتہ اقبالؒ بھی مخالفت کر گئے اور کہا:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں      نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے  
ایکشن ممبری، کونسل صدارت      بنائے خوب آزادی نے پھندے



میاں نجار بھی پھیلے گئے ساتھ نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

## مشاورت

اسلام میں حزب اختلاف یا حزب اقتدار کا الگ الگ کوئی تصور نہیں اور نہ ہی سیاسی گروہ بندی یا کسی فرقہ بندی کا تصور ہے۔ پوری قوم ایک بنیان المرصوص ہوتی ہے اور حکومت اسلامی فلسفہ حیات یعنی قرآن پاک اور حضور پاک کی سنت کے تحت چلائی جاتی ہے۔ ان اصولوں خاص کر اسلامی فلسفہ حیات کا خلاصہ لگے باب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن جمہوریت کی طرح اسلام طبقاتی، یا گروہی ناسندگی کا کوئی تصور نہیں دیتا۔ وہاں مشاورت کے لئے کسی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول ان لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسلام کے فلسفہ حیات اور اصولوں کو سمجھیں کہ وہ صحیح مشورے دے سکیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ دوم ان ہنرمند لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو زراعت، مالیات، تجارت، بیرونی تعلقات، دفاع، تعلیم، وغیرہ کے سلسلہ میں مشورہ دیں لیکن یہ اصول بھی اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہوں۔ سوم ایسے ماہرین یا علاقے کے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی خاص علاقے سے وابستہ خاص اور الگ قسم کے ماحول کے باسے واقف ہوں اور علاقائی اثرات کا مطالعہ کر کے وہاں کی بہتری کے لئے مشورہ دے سکیں۔ قوم نے ایسے لوگوں کو بھی تلاش کرنا ہوگا کہ اسلام میں خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو ناسندگی کے لئے یا حکومت کے لئے پیش نہیں کیا جاتا اور تمام تر مغربی طریقوں یعنی پارلیمانی نظام، صدارتی نظام وغیرہ کی اصطلاحوں کو ختم کر کے نظام مصطفیٰ کے لفظ کو استعمال کرنا ہوگا جو ہمارا ۱۹۷۷ء کا نعرہ تھا۔

## نظام مصطفیٰ

بے شک نظام مصطفیٰ کی تمام باتوں پر یہاں تبصرہ کرنا مشکل ہے کہ ایسا کام کرنے کے لئے ایک "اولی الامر" کی ضرورت ہے جو قرآن پاک کے مطابق اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ہو اور مجلس مشاورت کی مدد کے ساتھ ایسے ہی شخص نے اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کرنا

ہوگا۔ یہ شخص کہاں سے آئے گا۔ اس کا جواب مشکل نہیں جو سربراہ حکومت موجود ہو اسی کو امیر پاکستان اور "اولی الامر" بننے کی دعوت دی جائے اور اگر وہ یہ نہ مانے یا "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" نہ ہو تو پھر کسی اور کو تلاش کرنا ہوگا اور آئندہ جانشینی کیسے ہو۔ اس میں ایک طریقہ جناب صدیق اکبرؓ نے اختیار کیا جس کا ذکر دوسری کتاب میں ہے کہ اپنا جانشین منتخب کر دیا۔ دوسرا طریقہ جناب فاروقؓ اور جناب علیؓ نے کیا کہ معاملات مجلس مشاورت پر چھوڑ دیئے اور بے شک جناب عثمانؓ کو کچھ کرنے کی مہلت نہ ملی۔

ان مثالوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم "اولی الامر" اور اس کی جانشینی کے معاملات کی کچھ اور زیادہ تفصیل میں جاسکتے ہیں کہ جانشین پہلے حاکم کا رشتہ دار نہ ہو اور اس کو مقرر کر کے مجلس مشاورت یا قوم سے منظوری لی جائے وغیرہ۔ یہ معاملات اتنے مشکل نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اسلام کیا ہے اور اس اسلام کو کیسے جاری و ساری کیا جائے۔ فی الحال ہمیں باقی غلط اور باطل یا غیر اسلامی اصطلاحوں یا طور طریقوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا جن میں چند اور بھی ہیں۔

## بحث برائے بحث

مغربی نظاموں کی امبلیوں میں چونکہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف ضروری ہے تو اکثر بحث صرف بحث کے لئے کی جاتی ہے کہ حزب اختلاف کے لئے ضروری ہے کہ وہ حزب اقتدار کی مخالفت کرے۔ اس وجہ سے کئی فضول الفاظ جیسے سپیکر، تحریک، تحریک التوا، حق استحقاق، نکتہ استحقاق وغیرہ ہمارے اوپر چھا گئے۔ اول تو اسلام میں اکثریت اور اہلیت کا کوئی تصور نہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اکثریت کو گمراہ کہا ہے اور اگر خلیفہ اول کے زمانے میں لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو بحث نہ کی گئی بلکہ فوجی کارروائی کی گئی جس کا ذکر پہلی کتاب میں ہو چکا ہے اور مدینہ شریف میں اکثریت کا حساب لگاتے تو زیادہ لوگ جناب سعد بن عبادہ کو ووٹ دیتے اور ابو بکر صدیقؓ خلیفہ نہ بنتے۔ اسلام اہل الرائے اور اسلام کے لحاظ سے موزونیت کو ترجیح دیتا ہے، لوگ کیا کہیں گے، اس کو اسلام میں کوئی جگہ نہیں دی جاتی۔ مجلس مشاورت

میں ضروری معاملات پر فضول بحث کرنے کی بجائے ان کو حل کیا جاتا ہے اور خطابت پر وقت ضائع نہیں کیا جاتا جس کے باسے میں علامہ اقبالؒ پہلے سے تنبیہ کر گئے:

بھاتا ہے دل کو کلام خطیب مگر لذتِ شوق سے ہے بد نصیب

## گروہ بندی

ان مغربی اصولوں کے تحت جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، گروہ بندی ضروری ہے، فرد آزاد ہے۔ عقیدہ یا مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ معاشرہ نظریہ ضرورت کے تحت سیاسی گروہ بندی کی اجازت دیتا ہے۔ جیسے مزدور، کسان، تاجر، نوکری پیشہ لوگ یا مادی ضروریات کے تحت سیاسی گروہ کہ مختلف گروہوں کے درمیان نفرت پیدا کر کے چند لوگ اوپر آجاتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ فلاں سے لیں گے اور فلاں کو دیں گے اور اس طرح لوگوں کے نام پر خود حکومت کرتے ہیں اور لوگ بے چارے غلام کے غلام ہی رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی علامہ اقبالؒ ہمیں تنبیہ کر گئے۔

گریز از طرزِ جمہوری کہ غلام بچختہ کار ہے شو کہ از مغز دو صد خز فکر انسانے نمی آید

## سیاسی پارٹیاں

چنانچہ مغربی نظامِ حکومت کے تحت سیاسی پارٹیوں کا وجود ضروری ہے اور ہمارے ملک میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ پاکستان، سیاسی عمل کا نتیجہ ہے کہ ایک سیاسی پارٹی پاکستان کی "خالق" ہے، اس لئے ہمارے ملک میں سیاسی پارٹیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اس منطق کو بھی صحیح مان لیں تو پھر پاکستان میں صرف ایک سیاسی پارٹی ہونی چاہیے کہ قائدِ اعظمؒ نے کبھی کسی اور سیاسی پارٹی کو تسلیم نہ کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ ہم ایک قوم ہیں اور ہماری ایک سیاسی پارٹی ہے۔

بہر حال ہم جس نکتہ کی طرف آنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک اور صرف ایک پارٹی ہیں۔ ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک اور ہم ایک قوم ہیں۔ اس کو حزب اللہ کہیں یا ایک

سیاسی پارٹی۔ اسلام میں تفرقہ یا گروہ بندی کی اجازت نہیں اور اسلام کا مزاج کسی سیاسی پارٹی کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ چیز عملی نہیں۔ موجودہ وقت میں کئی سیاسی پارٹیاں، اب عقائدی گروہوں میں تبدیل ہو گئی ہیں اور کئی فرقہ دارانہ گروہ اپنی سیاسی حیثیت کو تسلیم کرانے کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں۔

چنانچہ مغربی طریقہ کی قسم کی سیاسی پارٹیوں کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں اور چاروں کتابوں میں ہم عملی طور پر اس کے حق میں ثبوت پیش کر چکے ہیں بلکہ ایسے اصول یا عمل اپنانے کی بھی اجازت نہیں جو ہمیں سیاسی یا کسی اور گروہ بندی میں تقسیم کر دیں۔ اس سلسلہ میں حاکم وقت اور قوم کے لئے قرآن پاک کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو سنتہ الرسول کی عملی مثالوں سے واضح الفاظ میں ذمہ داریاں تعین کرنا ہوں گی۔

## بنیادی حقوق

مغربی طریقوں میں فرد کو آزاد مان لینے کے بعد جن بنیادی حقوق کا لوگوں کے سلسلہ میں بہت چرچا کیا جاتا ہے۔ وہ زبانی جمع تفریق ہے۔ خیر کسی روایات کو اپنا کر اہل مغرب نے اس سلسلہ میں کافی کام کیا لیکن اب نتیجہ مادر پدر آزادی کی صورت میں نکل رہا ہے، لوگ پسے اور بے لگام ہو رہے ہیں۔ معاشرے کے بندھن ٹوٹ رہے ہیں۔ یعنی یہ حالت ہے :

سے صلہ فرنگ سے آیا ہے سو ریا کے لئے مے و خمار و ہجوم زنان بازاری !

(اقبال)

## ذمہ داریاں

اسلام میں حقوق اس طرح پورے کئے جاتے ہیں کہ حاکم وقت سے لے کر ایک ادنیٰ آدمی کو ہر سطح پر امارت کے ذریعے سے اوپر "اولی الامر" تک گانتھ دیا جاتا ہے۔ یعنی حضور پاک کا فرمان ہے کہ اگر تم دو ہو تو پھر بھی ایک کو اپنا امیر مقرر کر دو اور ہر آدمی کی ذاتی یا عہدہ کے لحاظ سے ذمہ داریاں مقرر ہوتی ہیں۔ وہ جب ان ذمہ داریاں کو پورا کرتے ہیں تو سب کو بنیادی حقوق اپنے آپ حاصل ہو

جاتے ہیں کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کے حق پر ڈاکہ ڈالے اور اسلام برابر کے مواقع اور معاشی انصاف کا علمبردار ہے۔

## مساوات

برابر کے مواقع اور معاشی انصاف کو ہم لوگوں نے مغرب والوں سے ایک قدم آگے بڑھنے کے لئے اسلامی مساوات یا مساوات محمدی کو اسلامی سوشلزم کے معنی پہنا دیئے اور اس طرح یہاں بھی گاڑی پٹری سے اتر گئی۔ اول تو کسی سوشلسٹ ملک میں بھی برابری ناممکن ہے! اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو ایک جیسا پیدا نہیں کیا۔ ہر ایک آدمی نہ سربراہ مملکت بن سکتا ہے۔ نہ عالم دین یا ڈاکٹر یا انجینئر وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی جگہ برابری کا ذکر نہیں کیا بلکہ اکثر لکھا ہے کہ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوتے۔ جاہل اور عالم برابر نہیں ہوتے وغیرہ۔ اس لئے مساوات کے لفظ کو غلط طور پر اپنا کر ہم نے لوگوں کے درمیان طبقاتی نفرت پیدا کر دی ہے۔ بے شک اسلام بڑے اور چھوٹے کو الگ الگ مقام نہیں دیتا اور بڑائی صرف اسلامی کردار میں ہے لیکن مکمل طور پر برابری ناممکن ہے۔ ہاں معاشی انصاف اور برابر مواقع عین اسلامی اصول ہیں۔

## انقلاب

اسی قسم کی غلط نقالی کے طور پر ہم لوگوں نے اسلامی انقلاب وغیرہ کی غلط اصطلاحیں اپنا کر اسلامی فلسفہ حیات کا بڑا نقصان کیا ہے حالانکہ مولانا محمد علی جوہر نے قوم کو تنبیہ کی کہ اسلام صراطِ مستقیم ہے نہ کہ انقلاب اور ایسی اصطلاحیں اپنا کر ہماری سوچ کے تانے بانے تبدیل ہو جائیں گے۔ انقلاب کے معنی پیچھے مڑنے کے ہیں یا واپس آنے کے ہیں اور قرآن پاک میں یہ لفظ اکثر جگہ اوندھے منہ گرنے یا غلط روی یا گمراہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے صرف ایک جگہ اچھے معنی میں استعمال ہوا، ضروری ہے کہ اپنا فلسفہ حیات کے ذریعے وحدتِ فکر پیدا کرنے کے لئے اصطلاحات کا صحیح استعمال ہو۔ ہم اس سلسلہ میں حضور پاک ﷺ کے الفاظ کا ذکر کر چکے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ وہ زمانے کو تسلسل دینے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں یعنی کاروانِ حق کو صراطِ مستقیم

پر رواں دواں ہو گیا ہے۔

## صراطِ مستقیم

چنانچہ پھلی چار کتابوں میں ہر جگہ ہم نے عملی طور پر اس صراطِ مستقیم کی نشاندہی کر دی ہے کہ پیچھے مڑنے یا انقلاب دالی کوئی بات نہیں۔ قرآن پاک میں سو سے زیادہ جگہوں پر اسلام کو صراطِ مستقیم کہا گیا۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ فتح میں اس لفظ پر خاص کر زور دیا گیا۔ تو آئیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور انقلاب کے چکروں سے نکل جائیں۔

## وطن کی پوجا

پاکستان کسی جغرافیہ وحدت یا ضرورت کے تحت وجود میں نہیں آیا۔ ہم مصطفویٰ ہیں اور اس لئے ہم نے ایک الگ وطن بنایا۔ یہ وطن ہمارے لئے مقدس ہے کہ ہم اس کو اسلام کا قلعہ بنانا چاہتے ہیں اور یہاں پر اللہ اور رسولؐ کے احکام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ علاقوں یا صوبوں کی ثقافت، دریاؤں کے بہاؤ اور علاقائی لوگ ناچ اور گانے وغیرہ اسلامی فلسفہ حیات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہٹریہ، ٹیکسلا یا مہاجنداروں کی تہذیبیں ہمارا ورثہ نہیں۔ مادرِ وطن، اور شہیدِ وطن وغیرہ کی اصطلاحوں کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ سوہنی دھرتی اور وطن کی پوجا کی اجازت نہیں اور نہ ہی وطن کو اللہ کا شریک بنایا جاسکتا ہے۔ بد قسمتی سے ساری امتِ وطن کے چکروں میں ہے۔ جغرافیائی نیشنلزم دنیا پر چھا چکا ہے اور ہندو فلسفہ کے تحت مادرِ وطن (بھارت ماتا) کے معاملہ کو ساری دنیا نے اپنایا ہے اور ہم نے بھی اس کی نقل کی حالانکہ ہم نے ملک اسلام کے لئے بنایا تھا اور ہندوؤں کی نظم "بندے ماترم" سے نفرت کی وجہ سے اور اپنے رُخ کو مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی طرف کرنے کے لئے ہم نے یہ ملک بنایا تھا۔ اب اگر ہم نے بھی وطن کی پوجا شروع کر دی ہے تو یہ سخت غلطی ہے

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیر میں اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔

(اقبال)

## تتلی اور گبریلہ

جلال مصطفیٰ کے حرف آخر میں تتلی اور گبریلہ کی کہانی سنانی گئی تھی کہ تتلی گبریلہ کو باغ میں لے گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پر دیئے ہیں کہ وہ اڑ کر باغوں کے پھولوں سے اپنے ذہن کو معطر کرے لیکن گبریلہ کو وہاں کوئی خوشبو نہ آئی کہ وہ ساتھ کچھ گوبر بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک مسلمان کے لئے سارے باطل فلسفے گوبر کی طرح ہیں کہ ہم اپنی کتابوں میں ذکر کر چکے ہیں کہ ہماری تعلیم "منطق الطیر" ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی کیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کو ایسی تعلیم دی گئی۔ یہ ہماری بد قسمتی ہوگی کہ ہم گبریلے کی طرح زمین کا کیرا بن کر گوبر یا مادیات کی تعلیم پر گزارہ کریں اور ارمان والی تعلیم کو نہ اپنائیں تو ظاہر ہے ہمیں اسلام کے معطر باغ سے خوشبو نہ آسکے گی اس لئے باطل فلسفہ کی مختصر نشاندہی کر دی گئی ہے کہ ہم اپنا خانہ کعبہ درست کریں۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوند ان مکتب ہے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

(اقبال)

## وحدتِ فکر و وحدتِ عمل

ہم نے واضح کر دیا ہے کہ غیروں کا تمام تر فلسفہ آزادیِ فکر اور آزادیِ عمل سے شروع ہوتا ہے اور ہمارا فلسفہ وحدتِ فکر و وحدتِ عمل ہے لیکن افسوس کہ ہمارے اکثر علمائے دین اس پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اے! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ

وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

(اقبال)

پہلی کتاب کے پیش لفظ سے لے کر چاروں کتابوں میں جتنا زور اس پہلو پر دیا گیا ہے اتنا اور کسی چیز پر نہیں دیا گیا اور ان کتابوں کے لکھنے میں یہی ایک بڑا مقصد تھا کہ ہم اپنی فکری

وحدت کو ایک کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔ قرونِ اولیٰ میں ایک عیسائی دانشور سپین کے مسلمانوں کی فکری وحدت سے بہت متاثر ہوا اور اسلامی دنیا کے سفر میں قیرواں، فسطاط سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پہنچا اور جو سوال کرتا تھا اس کے ایک جیسے جواب پاتا تھا تو خانہ کعبہ میں آکر مسلمان ہو گیا۔

لیکن افسوس ہماری حالت یہ ہے کہ کسی ایک دن کی اخبار اٹھا کر دیکھ لیں۔ وہاں پر بھانت بھانت کی بولیاں ہوں گی اور کئی لوگ ہمارے نظریہٴ حیات کو بھی پاش پاش کر رہے ہوں گے ہر مسجد سے الگ الگ آواز آرہی ہے اور تفرقہ ہمارا اڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ ذاریت میں ایسی بھانت بھانت بولیاں بولنے والوں اور خزانوں کے قتل کرنے کا حکم ہے اور ان حالات کو دیکھ کر ان کتابوں میں عملی اسلام لکھا گیا کہ انشاء اللہ خیالات یا بیانات میں تضاد نہ ہوگا اور جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں اس سلسلہ کا یہ پہلا باب ہے جس میں حاکمِ وقت اور لوگوں کو بھاری ذمہ داریاں یاد دلائی جا رہی ہیں کہ وہ تفرقہ والی باتوں کو چھوڑ کر عملی اسلام پر "فقہِ عدت" یا "فقہِ عسکریت" کے تحت متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کے سپاہی (حزب اللہ) بن جائیں ایسا کرنے کے لئے ہمیں اپنے تمام تر زندگی کے شعبوں کو اسلامی فلسفہٴ حیات کے تابع کرنا ہوگا جس کا خلاصہ نویں باب میں دیا جا رہا ہے اور باقی چند اجتماعی ذمہ داریوں یا ضرورت کا مختصر ذکر یہاں آتا ہے۔

## سیاسی فلسفہ

ہر قوم یا ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام زندگی کے شعبوں کو اپنے سیاسی فلسفہ کے تابع کریں۔ موجودہ سیاسی سائنس (POLITICAL SCIENCE) کے مضمون میں جو سیاسی فلسفے پڑھائے جاتے ہیں۔ ان میں کمیونزم، سوشلزم، اہمپیریلزم، نازی ازم وغینہ کئی فلسفے پڑھائے جاتے ہیں۔ ان مغربی دانشوروں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام از خود ایک سیاسی فلسفہ ہے کہ یہ خالی مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ مذاہب میں سے صرف ہندو ازم، کچھ معاشرتی ضروریات پوری کرتا ہے اور شاید اس زمانہ کے لئے وہ طریقہٴ موزوں تھا کہ مختلف عقائد کے لوگوں کو اجتماعی طور پر گروہوں میں بانٹ



کرمو سمرتی نے ایک طرز زندگی کی نشاندہی کی اور ہندوؤں کی کتاب گیتا میں اس کی تفصیل موجود ہے لیکن یہ باتیں آج کل کے زمانے کے لئے موزوں نہیں اور آئے دن ہندو اپنی طرز زندگی میں تبدیلی لائے ہیں۔

اسلام البتہ نہ قدیم ہے اور نہ جدید، یہ ایک طرف عقائد کی وحدت یعنی ایک اللہ اور ایک رسولؐ میں ایمان کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ دلوں کو جوڑ دینے کا حکم دیتا ہے پھر اس دنیا میں اپنے عقیدت اور غیرت کی حفاظت کے لئے اجتماعی طریق کار وضع کرتا ہے۔ (حذوا حذرکم) یعنی اپنی حفاظت آپ کرو۔ اور آگے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت حدودِ حلال و حرام کا تعین کرتا ہے۔ ساتھ ہی واضح کر دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا ایک قید خانہ ہے اور ہم یہاں امتحان کے لئے آئے ہیں۔ یہ امتحان جلدی جلدی پاس کر کے جب موت کا دروازہ کھل جائے تو وہاں اس طرح داخل ہوں کہ ہم مومن یعنی ایمان والے ہوں تاکہ ہماری طاقتیں ستر گنا بڑھ جائیں اور آگے جنت نظر آ رہی ہو۔

## فرنگی سیاست

لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ فرنگی سیاست نے دنیا بھر کو کچھ اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اہل اسلام بھی جمہوریت، سوشلزم، جغرافیائی نیشنلزم وغیرہ کے بنائے ہوئے دل فریب پھندوں میں پھنس گئے ہیں اور ان نظامہائے زندگی کے پرستار یا تو سرے سے ہی اس بات کا انکار کر دیتے ہیں کہ دین اسلام نے کوئی اپنا نظام حیات یا سیاسی نظام دیا ہے یا دوسری صورت میں کھینچ تان کر کوئی اس کو جمہوریت بتاتا ہے تو کوئی اس کے ڈانڈے سوشلزم سے جا ملاتا ہے۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ میدان سیاست میں اترنے والے انسان دجل و فریب کو اپنا اور ٹھننا بچھونا بناتے ہیں اور عوام الناس سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ ایسے ہی سیاستدانوں کو اس دجل و فریب میں الجھا کر ابلیس کہیں لمبی تان کر سویا ہوا تھا کہ کسی نے پوچھا "جناب! کیا دنیا میں اب کوئی کام باقی نہیں رہ گیا جو یوں مزے سے لیٹے ہوئے ہو" تو شیطان نے جو جواب دیا۔ علامہ اقبالؒ اس کو یوں کہتے ہیں:

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک  
در اصل شیطان نے اپنے کافی حیلے بھی چھوڑے ہوئے ہیں اور ان کو وہ یہ ہدایت دیتا ہے:  
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

## نظام مصطفیٰ

میر عربؐ کو آنی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے (اقبالؒ)

بلاشبہ ہماری منزل نظام مصطفیٰؐ ہے۔ ہم نے چودہ سو سال میں پہلی دفعہ اللہ اور رسولؐ  
کے نام پر ملک بنایا ہے اور اسی وجہ سے ان تمام کتابوں کا نام بسلسلہ جلال مصطفیٰؐ رکھا گیا ہے۔  
کہ اگر کوئی شخص حضور پاکؐ کی ذات کو زیر بحث لا کر ہمارے اندر سے حضور پاکؐ کے جلال و جمال  
نکالنا چاہتا ہے وہ ہم میں سے نہیں کہ ہمارے ہی وطن سے حضور پاکؐ کو ٹھنڈی ہوا جاتی ہے  
تو اب ہم وضاحت کریں گے کہ نظام مصطفیٰؐ کیا ہے جس کو یہاں جاری کرنا ہے۔  
ایک جنگ سے واپس آتے وقت حضور پاکؐ نے امن کے زمانے کو جہاد اکبر کا نام دیا اور  
جنگ کو جہاد اصغر تو ظاہر ہوا کہ مومن امن کے زمانے میں ہر وقت جہاد میں مصروف رہتا ہے اور  
یہی نظام مصطفیٰؐ ہے اور یہی نظام جہاد ہے۔ جنگ لڑنے کے فلسفہ کو جہاد اصغر یا اسلامی  
فلسفہ دفاع کہہ سکتے ہیں جس کا خلاصہ دسویں باب میں ہے۔

اب غیروں کو اگر لفظ جہاد سے چڑھے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ ہم جہاد کے ذریعے  
دوسری قوموں پر کوئی ڈاکہ تو نہیں ڈالتے بلکہ ہمارے لئے یہ ایک طرز زندگی ہے کہ امن کے زمانے میں  
جہاد کا نظام اپنا کر ہم اپنے آپ کو غیروں کے ڈاکہ سے محفوظ رکھتے ہیں۔

## جہاد کے بارے نا سمجھی

بدقسمتی سے ہمارے دانشور اور علماء بھی نظریہ جہاد سے ناواقف ہیں۔ سید سلیمان ندوی صاحب

نے اسلام کی بڑی خدمت کی لیکن جلال مصطفیٰ کے ضمیمہ میں ہم کہہ چکے ہیں کہ آپ کی چھ کتابوں میں نظریہ جہاد پر کل چار صفحے ہیں شاید انگریزوں کا ڈر تھا کہ مولانا شبلیؒ بھی تو یہ کہہ جاتے ہیں کہ حضور پاکؐ کے زمانے کی کہانی جنگ کی کہانی ہے کہ لڑائی عبادت بن گئی لیکن ساتھ دہلی زبان میں جنگ سے گریز کی لوری بھی دے جاتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کی جہاد کی کتاب میں ”مصلحانہ جنگ“ اور ”مدافعانہ جنگ“ کے الفاظ نے جنگ کو بھیانک بنا دیا اور پھر حیدرآباد دکن کے ایک مولوی چراغ علی نے جہاد کو کوشش کے معنی پہنا کر جہاد سے رہی سہی جان بھی نکال دی۔ انگریزوں کی ایما پر نظام حیدرآباد نے اکوٹ نواب اعظم یار جنگ کا خطاب دیا۔ حالانکہ اس کے لئے بہترین خطاب ”فرار جنگ“ تھا۔ کلاسوز کہتا ہے کہ جو آدمی جنگ کو بھیانک بنا کر قوم کو ڈرانا ہے، وہ قوم کا دشمن ہے۔

ہماری نا سمجھی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب مسلمانوں پر کسی جگہ ظلم ہو رہا ہوتا ہے تو ہمارے علماء فتوے دے دیتے ہیں کہ فلاں جگہ جہاد واجب ہو گیا ہے۔ جہاد نہ کسی فتوے کے تابع ہے نہ محتج ہے بلکہ یہ ایک طرز زندگی اور فرض ہے۔ البتہ فرض کفایہ کو کچھ لوگ غلط معنی پہنا کر جہاد سے گریز کر جاتے ہیں۔ فرض کفایہ، جہاد بالسیف پر لاگو ہے کہ کسی حکمت عملی کے تحت صرف کچھ لوگوں کو جنگ یا لڑائی کے لئے بھیجا جاتا ہے لیکن جہاد کی تیاری ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ جہاد میں شرکت کر سکے کہ مومن کے مقصد حیات میں جہاد کے بیچ شرکت کو اولین حیثیت حاصل ہے۔

## مومن کا مقصد حیات

ازدوئے قرآن مومن اللہ تعالیٰ کی فوج کا ایک سپاہی ہے اور یہ سپاہی کوئی برائے نام سپاہی نہیں بلکہ کسی فوج کے ایک بہترین سپاہی سے بھی افضل تر سپاہی ہے۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یعنی ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔ اس کا طرہ امتیاز ہے اور وہ اپنی فوج (یعنی امت) کے احکامات بلا چون چرا مانا ہے وہ صحیح معنوں میں قلب سلیم رکھتا ہے اور مقام تسلیم پر ہمیشہ کھڑا رہتا ہے۔ وہ اپنے

۱: صفحہ ۲۹۹

۲: کلاسوز فلسفہ جنگ حصہ سوم پہلا باب صفحہ ۲۷ اور ۳۰ سے استفادہ کریں۔

نفس کی تربیت کرتا ہے تاکہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے مومن چونکہ دنیا میں قتال فی سبیل اللہ کے لئے آیا ہے اور جنگ میں ثابت قدمی ہی اس کا امتحان ہے۔ لہذا اس امتحان کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

”تحقیق اللہ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال ان کے، بدلے اس کے کہ واسطے ان کے ہے جنت، جنگ کرتے ہیں، بیچ راہ اللہ کے۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جلتے ہیں“

اب جو سیاسی نظام ہمیں جہاد میں شرکت کی بجائے آپس میں تفرقہ کی باتیں سکھلاتا ہے وہ غیر اسلامی ہے کیونکہ تبوک کی مہم کے بعد ۹، بحری میں سورۃ توبہ کی آیت ۱۲۲ نازل ہوئی۔ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

”پس کیوں نہ نکلے (جہاد کے لئے) ہر فرقے سے ان میں ایک جماعت تو کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں تو کہ ڈراویں اپنی قوم کو جب پھر جاویں طرف ان کی، شاید کہ وہ بچیں“

اس آیت میں فن جہاد یا نظام جہاد کے لئے ”تفقہ فی الدین“ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یعنی اصلی فقہ یا دین کی سوجھ بوجھ نظام جہاد کی سمجھ ہے اور اسی وجہ سے ہمیں فقہوں کے تفرقوں کو ختم کرنے کے لئے ”فقہ عسکریت“ کی اصطلاح کا ذکر کر چکے ہیں اور جناب سلیمان ندوی صاحب نے سیرۃ النبی میں صبر، استقامت، ایثار، ہمت پر جو کئی ابواب لکھے ہیں وہ بھی دراصل نظریہ جہاد یا جہاد کی تیاری کی بنیادی باتیں ہیں اور جناب ندوی صاحب غلامی کی وجہ سے جہاد کا کھل کر پرچار نہ کر سکے لیکن ہم آگے جا کر دسویں باب میں ان کا خلاصہ دے کر اپنی اس رائے کو اور واضح کریں گے۔

ایسے فلسفہ کو اپنانے کے لئے، حکومت، اولی الامر، سول انتظامیہ، مجلس شوریٰ یا کسی مجلس اعلیٰ کی الگ الگ ذمہ داریاں تعین کرنا ہوں گی لیکن اس کتاب میں ان کی تفصیل میں جانا ناممکن ہے اور ہم زندگی کے چند اور شعبوں کا سرسری ذکر کریں گے۔ جن میں تعلیم سرفہرست

## تعلیم

ہماری موجودہ تعلیم کے طور طریقوں یا جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے اس پر ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ موٹے لفظوں میں موجودہ تعلیم کا اسلام کے فلسفہ حیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور تعلیم کا مقصد بھی وہ نہیں جو اسلام کے عقائد کے مطابق ہو، مشنری سکول یا سرکاری ادارے یا دینی سکول ہر جگہ پر حالات کو موجودہ ضرورتوں اور اسلام کے فلسفہ حیات کے تابع کرنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبالؒ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور اتنے سال گزر جانے کے باوجود آج تک ہم نے اس بنیادی چیز کو نہیں سمجھا کہ اسلام میں تعلیم کا اول مقصد اسلامی کردار پیدا کرنا ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں مسلمانوں کی طرح زندگی گزارے۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ تعلیم مرکزی حکومت کا مضمون ہے کہ تعلیم کے ذریعے پوری قوم میں وحدت و فکر پیدا کی جائے۔ یعنی تمام سلیبس یا کتابیں یا امتحانات مرکزی حکومت کے احکام کے تحت ہونا چاہئیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ معاملات کو آسانی سے چلانے کے لئے، نظام یعنی مدرسوں، عمارتوں یا استادوں وغیرہ کے سلسلے میں کنٹرول صوبائی حکومت کے پاس ہو۔

علاوہ تمام تر سلیبس کو اس اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہوگا، جس کا خلاصہ اگلے باب میں دیا جا رہا ہے۔ موجودہ ادب، فلسفہ، یا ٹیکسپیئر کے ڈراموں کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں بلکہ نفسیات اور معاشرتی مضامین سمیت تمام تاریخ کی کتابوں کو با مقصد کتابیں بنانے کی ضرورت ہے، یہ کام آسان نہیں اور اس سلسلہ میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو سفارشات پیش کرنا ہوں گی۔ اس کے علاوہ ہمارے سکول اور کالجوں کے موجودہ طریقوں کو تبدیل کرنا ہوگا کہ بقول علامہ اقبالؒ کالج میں بیٹھ کر ڈینگ مائے جاتے ہیں۔ یہ ہڑتالیں اور یہ اپنی موٹروں اور بسوں کو آگ لگانا، ایسی تعلیم فتنہ و فساد والی ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں اور طالب علموں کو قوم کے سامنے مثالی کردار کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ سکولوں میں منظم طور پر اسلامی عسکری ربط و ضبط کی عملی تعلیم دی جائے۔

لیکن سب سے بڑھ کر ضرورت اس چیز کی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو عام کیا جائے

غیر ہمیں اپنی ایجادات سے آگاہ نہ کریں گے اور یہ کام ہم نے خود کرنا ہوگا۔ اول اپنے ملک کی تعلیمی اداروں میں سائنس اور ٹیکنالوجی یا ہرمنز اور فن کی عملی تربیت دی جائے اور بنیادی یا ضروری تعلیم کے بعد، ہر لڑکے کی ذہنی قابلیت یا رویہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو ایسی چیز کی تربیت دی جائے، جس کو وہ آسانی سے اپنا سکتا ہے۔

## لسانی وحدت

ہماری بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمیں پہلے دو زبانوں یعنی اردو اور انگریزی میں مہارت حاصل کرنا پڑتی ہے کہ اپنے گھروں میں ہم پنجابی، پشتو، سندھی یا بلوچی زبانیں بولتے ہیں۔ اس کے علاوہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یا روحانی اور عقائدی ضرورت کے تحت عربی زبان کو واقفیت بھی ضروری ہے۔ تیسری کتاب میں ہم اہل مصر کا ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے عربی کو اپنا کر بحر اوقیانوس تک پہنچا دیا۔ اگر مشرق میں بھی ایسا ہوتا تو آج دنیا بھر کے مسلمانوں میں کم از کم لسانی وحدت تو ہوتی۔

بہر حال ابھی بھی وقت ہے اور بہتر ہوگا کہ قومی زبان کے طور پر ہم عربی زبان کو اپنالیں اور پھر نتیجہ دیکھیں کہ ساری اُمت میں کیسے وحدت پیدا ہوتی ہے۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے: "پسند کرو عربی کو کہ اہل جنت کی زبان ہے۔ قرآن کی زبان ہے اور میری زبان ہے۔" اس آخری فقرہ پر قربان، یہ ہم غمییوں کے لئے ہے اور موجودہ ذرائع ابلاغ کی مدد سے عربی زبان اپنانے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ بہر حال اگر قوم ایسا نہ کر سکے تو انگریزی سے تو جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے کہ اس زبان کو اپنانے کی وجہ سے ہم اہل مغرب سے اتنے مرعوب ہو چکے ہیں کہ مجبوراً ہمیں ہر کام میں اُن کی نقالی کرنا پڑتی ہے یعنی ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

## ذرائع ابلاغ

عربی زبان اپنانے کے بعد اہل پاکستان بارش کا پہلا قطرہ بن جائیں گے اور اُس کے بعد تمام اسلامی ممالک ہماری پیروی کریں گے، جس سے اللہ کی رحمتوں کے اس اُمت پر وہ اثر

ہوں گے کہ ہمیں صرف جھولی پھیلانا ہوگا۔ یہ کام ہمارے ذرائع ابلاغ کی مدد سے انجام دینا ہو گا کہ دراصل یہ ذرائع بھی قوم کو ایک قسم کی "تعلیم" ہی دے رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ذرائع ابلاغ اس وقت جتنا قوم کا نقصان کر رہے ہیں اور جتنا تفرقہ یہ پھیلا رہے ہیں اتنا اور کوئی ادارہ نہیں پھیلا رہا۔ اسلام کے فلسفہ کو انہوں نے گڈنڈ کر دیا ہے، کبھی وطن کی پوجا، کبھی باطل فلسفوں کا پرچار اور ان لوگوں نے قوم کے اذہان پر ایسی یلغار کر دی ہے کہ ہمارے ذہنوں کو بھی ماؤف کر دیا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل میں نہ جائیں گے کہ اس سلسلہ میں تفصیلی سفارشات اور عمل کی ضرورت ہے کہ ذرائع ابلاغ کے تمام اداروں یعنی اخباروں، ریڈیو اور ٹی وی کی تمام تر کاروائیوں کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہوگا۔

## ادب، فلسفہ، ثقافت

یہی چیز ادب، فلسفہ، ثقافت اور ہمارے اُن اداروں کو لاگو ہے جو فن کار پیدا کر رہے ہیں۔ آرٹ ہو یا فائن آرٹ یا وہ ادارے ہوں جو ہم نے مغرب کی نقالی میں کھول رہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے قوم کے اذہان پر ایک عجیب قسم کی یلغار ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی علاقائی روایات یا طبقاتی رسم و رواج میں بھی بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو اسلامی فلسفہ حیات کے لحاظ سے غلط ہوتی ہیں چنانچہ زندگی کے ان شعبوں کو بھی اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کریں۔

## عدلیہ، قانون اور اصول انتظامیہ

ہماری حکومت کے تمام ڈھانچے خواہ وہ عدلیہ اور قانونی ادارے ہیں یا اصول انتظامیہ وہ تمام مغربی نظماہائے حکومت اور نوآبادیاتی طریق کار کی پیداوار ہے۔ ان سب چیزوں کے ہر پہلو کو اسلامی فلسفہ حیات کے طور طریقوں کے تابع کرنا ہوگا بعض جگہ بالکل نئے ڈھانچے بنانے پڑیں گے کہ باطل کی بنیاد پر حق کی عمارت نہیں بنائی جاسکتی۔ مثال کے طور پر انگریزوں کا اصول مدرسہ "کالے انگریز" پیدا کرتا ہے۔ یہ لوگ، اسلامی قدروں کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ یہی چیز عدلیہ اور قانون کو لاگو کہ رومن قانون مادی نظریات کی پیداوار ہے اور اسلامی

فقہ منطق الطیرگی تعلیم کے تابع ہے۔ اس سلسلہ میں بھی مکمل سفارشات ماہرین ہی کر سکتے ہیں کہ پورے ڈھانچے تبدیل کرنا ہوں گے۔

## مادی ذرائع اور متعلقہ مددیں

یہی چیز مادی ذرائع یعنی پیداوار، زراعت، معدنیات اور ان کی متعلقہ مددیں یعنی مالیات، تجارت، کارخانوں وغیرہ کو بھی لاگو ہے کہ اسلام نے ان تمام ذرائع کے لئے کچھ اصول وضع کئے ہیں اور ان سب چیزوں کو ان کے تابع کرنا ہوگا۔ ماہرین ان سلسلوں میں کافی کام کر چکے ہیں اور ایسے ہی معاملات میں اجتہاد کی اجازت ہے۔ ذرئہ باقی ساری ضروریات کے تحت ہم نے اجتہاد کا ذکر نہیں کیا کہ وہاں پر اوامر اور نواہی موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسی ضروریات کے تحت ہر زمانے کے لئے موزوں بنایا ہے اور ایسا اجتہاد اسلام کے اصولوں یا اوامر و نواہی کی مدد سے کیا جاتا ہے لیکن اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد وہ کرانے یا اس چیز کے سلسلہ میں کوایا جائے جس کی جہاں ضرورت ہے اور پھر اس اجتہاد سے حاصل شدہ اصولوں کو نافذ بھی کیا جاسکے۔

## منظم قوم

یہ سب بڑے وسیع مضامین ہیں اور کسی متعلقہ یا متفرق باتیں رہ بھی گئی ہیں لیکن ان تمام تر سفارشات کے تحت اسلام نظام کے نفاذ کے لئے سب سے اولین ضرورت منظم قوم کی ہے۔ پہلے پوری قوم کو منظم طریقے کے ساتھ ربط و ضبط میں باندھنا ہوگا۔ ہر سطح یعنی محلہ، گاؤں، تھانہ، تحصیل و ضلع کی سطحوں پر ایمر مقرر کرنا ہوگا تو تب "اولی الامر" مجلس مشاورت یا مجلس اعلیٰ کی مدد سے نظام اسلام نافذ کر سکے گا تاکہ لوگ اور حکومت کے کارندے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اس کا کچھ ذکر دسویں باب میں بھی ہے کہ ساری قوم کو احکام الہی کا پابند کرنا ہوگا۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند (اقبال)



۲۱۸

## نواں باب

## اسلامی فلسفہ حیات

## تمہید

ان کتابوں کے سلسلہ میں جتنا ذکر یا زور اسلامی فلسفہ حیات پر دیا گیا ہے۔ اتنا اور کسی پہلو پر نہیں دیا گیا۔ حکمت عملیوں اور تدبیرات کے تمام تراچھے نتائج کے باسے ہر مقام پر یہ کہا گیا کہ یہ سب اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کی وجہ سے تھا لیکن اسلامی فلسفہ حیات ہے کیا؟ یہ سب ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جاتا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے دانشور کو بلا کر پوچھ لیں۔ اول وہ اس فلسفہ کو صحیح بیان ہی نہ کر سکے گا یا بات کو کچھ ایسا گڈ مڈ کر دے گا کہ بیج میں باطل اور غیروں کے فلسفے آجائیں گے۔ انسان کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ یا اس دنیا کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ آج اہل مغرب یا سوشلسٹ دانشور بھی اس سلسلہ میں حیران و پریشان اور سرگرداں پھر رہے ہیں۔ ان کی سوچیں تضاد سے بھری پڑی ہیں اور ان کو زندگی بے مقصد نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض نے اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔

اسلام نے مومنوں کے لئے ان کے مقاصد زندگی اس دنیا کی حقیقت اور ازل و آخر کی تمام تر باتوں کو کھل کر بیان کیا ہے۔ قرآن پاک، احادیث، تفاسیر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال اور بزرگوں کے اقوال میں سب کچھ موجود ہے اور آج سے پچاس سال پہلے نماز کے سبق کے ساتھ ہمیں ایمان کی شرائط، صفات، رکن اور حقائق پڑھائے جاتے تھے جس میں اس دنیا کی حقیقت اور ہمارے مقاصد زندگی کا ذکر ہوتا تھا کہ ہمارا ان سب باتوں پر ایمان ہو تو تب ہم مسلمان کہلا سکتے ہیں اور یہ باتیں زبانی یاد کروانے کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ مختلف چھوٹی چھوٹی کتابوں یعنی حجۃ الاسلام بہشتی زیور اور پکی روٹی میں یہ ذکر موجود تھے لیکن وقت آیا کہ ہم نے ان کتابوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور یہ کتابیں ناپید ہو گئیں۔ ہم نے کچھ انگریزی اور کچھ اسلامی علموں کو آپس میں ملا جلا کر اپنے

فلسفہ حیات کو بھی آدھا تیترا اور آدھا بیٹر کر دیا اس لئے حسب وعدہ اس باب میں ہم اسلامی فلسفہ حیات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں اور مختلف پہلوؤں کے غیروں کے ساتھ موازنہ بھی کئے جائیں گے تاکہ ہم فرق سمجھ سکیں۔ اس لئے سب سے پہلے غیروں کے فلسفہ حیات کا خاکہ پیش کیا جانا چاہیے۔

## غیروں کے فلسفہ حیات

غیروں کے فلسفہ حیات میں یونانی فلسفہ اور ہندو فلسفہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کے لئے یہ دھرتی پوتر اور پاک ہے اور ان کی ماں ہے اور یہی سب کچھ ہے موجودہ جغرافیائی نیشنلزم کے باپ یہی لوگ ہیں جہاں وطن کی پوجا کی جاتی ہے۔ یونانی فلسفہ تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے اور عیسائیت یا مذہب ہر آدمی کا نجی معاملہ بن چکا ہے۔ یونانی فلسفہ کے لحاظ سے اُنیسویں صدی تک یہ خیال عام تھا کہ ایٹم یا ذرہ ٹوٹ نہیں سکتا اور یہ دُنیا ایک پکی اور دائمی چیز ہے۔ مرنے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے آدمی "ساکن" ہو جاتا ہے اور پھر جب آدمی دوبارہ زندہ ہوگا تو یہی دنیا ہوگی اور اس پر جنت اور دوزخ بھی ہوں گے۔ ہندوؤں نے اوگون کے چکر میں پڑ کر مرنے کے بعد آدمی کو دوسری مخلوق یعنی حیوانات میں تبدیل کر دیا اور جب گناہوں سے چھٹکارا ملے گا تو آدمی نرک میں جائے گا جو اسی دُنیا پر ہوگی اور یہ بھی ایک قسم کا جنت اور دوزخ کا تصور ہے کہ اسی دُنیا میں سب کچھ ہوگا۔ ان دونوں فلسفوں کی بنیاد مادیت پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان فلسفوں کے تحت اپنے اپنے ملکوں کی پوجا ہو رہی ہے کہ میری ماں دھرتی یا مادرِ وطن جیسے الفاظ لوگوں کے عقیدہ کا حصہ بن چکے ہیں۔ اشرکیت نے تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کے تصور کو ہی ختم کر دیا اور انسان و حیوان میں فرق ختم کر دیا۔ جزا و سزا والا پہلو بھی ختم ہے۔

بہر حال غیروں کے اس فلسفہ کے لحاظ سے یہ دُنیا جہاں ایک حادثہ کے طور پر وجود میں آئے۔ پہلے دھواں تھا یا کاربن پھر اس کاربن سے پانی اور ٹھوس چیزوں نے الگ الگ ہونا شروع کر دیا اور چاروں چیزوں کی ملاوٹ یعنی ہوا، پانی، آگ اور مٹی وغیرہ سے مخلوق یا

حیوان پیدا ہونا شروع ہوئے اور چار عنصر دنیا پر چھا گئے۔ آدمی بھی حیوان یا بندرتھا اور اس کی موجودہ صورت اس کی ایک "ترقی پذیر" حالت ہے۔ یعنی انسان بھی دابۃ الارض یا زمین کا کیڑا ہے اور وہ بھی حیوانات میں شامل ہے۔ بلوزنہ کا لفظ اس کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

## اسلام کا نظریہ حیات

اسلام کے لحاظ سے یہ دنیا اس کائنات میں ایک ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے اور وقت آنے پر اُون دھنی ہوئی کی طرح اُڑ جائے گی یا یہ سب کچھ انسان کے کاروان حیات کی گذرگاہیں ہیں اور انسان کو اس کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام، انسان کو حیوانات کے زمرہ میں رکھنے کے حق میں نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ یعنی وہ جن اور ملائکہ سے بھی افضل ہے تو اس انسان کو اس دنیا تک محدود کرنا غیر اسلامی نظریہ ہے ہاں البتہ اسلام ایک دین ہے اور اجتماعی نظریہ ہے کہ کاروان حیات منزل بہ منزل رواں دواں ہے۔

ہم آگے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ ایک حدیث قدسی میں تخلیق کائنات کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔" گویا کائنات کا مقصد انسان ہے اور انسان کا مقصد معرفت الہی ہے۔ یا یہ کہیں کہ حسن ازل نے اپنے جمال کو بے نقاب کرنا چاہا تو اُس نے اس امر کو پسند کیا کہ اُسے دیکھا جائے اور پہچانا جائے تو اس نے کاروان حیات جاری فرما دیا۔ اپنا عارف تیار کیا کہ اُسے اپنے تک پہنچنے کے لئے دُور دراز کے راستے پر ڈال دیا یہی صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہے جس کی کھیلے باب میں نشاندہی کر دی گئی تھی۔ گوراستے کے ارد گرد کچھ غلیظ اور دل بھانے والی چیزیں بھی ڈال دیں تاکہ امتحان ذرا صحیح قسم کا ہو۔ بہر حال انسان اور خاص کر مومن اس منزل یا صراطِ مستقیم پر رواں دواں ہے۔

## کاروانِ حق

منزایا عشق کے یہ مسافر ازل سے چل کر ابد کی طرف رواں دواں ہیں۔ ان کے پیچھے یا آگے

کوئی زمانی و مکانی حد نہیں ہے۔ وہ خدائے ذی المعارج، یعنی بیڑھیوں یا منزلوں والے اللہ کی طرف زینہ بہ زینہ بڑھ رہے ہیں۔ ان کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا "چہرہ مبارک" ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

(کُلِّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَ - قرآن پاک)

اس کاروانِ محبت کو زمین کی تاریکیوں سے نکال کر سطحِ زمین پر لایا جاتا ہے۔ جہاں اُسے عالمِ بالا کی گزرگاہوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ہم جیسے گنہگاروں کے لئے یہ گزرگاہیں موت کے بعد کھولی جاتی ہیں۔ لیکن کچھ اللہ تعالیٰ کے پیارے، اس زندگی میں بھی عالمِ امر کی گزرگاہوں سے کسی قدر واقف ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ان راستوں کا نقشہ اپنی ایک نظم میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے جس کے دو شعر یہاں وضاحت کے لئے لکھے جاتے ہیں:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں  
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں  
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا  
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

## منزلیں

مسافر جو فرش سے عرش کی طرف رواں دواں ہیں، وہ سات آسمانوں سے گزر کر ہی میدانِ قیامت میں قدم رکھیں گے اور یہ مقامات یا آسمان وغیرہ ویسے نہیں پیدا کئے گئے۔ ان کے پیدا کرنے میں یہی مقاصد ہیں۔ اَمِنَّا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَابِاطْلًا "یعنی یہ سب کچھ ایسے ہی باطل یا بے مقصد طور پر تو پیدا نہیں کر دیا کیا اور قرآن پاک میں اس کی مزید وضاحت بھی ہے:

"کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان و زمین اور ان کے مثل بنائے اور ان میں امر جاری فرما دیا۔"

یہ زمین جس پر اب ہم بستے ہیں اور اس پر یہ ستاروں والا آسمان جس کے حدود و حساب موجودہ سائنس کی بصیرت سے فی الحال باہر ہیں۔ یہ تو انسانی سفر کا ایک مچھوٹا سا حصہ ہے حالانکہ

یہ آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے اس کا نزدیک ترین ستارہ بھی، زمین سے کئی نوری سالوں (LIGHT YEARS) کی مسافت پر مانا جاتا ہے۔ ہم تیسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے جب قیصر روم نے زمین و آسمان کے فاصلوں کے بابت پوچھا تو جناب عمرؓ نے ان فاصلوں کی مسافت کا بیان ”زماں“ کے الفاظ میں فرمایا اور نوری سال کا مطلب یہ ہے کہ روشنی ایک سال میں اتنا فاصلہ طے کرتی ہے۔ یعنی طول کو ”زماں“ کے حساب سے نوری سالوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

بہر حال انسان جتنی بڑی دور بین تیار کرتا ہے، اُسے مزید ستارے دکھائی دینے لگتے ہیں اور اس ”دنیاوی“ آسمان کی دوری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام ستارے پہلے آسمان پر ہیں کہ ارشاد ربانی ہے ”کہ دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا گیا ہے“ اس کے بعد دوسرے آسمان کے محیط میں یہ چھوٹی سی زمین تیرتی پھر رہی ہے شاید کہ زمین ہے یہ کسی اور جہاں کی

تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا (اقبال)

## سفر جاری ہے

خدا جانے ان سات آسمانوں کی وسعتوں میں کاروانِ حیات کے کتنے قافلے سرگرداں پھر رہے ہیں اور یوم الحساب کے منتظر ہیں۔ یہ صرف اس زمین کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارا سارا شمسی نظام اس پہلے آسمان کا ایک معمولی جزویا حصہ ہے کیونکہ شمسی نظام کے ستاروں کی مسافت کے بارے میں جو کئی نوری سال ہے، ہم بے خبر ہیں۔ اس لئے چاند تک پہنچ جانے والے ہم نالائقوں کے سامنے بے شک ڈینگیں مار سکتے ہیں لیکن وہ تو ابھی اللہ تعالیٰ کے نظام کے بال برابر حصہ تک نہیں پہنچے۔

تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا

ہے تیرا مدد جزرا بھی چاند کا محتاج (اقبال)

یہ سارا بازار اور اس کے ساز و سامان، اُن مسافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں جو ان

میں سے گزر رہے ہیں اور رُخِ دوست (چہرہ مبارک) کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس لئے ان بازاروں کی رعنائیاں اور دلچسپیاں مومن کو زیادہ متوجہ نہیں کر سکتیں کیونکہ ان کا مقصود بازار سے بہت آگے ہے اور مقصود وہ ہستی ہے جسے لامکاں میں رونق افروز بتایا جاتا ہے۔ اس نے قرآن پاک میں ہمارے لئے واضح کر دیا ہے "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تمام تمہارے تابع فرمان کیا گیا ہے" تو ظاہر ہوا کہ اس محفل میں انسان کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے اور یہ سارا بازار صرف اسی کے لئے سجایا گیا ہے

نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں تیرے لئے

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے (اقبال)

## دنیا کی حقیقت

یہ عالم کون و مکان بے شک عارضی چیز ہے اور جب یہ قافلہ حیات اس میں سے گزر جائے گا تو اسے لپیٹ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یہ تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، نہیں پیدا کیا ہے، مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ وقت کے لئے" پھر آگے اللہ تعالیٰ مزید وضاحت کرتا ہے: "جب صور بھونکا جائے گا تو ایک ہی پھونک کے ساتھ زمین اور اس کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا" اس طرح کی آیات ربانی کا ذکر قرآن پاک میں بار بار کیا گیا ہے تاکہ ہم پر واضح ہو جائے کہ یہ آسمان اور زمین فانی چیزیں ہیں جو انسان کے استعمال کے لئے بچھائی گئی ہیں۔ یہ مقامات کسی مستقل رہائش کی جگہ نہیں ہیں کہ ایک مقررہ وقت پر ان کو لپیٹ لیا جائے گا لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ایک مستقل چیز ہے اور وہ کائنات کا مرکز ہے۔

## کارواں کے پڑاؤ

اللہ تعالیٰ نے انسانی قافلہ کی گزرگاہوں کو تیار کرنے کے بعد اس پر کچھ پڑاؤ بھی مقرر فرمائے اور قرآن پاک میں ہے "کہ وہی ہے جس نے موت و حیات کو پیدا فرمایا تاکہ تمہارا امتحان لیا جائے"

کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔" اس آیت ربانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی اور موت دونوں میں ہمارے لئے امتحان ہیں کہ ہمیں عملی پرچے حل کرنے پڑتے ہیں اور مرنے کے بعد کچھ سیدھے سوال پوچھے جائیں گے تو موت بھی ایک امتحان گاہ ہے یا ہمارے لئے پڑاؤ ہے۔ قرآن پاک میں ہے "تم کیونکر اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے پس تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ پھر تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک موت ہمارے لئے واقع ہو چکی ہے یعنی اس گزر گاہ پر زندگی اور موت کے پڑاؤ دو مرتبہ آتے ہیں۔ روز ازل یا عالم ارواح سے نکل کر انسان نے سب سے پہلے موت کے میدان میں قدم رکھا اور اب اس میدان سے نکل کر انسان باری باری حیات دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں۔ یہاں سے چلتے چلتے دوسرے عالم موت میں داخل ہوں گے اور سوالوں کا پرچہ حل کرنے کے بعد پھر حیاتِ دومی میں داخل ہوتے ہوئے اللہ کی طرف لوٹیں گے۔

### روز ازل یا عالم ارواح

اس حالت کی مزید وضاحت یہ ہے کہ روز ازل جب اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو اپنے رب و رکھڑا کیا تو پوچھا "الست بربکم؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں؟) تو ہم نے جواب میں کہا (قالوا بلی)۔ ہاں کیوں نہیں۔ چنانچہ ان سوالات اور جوابات کے ساتھ ہم عالم موت کے امتحان گاہ میں داخل ہوئے جس میں الست بربکم کی صدا میں سننے رہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے رہے۔ انسانی سفر کی یہ ابتدائی منزلیں ہمارے موجودہ شعور کی نگاہوں سے ادھبل ہیں لیکن ثبوت کے طور پر ہمارے لئے قرآن پاک کے الفاظ الست بربکم کافی ہیں۔ ہاں البتہ موجودہ زمانے میں علمِ نفسیات کے حوالے سے اس سلسلہ میں کچھ عملی دلائل بھی دیے جاسکتے ہیں۔ علمِ نفسیات کے ماہر اب وہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ انسان کے لاشعور میں اس کے اجداد کے نام تجربات محفوظ رہتے ہیں۔ اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ نفس انسانی عالم شہود میں ظاہر ہونے سے پہلے مادہ کی تاریکیوں میں اس دنیا میں موجود رہتا ہے اور جب اس دنیا میں وہ موجودہ صورت اختیار کرتا ہے تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے تاکہ اس کا تعلق عالم امر کے ساتھ قائم کیا جائے یا پیدا ہو جائے چنانچہ عالم خلق میں ظاہر ہونے کے بعد



یہ مسافر اپنی گذرگاہ یا صراط پر چل پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ رہبروں کے ذریعے اس کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایات بھیج دیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں فرمایا "جو میری ہدایات پر عمل کریں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا" ساتھ ہی عالم امر کی باتوں کو جذب کرنے یا وہاں پر داخل ہونے کے لئے وہاں سے بھی کچھ مل گیا یا عطا ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ بس میں نے پھونک دیا اس میں روح اپنی سے" اور پھر روح کے باسے میں فرمایا: "کہ روح امر ربی سے ہے"۔ ان دونوں آیات سے استفادہ کرنے کے بعد انسان کو عالم خلق اور عالم امر کے بارے میں کچھ سمجھ آجانی چاہیے۔ دراصل اللہ تعالیٰ اس جہاں میں ہمیں عالم امر میں داخلہ کے لئے تیار کر رہا ہے۔

### عالم خلق اور عالم امر

اب ذرا سوچیں کہ جب سے ہم اس عالم خلق میں داخل ہوئے ہیں، امتحان شروع ہے ہم سے دو سوال اکثر پوچھے جاتے ہیں "مَنْ رَبُّكَ" اور "مَنْ دِينُكَ" تمہارا رب کون ہے اور تمہارا دین کون سا ہے؟ یہ عملی سوالات ہیں اور اس زندگی میں اپنے عملوں سے ہم ان کا جواب دے رہے ہیں۔ کچھ لوگ خدا کو مانتے ہی نہیں اور کچھ لوگ اس دنیا اور مادی چیزوں کو اپنا خدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ یعنی کچھ لوگوں کا دین بھی یہی دنیا ہے اور وہ اسی دنیا کو جنتِ ارضی بنانے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر ساری دنیا اسی چکر میں پڑی ہوئی ہے اور ہم پر بھی اس کے اثرات پڑ رہے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ہم ہر روز اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں "کہ اے رب تیری بڑی مہربانی ہے کہ تو نے ہمیں اپنے حبیب حضور پاک ﷺ کے دین پر پیدا کیا اور اُس نے ہمارے لئے تیرے راستے کی نشاندہی کی۔ پس ہم صرف تیری علامی کریں گا اور لگا ہم کو سیدھے راستے پر۔ (اهدنا الصراط المستقیم) آمین۔ ثم۔ آمین۔

### حضور پاک ﷺ کی ذات

بہر حال عالم خلق کے یہ دو سوال، عالم امر میں بھی ہمارے ساتھ رہیں گے لیکن تیسرا سوال

بھی ہے جس کو اگر سوال عشق کا نام دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس سوال کا تعلق ہر روح سے ہے اور یہ سوال مرنے کے فوراً بعد پوچھا جائے گا۔ اس سوال کا تعلق زینت کون و مکان، فخر انسانیت، مولائے کل حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور پاکؐ سامنے نظر آئیں گے اور سوال سے ہوگا "مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ" یعنی "اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" انسانی شخصیت کی تکمیل اس آخری سوال کے صحیح جواب میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کے ہر باب میں نتائج کے ذکر میں ہم نے حضور پاکؐ کی غلامی کا اکثر ذکر کیا کہ سب کچھ اس سے حاصل ہو سکتا ہے اور مسلمانوں کے عام مکاتیب فکر اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ خاک جس نے حضور پاکؐ سے مس کیا عرش بریں سے افضل ہے۔ اس سلسلہ میں عزت بخاری فرماتے ہیں

ادب گا ہست زیر آسمان از عرش نازک تر  
نفس گم کردہ می آید جنید بازید آیں جا

### حضور پاکؐ حاضر و ناظر ہیں

مہاجر مکیؓ نے پیر مہر علی شاہؒ کو کہا کہ وہ حدیث پاک سے حضور پاکؐ کے حاضر و ناظر ہونے کو ثابت کریں تو پیر مہر علی شاہؒ نے اس حدیث کا حوالہ دیا کہ حضور پاکؐ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں کہ ہر مرنے والے کو نظر آرہے ہیں تو مہاجر مکیؓ "عشق عشق کر اٹھے کہ انہوں نے یہ حدیث سینکڑوں مرتبہ پڑھی لیکن ان معنی تک نہ پہنچ سکے اور آپ نے پیر مہر علیؒ کو مبارک دی تو پیر صاحب نے فرمایا کہ ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں ایسی ہی تفسیر کر گئے ہیں۔ بہر حال یہ عشق اور محبت کی باتیں ہیں اور جناب ابن عربیؒ اور پیر مہر علی شاہؒ جیسے خوش قسمت لوگوں کو جلد سمجھ آ جاتی ہے۔ علم والوں کو ذرا کم اور دیر سے نظر آتی ہیں۔ بہر حال مہاجر مکیؓ کی قسمت بھی کھل گئی اور قارئین کو بھی یہ عطا مبارک ہو۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی (اقبال)

## جناب ابوذر غفاریؓ کا تحس

لہذا یہ تیسرا سوال منزل کے ایک ایسے پڑاؤ پر پوچھا جائے گا جو نازک ترین ہے اور دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہوش و حواس قائم رکھے کہ ہم اپنے آقاؐ کو پہچان سکیں۔ کیونکہ اس پڑاؤ پر صحیح حالت میں پہنچنے کے لئے ایک زمانہ درکار ہے۔ جو لوگ کارواں محبت میں شامل ہونے کی صحیح تیاری اس عالم خلق میں حضور پاکؐ کی غلامی اپنانے سے کر لیں گے، ان کے لئے اس پڑاؤ پر اور قیامت کے روز آسانی ہوگی کیونکہ جب پورا انسانی قافلہ میدانِ حشر میں اترے گا تو ہر شخص اپنے امام کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ اور آسانی ان کے لئے ہوگی جو زندگی میں ایسا سوچیں:

بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام  
جاتا ہوں حضور رسالتؐ پناہ میں لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

(علامہ اقبالؒ کی زبان میں۔ جنگِ یرموک کے ایک شہید کے آخری لمحے)

لیکن یہاں پر عظیم صحابیؓ اور عاشقِ رسولؐ جناب ابوذر غفاریؓ کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک دن جناب ابوذرؓ نے حضور پاکؐ کے سامنے عرض کیا: یا رسول اللہؐ ہم لوگ آپ کے بتائے ہوئے احکامات پر تو پورے نہیں اترتے لیکن آپ سے محبت ضرور کرتے ہیں کہ آپ کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں اب خدا جانے ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ہمیں روزِ قیامت کہاں رکھا جائے گا؟

حضور پاکؐ نے فرمایا: "اے ابوذرؓ! قیامت کے روز تمہارا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تم محبت کرتے ہو" (اور اس بات کو تین دفعہ مکرر ارشاد فرمایا)

یہ سنتے ہی سیدنا ابوذر غفاریؓ اٹھے اور حضور پاکؐ کے ساتھ لپٹ گئے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے "حضورؐ میں آپ کے ساتھ محبت کرتا ہوں، میں آپ کے ساتھ محبت کرتا ہوں، میں آپ کے ساتھ محبت کرتا ہوں، میں آپ کے ساتھ محبت کرتا ہوں" اور معلوم نہیں کتنی بار یہ کلام دہرائی۔

قارئین! حضور پاکؐ کے جمال کا چشمہ اب بھی جاری و ساری ہے۔ اگر ہم گنہ گار تصور میں

حضور پاکؐ کے قدموں سے پیٹ جائیں تو ہمارے اندر سے اٹھنا محبت کا دریا اُمڈ آئے گا جو اس دنیا میں بھی ہمارے لیے پاکیزگی کا باعث ہوگا اور آخرت کی تیاری بھی ہو جائے گی۔ علامہ مرحوم اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر  
 گر تو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہِ مصطفیٰؐ پہناں بگیر  
 یعنی تو دونوں جہانوں کا خداوند ہے، میرے گناہوں کا حساب لینے سے مجھے ہی شرمندگی ہوگی لیکن اگر یہ ناگزیر ہے تو میرے آقا محمد مصطفیٰؐ سے چھپا کر حساب لیجئے گا۔  
 علامہ مرحوم کی یہ ایک ادا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر حساب کے بخش دے ورنہ وہ کونسی جگہ ہوگی جو حضور پاکؐ سے چھپی ہوگی۔

### روزِ قیامت یا میدانِ حشر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ”جب آسمان پھٹ جائے اور جب تارے جھڑ جائیں اور جب قبروں کو کھولا جائے“ ظاہر ہے کہ یہ قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسانی قافلہ ارض و سموات سے فارغ ہو کر آگے میدانِ حشر میں داخل ہوگا۔ اب ذرا اس پہلو پر دھیان دیں کہ قبروں کے کھولے جانے اور آسمان کے پھٹنے کو اکٹھا ایک نسبت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی جہاں قبر کے کھولنے کا ذکر ہے تو اس سے آگے عالم غیب یا عالم امر شروع ہوتا ہے اور ان مقامات سے نکل کر انسان روزِ حساب کی طرف بڑھے گا۔ عالم خلق میں انسان کی ایک قبر ہے لیکن سب انسانوں کی قبریں نہیں ہوتیں کسی کو جلا دیا جاتا ہے اور کسی کو سمندروں میں پھینک دیا جاتا ہے وغیرہ۔ پھر یہ کونسی قبر ہوگی جس کو کھولا جائے گا؟ ہمارے ہاں کچھ لوگوں نے عالم خلق کی قبر کا ذکر کیا ہے کہ ادھر ہی بارش ہوگی اور انہی قبروں میں انسان کی ہڈیوں پر مٹی چڑھے گی یا انسان کے جسمانی اجزا کو ادھر ادھر سے اکٹھا کیا جائے گا۔

ہم اس بحث کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے لیکن ہم نے جو کچھ بزرگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اس کے لحاظ سے قبر ایک استعارہ ہے اور عالم برزخ کا دنیاوی نام ہے۔ ہم مسلمان ادیب کے

ساتھ اپنے مرنے والوں کے جسدِ خاکی کو ایک مقام میں دفن کر دیتے ہیں۔ قبر کا تقدس اس وجہ سے ہے کہ انسان کا جسد اس زمین کو شرف بخشتا ہے اور بزرگوں کے ایسے نشان اور قبریں مقدس ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق حضور پاکؐ جب اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو دفن فرما رہے تھے تو اوپر سے قبر کی مٹی ٹھیک کرائی اور فرمایا یہ ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے ورنہ مرنے والے کو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ایک فقرہ سے قبروں کے باسے میں تمام اختلافات حل ہو جاتے ہیں کہ پس وہ ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہیں لیکن اس کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔

ہم آگے چل کر جسم اور روحانی جسم کے موضوع کے تحت اس پہلو کو اور واضح کریں گے لیکن یہاں پر یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہماری قبروں پر حاضری سے عالم برزخ کی یاد آ جاتی ہے۔ بزرگوں کے نیک اعمال یاد آتے ہیں اور اس دنیا کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ فانی جہاں ہے اس سے نیک عمل کرنے کی ترغیب ملتی ہے اور قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ فاتحہ بھی جنازہ کی طرح بخشش کے لئے ایک دعا ہے اور اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے۔ اسلام میں قبر پرستی یا بتوں کی طرح ڈالیاں چڑھانے کی کوئی سند نہیں۔ پس ادب کی جگہ ہے اور قبر پر حاضری کا فرمان خود حضور پاکؐ دے گئے لیکن قبر کی پوجا کی اجازت نہیں۔ امت میں اس سلسلہ میں اختلافات اس گنہ گار کی سمجھ سے باہر ہیں۔

## مادی دنیا یا عالمِ خلق کی حیثیت

چنانچہ ہماری یہ مادی دنیا یا عالمِ خلق، عالمِ امر کے مقابلے میں اس قدر تنگ و تاریک ہے جتنا بچے کے لئے ماں کا رحم۔ یعنی عالمِ امر کو عالمِ خلق سے وہی نسبت ہے جو عالمِ خلق کو کسی بچے کے ماں کے رحم میں ہونے سے ہے۔ ماں کے رحم میں جب بچہ تیرتا ہے تو اس کو وہ جگہ بڑی وسیع نظر آتی ہے۔ بہر حال ہم یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عالم شہادت یا مادی دنیا، عالمِ غیب یا عالمِ امر کے مقابلہ میں ایک رائی کے دانے کے برابر ہے۔ شیخ اکبر جناب محمد الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارا مادی جہاں، عالمِ غیب کے سمندر میں گویا ایک قطرے کے برابر ہے۔

روایت ہے کہ حضور پاکؐ ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے اور دفنانے کے بعد جب گھر تشریف لائے تو ام المومنین جناب عائشہ صدیقہؓ آپؐ کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھیں تو حضور پاکؐ کی دستار مبارک پر کچھ بوندیں دیکھ کر حیران ہوئیں کہ باہر موسم صاف تھا۔ حضور پاکؐ نے جناب عائشہؓ کی حیرانگی دیکھی تو بات کو بھانپ گئے کہ جناب عائشہؓ نے اپنا سر حضور پاکؐ کی ایک چادر سے ڈھانپ رکھا تھا کہ ان کو عالم غیب یا برزخ کی بوندیں بھی نظر آگئیں۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے فرمایا: "اے عائشہؓ! عالم غیب میں بھی زمین و آسمان، چاند اور ستارے ہیں اور وہاں بارشیں بھی ہوتی ہیں۔ البتہ انہیں بجز اولیائے کاملین کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔" اس حدیث مبارکہ میں اتنی باتیں پنہاں ہیں کہ اس پہلو پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں لیکن ہم صرف دو باتوں پر اکتفا کریں گے کہ وہ مومن کتنا خوش قسمت تھا جس کو ہمارے آقاؐ نے اپنے ہاتھوں سے دنیاوی قبر میں دفن کیا لیکن پھر اس کے ساتھ عالم برزخ تک بھی گئے جس کی بارش کی بوندیں جناب عائشہؓ کو بھی نظر آگئیں۔ ایسے واقعات سے حضور پاکؐ اپنی امت کے لئے کئی عقدے کھول رہے تھے اور ان باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان اگلی منزل ایک بہتر جہاں کی صورت میں ہوگی۔

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا

مختلف پڑاؤں کی وضاحت اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (اقبالؒ)

اول موت پھر زندگی، پھر موت اور اس کے بعد حیات جاودانی۔ یہ انسانی سفر کے چار بڑے پڑاؤ تصور کئے جاسکتے ہیں جن کی گزرگاہ کائنات میں کچھ اس طرح سے تعین ہے۔ اول موت کا تعلق خالصتاً زمین و تارکیوں کے ساتھ ہے۔ جس میں نظام ربوبیت یا عالم خلق، نفس انسانی کو اس کے اجداد کی پرشتوں میں پرورش کرتا رہتا ہے۔ بہر حال مادہ کی تارکیوں یا خالص عالم خلق سے نکل کر جب انسان اس حیات دنیا میں قدم رکھتا ہے تو یہاں عالم خلق اور عالم امر کے

تفصیل کے لئے مثنوی روحی سے استفادہ کریں۔

اس میں روح بھی پھونک دی جاتی ہے۔ دوسرا عالم موت جس میں مرنے کے بعد انسان گامزن ہوتا ہے، ساتوں آسمانوں پر مشتمل ہے اور اسی لئے معراج کی رات تمام انبیاء علیہ السلام کو وہاں پر ہی حضور پاکؐ نے اپنی ملاقات سے نوازا۔ دوسری زندگی یعنی حیاتِ جاودانی کا ظہور زمین و آسمان سے آگے ہوگا جب کہ اس کائنات کو لپیٹ لیا جائے گا اور نئے میدان بچھائے جائیں گے۔

## زمان و مکان

یہ افلاک جن سے ہم گزر رہے ہیں صرف عرض کی حیثیت رکھتے ہیں اور مکان یعنی SPACE کے نام سے پکائے جاتے ہیں۔ اس عرض کے ساتھ طول بھی ہے جسے زمان (TIME) یا مسافت کہتے ہیں۔ ایک طرف کی وسعتیں ہیں تو دوسری طرف زمان کی لا متناہیوں سے انسانی سفر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کس قدر طویل ہے۔ البتہ زمان و مکان کا مسئلہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے اور خالی طول و عرض کے الفاظ کے استعمال سے بیان مکمل نہیں ہوتا کہ دنیاوی زبان میں ہمارے پاس ایسے الفاظ ہیں کہ ہم اس مسئلہ کی گہرائی میں جائیں اور نہ اس قسم کی کتاب میں اس پہلو کو مکمل طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہم البتہ آگے چل کر قرآن پاک کے الفاظ سے یہ بھی واضح کریں گے کہ وقت محض ایک پیمانہ ہے جس کے ذریعے کائنات کی وسعتوں کا بیان کیا جاسکتا یا ان کو کچھ ناپا جاسکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت جناب علی کرم اللہ وجہہ کے قول سے بھی آگے آتی ہے کہ یہ سفر کتنا لمبا ہے چنانچہ زمان و مکان کا مضمون بہت وسیع ہے اور یہاں صرف یہ باور کرنا مقصود ہے کہ ہمیں بھی غیروں کی طرح اپنے آپ کو اس دنیا میں حدود نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہماری نگاہ پوری کائنات پر ہونی چاہیے اور کائنات کی وسعتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں یوں فرماتا ہے: ”تدبر کرتا بہ امر کا آسمان سے زمین کی طرف۔ اوپر چڑھ جاتا ہے طرف اس کی وہ امر ایک دن میں کہ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک نزلہ برس ہے۔“ اس طرح وقت یا زمان کی مقدار کے رسلہ میں قرآن پاک میں ایک اور جگہ یہ الفاظ ہیں: ”ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتیں ایک دن میں جن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔“

اب اندازہ لگائیں کہ ایک ہزار برس کی مقدار کا دن عالم امر کے متعلق ہے جو اس عالم دنیا کے بعد انسان کی اگلی منزل ہے اور اس سے بھی اعلیٰ تر جہاں میں ایک دن ہماری گنتی کے حساب سے پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔ غیروں نے بھی اس مادی دنیا سے نکل کر اب ان زمان و مکان کے معاملات کو کچھ سمجھنا شروع کر دیا ہے اور جناب ابن عربیؒ کی کتابوں پر روس اور امریکہ میں تحقیق ہو رہی ہے لیکن ہمارے ہاں کچھ لوگ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مرنے کے بعد آدمی اسی جہاں میں رہ جاتا ہے یا محدود مٹی میں سلا دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ سخت غلط فہمی میں ہیں۔ کائنات کا یہ طول و عرض کسی اور مخلوق کے لئے نہیں بنایا گیا بلکہ یہ تمام راستے انسان کے لئے ہیں اور موت پر قصہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ صحیح معنوں میں سفر تو موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔

## مسافر کے سفر کے راستوں کی وضاحت

اب انسان نے جن راستوں پر سفر کرنا ہے تو ہم معلوم کرتے ہیں کہ مکاں کی وسعتوں کو طے کرنے کے لئے اس کو کون سے وسائل مہیا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس مادی جسم کی پرورش کے لئے انسان کو چند مادی طاقتیں عطا کی گئی ہیں۔ ایک فوجی سپاہی کی پیدل رفتار، عام طور پر تین میل فی گھنٹہ ہوتی ہے اور اس چھوٹی سی زمین پر بھی اس رفتار کے ساتھ انسان کا دائرہ عمل ایک محدود سے خطہ ارضی پر ہو سکتا ہے۔ شاید انفرادی ضرورتوں کے لئے یہی رفتار کافی سمجھی گئی مگر زندگی نے جب اجتماعی شکل و صورت اختیار کی تو اس کے لئے تیز رفتار سوار یوں کا وسیلہ ضروری ہو گیا۔ انسان نے آج اس دنیا کے فاصلوں کو طے کرنے کے لئے آواز سے بھی تیز اڑنے والے ہوائی جہاز بنائے ہیں، جنہوں نے زمین کی وسعتوں کو سیکڑ دیا ہے۔ مگر زمین کے دائرے سے باہر یہ جہاز کار آمد ثابت نہیں ہو سکتے۔ آگے چل کر شاید انسان راکٹوں کے ذریعے تمام نظام شمسی کو اپنے دائرہ عمل میں لے آئے مگر اس سے آگے بڑھنا مادی جسم کے ساتھ کچھ ناممکن ہے۔

نزدیک ترین ستارہ کئی نوری سالوں کے فاصلے پر ہے اور اگر برقی رفتار کے جہاز بھی بن جائیں تو بھی نزدیک ترین ستارہ تک بمشکل کئی نوری سالوں میں رسائی ہو سکے گی۔ ان آسمانی



فاصلوں کو طے کرنے کے لئے روحانی رفتار کی ضرورت پڑتی ہے جہاں روح ایک دن میں آسمان سے زمین اور پھر زمین سے پلٹ کر آسمان میں پہنچ سکتی ہے۔ مگر وہ دن ہمارے حساب کتاب کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ لہذا اس زندگی میں اگر کوئی اپنی روحانی طاقتوں کو بیدار کر لیتا ہے اور اس رفتار سے عالم بالا کی میر کی کوشش کرے تو وہ ایک محدود دائرے تک ضرور پہنچ جائے گا۔ لیکن پورے سموات کا چکر لگانے کے لئے ہمارے حساب سے کم از کم ایک ہزار برس درکار ہوں گے لیکن ان رفتاروں سے بڑھ کر ایک اور رفتار بھی ہے جس کی بدولت پلک جھپکنے میں فرشتے سے عرش تک چکر لگایا جاسکتا ہے :

عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام

اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں (اقبالؒ)  
 علامہ مرحوم نے ہمارے لئے اس سفر کے عقدہ کو حل کر دیا کہ ایسی رفتار حضور پاکؐ کے عشق اور غلامی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضور پاکؐ کا عشق دنیا و مافیہا اور عقبیٰ و مافیہا سے بے نیاز بنا کر سیدھا تاشائے ذات کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ آپؐ کے عشق سے سرشار دنیا و مافیہا سے اکثر بے خبر ہو جاتے تھے۔ پس بشری تقاضوں کے تحت اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور پاکؐ کے جمال کے نظارہ کو برداشت کرنے کی طاقت دے دی تھی۔ ورنہ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ بعد کے زمانے کے اولیاء اللہ بھی ان باتوں کو سمجھتے تھے۔ اور کچھ اشائے بھی کر گئے ہیں۔ پشتو کے مشہور شاعر رحمن بابا کچھ اس طرح فرماتے ہیں :

پہ یو قدم تر عرش پورے اس

مالیدے دے رفتار دور ویشانو  
 (یعنی ایک قدم سے عرش پر پہنچتے ہیں۔ میں نے درویشوں کی یہ رفتار دیکھی ہے)

موت کیا ہے؟

اسلامی نظریہ کائنات اور اس میں سے گزرنے والے مسافر کے سلسلہ میں اوپر بیان کئے گئے ہیں منظر میں اب ہم موت کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔ موت وہ چیز ہے

جس سے فرار ناممکن ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ایک دہریہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ چاروں طرف ہر لمحہ اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ ”ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے“ اور اس وجہ سے ہر نفس کو موت کا پابند کر دیا گیا ہے۔

## غیروں کا نظریہ موت

موت کے بارے میں غیر اسلامی نظریات کافی حد تک پریشان خیالی پیدا کرتے ہیں۔ عام طور پر مسلمان ان خیالات سے متاثر تو نہیں ہوتے لیکن کچھ وضاحتیں ضروری ہیں۔ ہندومت اور بدھ مت کے پیرو آداگون کے قائل ہیں جس کے مطابق روہیں اپنی جزا و سزا بھگتنے کے لئے بار بار مختلف صورتوں میں اس زمین پر آتی رہتی ہیں کبھی انسان، انسان ہی کے بہتر یا بدتر روپ میں اور کبھی انسان جانور کے روپ میں۔ اس فلسفہ کے لحاظ سے بھی سفر تو جاری ہے اور شاید جاری سفر کے صحیح فلسفہ کو اہل ہند نے اپنی عقل لڑا کر محدود یا گھٹیا کر دیا۔ بہر حال مسلمان آداگون کے فلسفہ سے متاثر نہ ہوئے۔ البتہ جیسا کہ تیسری کتاب میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ عبداللہ بن سنانے کچھ اس قسم کی شرارت کی اور قرآن پاک کے دابہ الارض کو اپنی تاویل میں دے کر آدمی کی دوبارہ دنیا میں آمد پر اٹکل پچھو قسم کے تبصرے ضرور کئے۔

موت کا دوسرا نظریہ مادہ پرستوں کا پیش کردہ ہے۔ یہ لوگ دہریے ہیں اور خدا کی ذات اور روح کے منکر ہیں۔ سوشلسٹ ممالک کے علاوہ اور بھی کافی لوگ اس نظریہ کے قائل ہیں کہ حیات بعد الموت کی کسی صورت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں کافی تعداد میں موجود ہیں اور ان کو اس زمانے میں بڑی دنیاوی کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں۔ اس وجہ سے اہل اسلام میں ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جو ان سے متاثر ہے۔ گو ایسے لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار نہیں کرتے مگر حیات بعد الموت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ کو بھی استغائے سمجھتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں ”اسے جہان و ڈامٹھا اگلا کے نہ ڈٹھا“ یعنی یہ جہان بہت میٹھا ہے اور اگلا جہان کسی نے نہیں دیکھا۔ ایسے لوگ بڑے خطرناک ہیں۔ یہی لوگ جنت ارضی کے ”باپ“ ہیں۔ ان کے ہر بیان اور عمل پر کڑی نظر

رکھنی چاہیے۔ اسلامی معاشرہ میں یہ لوگ ناسور کی طرح ہیں۔

موت کا تیسرا نظریہ جو دراصل یونانی فلسفہ کی پیداوار ہے اب یہودی یا نصرانی لوگوں میں بھی پھیل چکا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو آخری آرامگاہ میں سلا دیا جاتا ہے اور قیامت تک انسان وہاں ہی سوتا رہتا ہے۔ روزِ محشر انسان کو جب اٹھایا جائے گا تو اچھے یا بُرے اعمال کی وجہ سے جنت یا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ بھی نصرانیوں کی پیروی کرتے ہوئے اس نظریہ سے متاثر ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد اس جہانِ دنیا کی قبر کو سب کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں اور عالم برزخ میں انسانی طاقتوں کے سترگنا بڑھ جانے کے حضور پاک کے فرمان یا عالم برزخ کی وسعت یا معراج کے موقع پر حضور پاک کے مشاہدات والی باتوں کو کچھ بھول گئے ہیں۔ اس میں نقصان یہ ہے کہ پہلے دو نظریوں کی طرح یہ نظریہ بھی "مقامی" ہوتا ہے اور اسلام کے فلسفہ، حرکت یا سفر جاری اور صراطِ مستقیم پر رواں دواں رہنے والی باتوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہودی اور نصرانی بھی اس غلطی کا شکار اس لئے ہوئے کہ غیروں کے فلسفوں سے اثر لے لیا۔ ورنہ صحیح بخاری کے مطابق تمام پیغمبر ایک دین پر ہیں تو ظاہر ہے کہ تمام نبیوں نے تو فلسفہ موت و حیات صحیح طور پر اس طرح واضح کیا جس طرح اسلام یا دین فطرت میں بیان ہے کہ ایک مسافر کی حیثیت سے انسان نے بلندیوں کی طرف پرواز کرنا ہوتا ہے اور قرآن پاک کے لحاظ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی تعلیم کا نام بھی منطق الطیر تھا اور تیسریوں صدی عیسوی کی مشہور صوفی بزرگ فرید الدین عطارؒ کی کتاب کا نام بھی منطق الطیر ہے یعنی پرواز کی بات ہے۔ اس لئے جب تک ہم غیروں کے فلسفہ حیات و موت سے نجات حاصل نہیں کرتے۔ ہمیں اسلام کا نظریہ حیات و موت سمجھ نہ آئے گا

## اسلام کا نظریہ موت

اسلام کے لحاظ سے انسان ایک مسافر ہے اور وہ ازل سے ابد کی طرف سفر کر رہا ہے۔ وہ کسی مقام پر رکتا نہیں بلکہ ہمیشہ بڑھے چلا جاتا ہے۔ پڑاؤ کا ذکر جو کیا گیا ہے وہ کوئی پکا

قیام نہیں بلکہ منزل کا لفظ استعمال کر کے وہ پڑاؤ ایک "سستانے" والی جگہ بن جاتی ہے تو مرنا انسان کا خاتمہ نہیں۔ نقل مکانی ہے جس کے مطابق وہ ایک ادنیٰ مقام سے اٹھ کر تکمیل شخصیت کے لئے ایک اعلیٰ مقام میں منتقل ہو جاتا ہے۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ اولیاء اللہ نہیں مرتے، مگر ایک اور روایت ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے "کہ اسلام غربت سے اٹھا اور پردان چڑھا۔ عنقریب غریبوں کی طرف پلٹ جائے گا اور آخری زمانے میں غریبوں کے ذریعے ہی ایک مرتبہ پھر غلبہ حاصل کرے گا۔" عربی میں غریب مسافر کو کہتے ہیں اور اس روایت میں کارواں کا ذکر بھی ہے اور علامہ اقبالؒ بھی ہر زمانہ میں کسی قافلہ یا کارواں کا ذکر کرتے ہیں تو یہ مسافر رواں دواں ہے اور موت سے ہماری ہلاکت ہرگز نہیں ہوتی۔

کشا در دل سمجھتے ہیں اس کو

ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں (اقبالؒ)

## موت اور نیند میں مماثلت

قرآن پاک میں ہے "اللہ قبض کرتا ہے نفس کو موت کے وقت اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں۔ پس جن پر موت قضی ہوئی اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے، تحقیق اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔" یہ آیت ربانی ہمیں بتاتی ہے کہ موت اور نیند میں بہت کچھ مماثلت ہے۔ نیند کے دوران انسانی ہستی (نفس) اس جسم سے الگ ہو کر بھی بدستور قائم رہتی ہے اور وہ عالم بالا اور عالم دنیا کی سیر کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جاگ اٹھنے کے بعد ہمیں اکثر باتیں بھول جاتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ خواب میں نفس انسانی اس جسدِ خاکی کو چار پائی پر چھوڑ کر کسی اور جسم کے ساتھ "زمان و مکاں" میں غوطے لگاتا ہے اور خوابی یا روحانی جسم میں حواسِ خمسہ پوری طرح کام کرتے ہیں اور یہ خوابی جسم خوشی یا غم ہر چیز کو محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ نیند کو سمجھنے کے بعد ہم موت کو بھی سمجھ سکے ہیں کہ نیند کو موت کا بھائی کہا گیا ہے "النوم أخ الموت" نیند اور موت دونوں میں اللہ تعالیٰ نفس کو قبض کرتا ہے اور دونوں میں انسانی ہستی اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔

فرشتہ موت کا چھوٹا ہے گو بدن تیرا  
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے (اقبال)

## جسم کی حقیقت

یہ جسدِ خاکی یا جسم یا بدن جس پر بیٹھ کر مسافر حیات سفر کر رہا ہے اور جس کے ختم ہونے کا علم اُسے کھائے جا رہا ہے۔ اصل میں کوئی مستقل حقیقت نہیں رکھتا۔ البتہ یہاں پر یہ وصفت ضروری ہے کہ جسم، نفس، بدن، روح، قلب اور دل وغیرہ کے الفاظ جو انسان کے وجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ان کو بزرگوں نے اپنے خیالات یا تصورات کے لحاظ سے استعمال کیا ہے اور گہرائی میں جائیں تو کوئی فرق نہیں۔ ہاں طرزِ بیان الگ الگ ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ہماری مختلف حالتوں کے لئے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے اور وضاحت کے طور پر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ انسان ایک "خیال" یا "تصور" ہے۔ بہر حال یہ سب اللہ تعالیٰ کے بھید ہیں کہ ہمیں شعور دے کر بھی بے شعور رکھا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو وہ خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ ساری دنیا کے قلم اگر مندروں کا پانی بھی بطور سیاہی استعمال کریں تو بھی اللہ کی ذات و صفات کو بیان نہیں کر سکتے۔

تو بہر حال ہم یہاں پر بات ظاہری جسم کی کر رہے تھے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کہ لحظہ بہ لحظہ کچھ نہ کچھ بدلتا رہتا ہے۔ ہر لمحہ اس میں جو خون پیدا ہوتا ہے وہ خون ایک سو بیس دن بعد باری باری گل سڑ جاتا ہے یعنی خون کی عمر ایک سو بیس دن یا اس سے کچھ کم ہے اور خون کی خلیوں سے جو جسم بنتا ہے، وہ بھی روزانہ اس حساب سے کچھ نہ کچھ ادھر جاتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے اور دس سال کے عرصہ میں ہڈیوں سمیت پورا بدن تبدیل ہو چکا ہوتا ہے اس معاملہ کو سوچا جائے تو مادی دنیا اور مادی جسم کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ بڑی وقتی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے اگابا، تم کو زمین سے ایک قسم کا اگانا پھر لوٹاتا ہے تمہیں اس میں اور نکالتا ہے، ایک قسم کا نکالنا" گویا یہ زمین میں لوٹانے اور نکلنے والا معاملہ موت تک جاری رہتا ہے اور مرنے پر جسم کی آخری کھیپ کو اس طرح زمین کے حوالے

کر دیا جاتا ہے۔ خواہ وہ قبر ہو یا کسی اور جگہ ذرہ ذرہ ہو جائے تو اس دنیاوی سوار یا سواری (بدن) کے ساتھ محبت بڑی وقتی قسم کی ہونی چاہیے۔

## روحانی جسم

چنانچہ اس موجودہ جسم کے علاوہ ہم اس دنیا میں ایک اور جسم بھی رکھتے ہیں جس کو ہم خوابی یا روحانی جسم کا نام دے چکے ہیں۔ اس جسم کا تعلق اس زمین کے ساتھ عارضی ہے اور اس کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہے وہ چند لمحوں میں زمین کے گرد گھوم کر آسمان کی بلندیوں کی سیر کر کے واپس آجاتا ہے۔ موت کے وقت یہی روحانی بدن اپنا عارضی تعلق اس دنیا سے ختم کر دیتا ہے اگر مرے ہوئے لہنی آواز کونسا سکتے تو عزیز واقارب کو ماتم کرنے سے ضرور منع کرتے۔

## مومن کو موت کا تحفہ

حضور پاکؐ نے اس دنیا کو قید خانہ کا نام دیا کہ موت کے بعد مومن آزاد ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں صرف شیطان آزاد ہے اور اسلام کسی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ تو موت کے بعد مومن اس طرح آزاد ہوتا ہے کہ اس کی طاقتیں سترگنا بڑھ جاتی ہیں۔ دراصل سترگنا بھی ایک اصطلاح جس کے معنی بہت اور بہت زیادہ کے ہیں۔ حضور پاکؐ نے مزید فرمایا کہ موت مومن کو تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم  
چوں مرگ آید تبسم برب اوست

## شہادت

شہید کے سلسلہ میں البتہ ہمارے دانشور اور عالم کافی کچھ لکھ چکے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ایک یہ پہلو قوم کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اس لئے ہم شہادت کے فلسفہ کو اور زیادہ بیان نہ کریں گے اور اس کے عمل پہلو کو پیچھے کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں ہاں البتہ چند غلط باتوں کی طرف

قارئین کی توجہ ضرور دلائیں گے۔ شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ کر شہادت حاصل کرے اپنی بسوں اور لاریوں یا عمارتوں کو آگ لگانے والوں یا فتنہ فساد کرنے والوں میں سے جو مر جائیں انہیں شہید نہیں کہا جاسکتا اور شہادت کے سلسلہ میں کسی کو شہید وطن کہنے یا اپنا آج ہمارے کل پر قربان کرنے والی اصطلاحوں کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ غیروں سے اثر لینے والے ادیبوں سے گزارش ہے کہ وہ خدا را اسلام میں اپنے باطل ادبی گھوڑے نہ دوڑائیں۔ شہادت صرف اللہ اور رسولؐ کی راہ میں ملتی ہے بشرطیکہ اس میں عشق صادق، اخلاص مندی اور حسن نیت موجود ہوں۔ ہم تمام کتابوں میں یہ پہلو واضح کر چکے ہیں کہ حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ رفقاءؓ کے زمانے میں جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ اس وجہ سے ہوئیں کہ مسلمانوں نے اس قسم کے فلسفہ حیات کو اپنایا لیکن یہاں پر ایک اور پہلو کی وضاحت کی بھی ضرورت ہے کہ اہل مغرب اور کئی دوسرے مفکر آج ان سوالات میں الجھے ہوئے ہیں کہ وہ کیا ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں جائیں گے؟ اس لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کی طرح پریشان ہونے کی بجائے یہ چیز سمجھیں کہ "ہیں کیا ہوں؟" کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو۔"

## میں کیا ہوں؟

جب ہم عقلی اعتبار سے اپنی ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس پر تصور ٹھہر سکے اور جسے کہا جائے کہ یہ میری ذات ہے۔ باوجود اس کے کہ احساس ذات (SELF) ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ بہر حال انسانی ذات کے بغیر عشق و وجدان کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ مشہور مغربی مفکر و یگارت نے کہا تھا "چونکہ میں فکر کرتا ہوں اس لئے میں ہوں" لیکن حکیم الامتؒ نے فرمایا "چونکہ میں عشق کرتا ہوں اس واسطے ہوں" یہ عشق نہ صرف زندگی میں استحکام پیدا کرتا ہے بلکہ موت کے بعد بھی "زندگی" کی ضمانت دیتا ہے۔ زمانہ اس کا غلام ہے کیونکہ وہ زمانے سے بالاتر ہے اور روح کا حقیقی جوہر ہے۔ صاحب عشق "سمانہ سکا دو عالم میں مرد آفاق" کے مصداق زمین و آسمان، حشر و نشر حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے کوئے یار کی طرف گامزن ہے۔ زمانے کے تھپڑ اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے

کیونکہ وہ اپنے سینہ میں ایک سیلاب لئے پھرتا ہے۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فرغ  
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام  
تندوبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو  
عشق خود ایک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام  
(اقبالؒ)

اور ہم عملی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ شخصیت میں جب تک عشق کا ظہور نہ ہو، انسان اس دنیا میں بھی اور عالم امر میں بھی حیران و سرگرداں رہتا ہے اور اپنی ہستی یا ذات کو نہیں پہچان سکتا۔ جہاں عشق کا ظہور ہو جائے وہاں سب نقاب اٹھ جاتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے رفقاء نے کس طرح اپنی جانیں قربان کیں اور میدان جنگ میں ان کو کیسا لطف آتا تھا وہ سب کچھ بیان ہو چکا ہے اور آج بھی ایسا ہو سکتا ہے :

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے

تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے (اقبالؒ)

### غلامان محمدؐ

راقم خود ایسا نظارہ دیکھ چکا ہے کہ میرے عظیم ساتھیوں نے تھر تھراتے ہوئے آسمان سے گرجتے ہوئے جہازوں، لہراتی ہوئی زمین پر سے بے پناہ بمباری اور دشمن کی ٹڈی دل فوج کے حملہ پر حملہ کا جواب نعرہ تکبیر اور نعرہ جیدری سے دیا۔ جو کچھ میرے ساتھیوں نے کیا۔ یہ عشق کے بغیر بالکل ناممکن تھا اور یہ ان کو اس لئے نصیب ہوا کہ وہ حضور پاکؐ کی محبت سے لبریز میدان جنگ میں اترے تھے اور اپنے عشق کا امتحان دے کر آج لاہور کی ایک گناہ جگہ پر ایک شہید گنج میں دفن ہیں۔

### تصویر کا دوسرا رخ

لیکن افسوس کہ دنیا کی محبت، عالم اسلام پر ایک جنون کی طرح سوار ہے اور مسلمان کی روح کا ذرہ ذرہ دنیاوی مفادات میں گھس گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے موت سے ڈرنا شروع



کر دیا ہے۔ اصل میں یہ سازش بنو امیہ کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔ یزید بن معاویہ کا بیٹا خالد جس کو مروان نے خلیفہ بننے دیا۔ پہلا مسلمان فلسفی بھی کہا جاتا ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں ایسے گروہ نہ تھے کہ فلاسفر کون ہے اور ادیب کون ہے۔ اسلام میں شرط ہی حضور پاک ص کا عشق اور غلامی تھی۔ تاہم غیروں سے اثر لیتے ہوئے ان فلاسفر قسم کے لوگوں نے مسلمانوں کو زندگی سے محبت کرنا سکھایا اور موت سے نفرت کا درس دیا۔ اس میں حکمران طبقے کا بھی ہاتھ تھا "کہ وہ فاقہ کش جو موت سے نہیں ڈرتا اس کے اندر سے روح محمدی نکال دی جائے" اس سب کا ردائی کا نتیجہ بعد میں سقوط بغداد اور صلیبوں کی یلغار کی صورت میں نکلا کہ ایک ایک منگول نے چالیس چالیس آدمیوں کو لٹا کر ذبح کر دیا بلکہ حکم دیا کہ اس کے تلوار لانے تک وہ لیٹے رہیں اور چالیس میں سے ایک دو نے فرار اختیار کیا ورنہ سب ڈر سے لیٹے رہے اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیے گئے۔ ہمیں ان واقعات سے سبق سیکھنا چاہیے کہ اسلام غیرت کی زندگی کا درس دیتا ہے اور بھیڑ بکری کی طرح مرنا غیر اسلامی ہے۔ ہم سانحہ کربلا میں اس سلسلہ میں وضاحت کر چکے ہیں۔

حیات دنیا کی حرص اور موت سے فرار کے اثرات ہر زمانے میں ہم پر پڑتے رہے۔ ہر عقیدہ جو موت سے نفرت کی باعث بنتا ہے وہ غیر فطری بھی ہے اور غیر اسلامی بھی۔ اسی خیال خام کو اپنے دل سے نکال دیں کہ حیات انسانی کا مقصود صرف یہی چند روزہ زندگی ہے اور اس کا انجام صرف لمحہ کی تاریکی ہی تاریکی ہے خواہ اس میں قیامت تک سونا ہو یا بعد تک۔ ایک مسافر الی اللہ کی شایان شان نہیں ہے کہ وہ قیامت تک زمین کی تاریکیوں میں سویا رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں اکثر آہ بھر کر فرمایا کرتے تھے "سفر دراز ہے اور زادراہ کم" یہ کون سے طویل سفر کی طرف اشارہ تھا؟ حالانکہ دنیاوی سفر تو آپ ختم کرنے والے تھے بلاشبہ یہ اسی سفر کا ذکر تھا جس پر انسانی قافلہ آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

## وسیع تر مضمون

اسلامی فلسفہ حیات کا مضمون بہت وسیع ہے۔ دراصل ساری بات ہی یہی ہے کہ زندگی

لے جلال مصطفیٰ ص ۱۲ سے بھی استفادہ کریں۔

کس طرح گزاری جائے۔ ہم نے اس کا مختصر سا جائزہ پیش کر دیا ہے کہ انسان کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے۔ اس کے لئے صراطِ مستقیم کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ تفصیل قرآنِ پاک، احادیث مبارکہ اور حضور پاک ﷺ کے رفقاء کے عملوں میں موجود ہے اور یہ ایک خلاصہ ہے۔



## اسلام کا فلسفہ دفاع

تمہید

پچھلے ابواب میں اس پہلو کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر قوم اور ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی سیاسی فلسفہ کے تحت ایک ملک یا قوم بن کر اپنے مقاصد پورے کریں اور ہر قوم کا فلسفہ دفاع اس فلسفہ کے تابع ہوتا ہے اور تمام ملکی اور قومی مقاصد کا دفاع ہر ملک پر فرض ہوتا ہے۔ سب قومیں آج اس پر سختی سے عمل کرتی ہیں۔ لیکن دینِ فطرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اجتماعی سیاسی نظام کو اپنایا، جس کو حضور پاکؐ نے جہادِ اکبر کے نام سے موسوم کیا، کہ مومن ہر وقت یا تو جہادِ صغیر یعنی جنگِ وغیرہ میں مصروف رہتا ہے، یا جہادِ اکبر یعنی جنگ کی تیاری میں مصروف رہتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو کم از کم یہ سوچتا رہتا ہے کہ وہ ان فرائض کو کیسے پورا کرے۔

اسی وجہ سے ہم نے اپنے سیاسی فلسفہ کو نظامِ مصطفیٰ یا نظامِ جہاد کا نام دیا ہے، اور اپنے دفاعی فلسفہ کو جہادِ بالسیف کے نام سے موسوم کیا۔ جنگ جس کو اہلِ اسلام حرب کہتے ہیں، اسی دفاعی فلسفہ کی حکمتِ عملی کے تحت لڑی جاتی ہے، اور اس لڑائی کو اسلام میں قتال کا نام دیا گیا ہے۔ ان الفاظ کی اس طرح کی انگ انگ وضاحت بہت ضروری ہے، کہ آج کل کی جنگیں یا اس سلسلہ کے باقی شعبے اتنی وسعت اختیار کر چکے ہیں کہ الفاظ کا محدود استعمال ضروری ہے۔ اور اسی وجہ سے اہلِ مغرب نے سرطیجی (حکمتِ عملی) اور ٹیکٹکس (تدبیرات) کو بڑی وضاحتوں کے ساتھ انگ انگ شعبوں میں بانٹ دیا ہے۔ لیکن ہم اردو زبان میں، مغربی اصطلاحات کے اپنے مرصنی کے معانی کر کے بعض دفعہ تمام معاملات کی ایک کھچڑی پکا دیتے ہیں۔

ان تمام کتابوں میں اس پہلو کا بڑا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر اصطلاح ہر جگہ ایک ہی قسم کے

معانی میں استعمال ہو، اور چونکہ یہ اس سلسلہ کا آخری باب ہے، یہاں پر تمام تر فوجی اور جنگی اصطلاحات اپنے اصلی معانی کا خوب تر اظہار کرتی ہیں۔

## ایک غلط فہمی

جہاد کا لفظ تو ہم سب نے بچپن میں سن رکھا تھا، لیکن ہم اس خیال کے حامی رہے اور کئی لوگ اب تک اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ جہاد صرف ایک جذبہ کا اظہار ہے۔ اور اسلام نے اپنا کوئی الگ فلسفہ دفاع نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہماری موجودہ کتابیں یاد دانشوروں کی تمام تر کوششیں کسی الگ فلسفہ دفاع کی نشاندہی آج تک نہیں کر سکیں، سوائے چند ایک اصولوں کے کہ اسلام کلی جنگ کا دعویٰ ہے اور ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہے وغیرہ۔ اس طرح کے کچھ مضامین، اخباروں میں آئے، یا کسی ایک آدھ کتاب میں، خاص کر ریگڈ میٹر گلزار احمد کی جہاد پر کتاب میں کچھ ایسے اصولوں کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

بہر حال ان سب مضامین اور کتابوں کے مطالعہ کے بعد، اور اپنی ان کتابوں کی کہانی کی عملی تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام کا اپنا ایک دفاع کا فلسفہ موجود ہے جسے ہم جہاد بالسیف کہہ رہے ہیں اور اسی چیز کو اس باب میں مختصر طور پر بیان کریں گے۔

## تحقیق

ایک فوجی ذہن قرآن حکیم میں غوطہ زن ہونے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اسلام کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی فوج تیار کرنا ہے، جو باطل قوتوں کے خلاف اعلان جنگ کر دے اور پھر انہیں پاش پاش کر دے۔ اگر اہل اسلام اس فرض سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اپنی بے عملی پر مطمئن ہیں تو وہ اس بات میں بڑی خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ حصنور پاک کی حیات طیبہ سے

۱۔ اسلام کے پہلے سو سالوں میں البتہ فن جنگ پر الگ کتابیں تھیں۔ جلال مصطفیٰ صفحہ ۲۹۸-۲۹۹  
۲۔ جلال مصطفیٰ ۱، خاص کر صفحہ ۲۵ سے استفادہ کریں۔

بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، کہ مومن خدا کا سپاہی ہے اور وہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے اس دنیا میں وارد ہوا ہے۔ مکی دور میں کچھ اس قسم کے الفاظ حضور پاکؐ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ یعنی قریش میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج لاکر رکھ دیں، تب بھی میں اپنے مقصد سے مٹنے والا نہیں ہوں۔ اللہ کی بات پوری ہوگی یا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میں اپنی جان دے دوں گا۔ آگے چل کر دس سالہ مدنی زندگی میں حضور پاکؐ نے یثرب میں ایک فوجی مستقر قائم فرمایا۔ اس میں اللہ کی فوج تیار فرمائی۔ اور ایک سو مہمات کا اہتمام فرمایا۔ بڑی جنگوں اور کچھ مہمات میں آپؐ نے بنفس نفیس فوج کے ساتھ شامل ہو کر عسکری زندگی پر احسان فرمایا، اور جہاد بالسیف کو افضل ترین عبادت قرار دیا۔

حضور پاکؐ کی مدنی زندگی میں عسکری پہلو سب سے غالب نظر آتا ہے۔ مگر بد قسمتی سے آج یہی وہ پہلو ہے، جسے اہل اسلام کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ خاص طور پر گزشتہ دو تین صدیوں میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حضور پاکؐ کی مجاہدانہ زندگی پر پردے ڈالنے کی کوشش کی گئی جس سے جہاد بالسیف ایک غیر اہم فریضہ معلوم ہونے لگا۔ دور کیوں جاتے ہیں، ہمارے ملک میں ہر سال عید میلاد النبیؐ منائی جاتی ہے۔ ریڈیو یا ٹی وی پر حضور پاکؐ کی عسکری زندگی کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔

بہر حال مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے باطل پرست قوتیں ہمیشہ لرزہ بر اندام رہی ہیں اور اسی جذبہ کو سرد یا مفلوج کرنے کے لئے ہمارے دشمنوں کو طویل مدت تک پا پڑیلینے پڑے ہیں۔ بالآخر انہیں کامیابی ہوئی۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہل اسلام آج بھیرے بکریوں کے ریوڑ بن کر رہ گئے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ اپنی جگہ پر ایک اعتبار سے ابھی تک قائم ہیں۔ مگر جس مقصد یعنی جہاد کے لئے یہ تربیت شروع کی گئی تھی، وہ نگاہوں سے سراسر اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔ آج کے تن آسان مسلمان نے جنت حاصل کرنے کے لئے آسان راستے تلاش کر لئے ہیں۔ ہتھیار جو مسلمانوں کا زیور سمجھا جاتا تھا، اس سے ہم یوں بیگانہ ہوئے ہیں، کہ اب ہم اس سے وحشت کھانے لگے ہیں اور ہماری قوم فن

سپہ گری سے کلی طور پر نابلد ہو کر رہ گئی ہے۔

## فن سپہ گری

جنگ یا جہاد کی متحمل صرف وہ قوم ہو سکتی ہے، جو فن سپہ گری سے واقف ہو۔ اور اس کے مردوزن سپہ گری کے ہر داؤ پیچ میں پوری طرح تربیت یافتہ ہوں۔ قومی زندگی کا یہ ایک رہنما اصول ہے۔ اور جو لوگ اس حقیقت ابدی سے لاپرواہی برتتے ہیں ان کی قسمت میں ذلت و خواری لکھ دی جاتی ہے۔ ہماری قرونِ اولیٰ کی تاریخ سے یہ راز کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ غازیانہ جھپٹ پلٹ ہی سے قومیں بنتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے والی قوم کو تو لامحالہ، یہ راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ مکہ مکرمہ سے کسمپرسی کی حالت میں ہجرت کے بعد اہل اسلام نے جو تنظیم قائم کی، اس میں عسکری رنگ غالب تھا۔ ہم جلال مصطفیٰ<sup>۱</sup> میں اور کتابوں کے اس سلسلہ میں واضح کر چکے ہیں کہ جنگِ خندق تک ایمان والوں پر آزمائشوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مگر وہ ہر آزمائش میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور صحیح فلسفہ دفاع اپنانے سے کامیاب ہوئے۔ جنگِ خندق کے بعد اسلام کی فوجیں چہار طرف بڑھیں۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے وقت وہ ایک سپرنگ بورڈ پر کھڑی پر تول رہی تھیں کہ حکم ملے تو وہ ساری دنیا پر چھا جائیں۔

## اسلامی فتوحات

اب ان چار کتابوں میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ چند سالوں میں یہ اسلامی افواج وسط ایشیا سے بحر اوقیانوس تک پہنچ گئیں۔ ادھر مشرق میں موجودہ پاکستان کے علاقہ وزیرستان اور مکران تک اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو رہا تھا تو شمال میں مسلمان قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے بلکہ یورپ میں کریٹ اور سسلی کے جزیروں پر بھی یلغار کر رہے

۱۔ جلال مصطفیٰ<sup>۱</sup> صفحہ ۲۵ سے استفادہ کریں۔

تھے۔ اس کے اگلے ساٹھ سالوں میں وہ سندھ اور ملتان تک پہنچ چکے تھے اور مغرب میں ملک سپین میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو رہا تھا۔

اس تمام عرصے میں اسلامی فوج کو کسی ایک مقام پر بھی سپانی کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکا۔ تو ظاہر ہے کہ جنگ خندق سے پہلے مدینہ منورہ میں جو عسکری بنیادیں استوار ہوئیں، انہوں نے کئی پشتوں تک اپنی تلوار کا سکھ منوایا۔ بلاشبہ حصنہ پاک<sup>۴</sup> مسلمانوں کے لئے ایک ایسا فوجی نظام چھوڑ گئے جس کی بدولت بے سرو سامانی کے باوجود مسلمانوں نے اُس زمانے کی دو عظیم سلطنتوں کے ساتھ ٹکرائی اور یہی کچھ ہم ان کتابوں کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں کہ دو محاذ کھول دیئے اور ایسی حکمتِ عملی اپنائی کہ بھرپور کارروائی ایک وقت میں ایک ہی محاذ پر ہوتی۔ لیکن دونوں محاذ ایکٹو یعنی باعمل ہوتے تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بڑی بڑی فوجی طاقتیں ہمیشہ سے دو محاذوں پر جنگ لڑنے کے نام سے گھبراتی رہیں۔ لیکن مسلمانوں نے دو محاذوں پر جنگ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور ان کے حربی کارناموں کو آج بھی کسی فوجی پیمانے سے ناپنا مشکل نظر آتا ہے۔ اور ہم صرف یہ کہیں گے کہ ان تمام کارروائیوں میں اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرتِ براہِ راست کام کر رہا تھا۔ اس تمہید اور وضاحت کے بعد ہم اسلام کے حربی نظام کی طرف پیش رفت کرتے ہیں۔

## اسلام کا حربی نظام (پہلی سطح)

اسلامی فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصدِ زندگی کچھلے ابواب میں بیان کر دیئے گئے ہیں دراصل اسلام کا حربی ڈھانچہ تین سطحوں پر تیار ہوتا ہے۔ پہلی سطح میں ہر مومن مرد پر چونکہ جہاد فرض کر دیا گیا ہے تو یہ فرض اسی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے کہ سب مومن سپاہیانہ زندگی کی تربیت حاصل کریں اور ہر سطح پر حملہ آور دشمن کے مقابلے میں اپنا دفاع کر سکیں۔ چنانچہ قوم کے ہر فرد کو فنِ سپہ گری سیکھنا ہوگا۔ اور پیدل فوج کے بنیادی ہتھیاروں میں مہارت

۱۔ جلال مصطفیٰ<sup>۴</sup> صفحہ ۲۵ سے استفادہ کریں۔



حاصل کرنا ہوگی۔ تاکہ اپنی سطح پر دفاع کیا جاسکے۔ اور ضرورت کے مطابق ان ہتھیاروں کو استعمال کیا جائے، جن کو آج وہی حیثیت حاصل ہے جو پرانے زمانے میں تلوار، تیرکمان اور نیزے بھالے کو تھی۔ آج رائفل، پستول، سٹین گن یا خودکار ہلکی گن وغیرہ کو وہی حیثیت حاصل ہے۔

قرونِ اولیٰ میں بچوں پر نماز بارہ سال کی عمر میں فرض ہو جاتی تھی اور مسجد کا محراب لفظ "حرب" سے ہے جہاں ہتھیار رکھے جاتے تھے۔ سب مسلمان مسجدوں کے تحت ہتھیاروں کا استعمال سیکھتے تھے پچھلے باب میں پوری قوم کو مسجدوں کی سطح پر ربط و ضبط میں باندھنے کی جو سفارش کی گئی ہے اس میں یہ مقصد بھی تھا کہ پوری قوم کو حربی نظام میں باندھ دیا جائے۔ اور ہماری پہلی ضرورت آٹھ کروڑ بندوقین اور بنیادی ہتھیار ہیں۔ یعنی گرنیڈ، پستول، ہلکی خودکار گنیں وغیرہ

## دوسری سطح

دوسری سطح پر اسلام کے حربی نظام کی عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ غیروں کے فلسفوں میں عوام کو فوج کی امداد کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت پیشہ ور فوج کی جڑیں اس عوامی "بنیان المرصوص" میں ہوتی ہیں جس کی مدد سے دفاعی ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔ کہ حکمتِ عملی اور تدبیرات کے طور پر اس بنیان المرصوص کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی۔ اور پیشہ ور فوج کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی

اس کی مزید وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ پہلی سطح پر مجاہدین تیار کرنے کے بعد انہیں نظم و ضبط میں پرو دیا جاتا ہے، تاکہ اس نظام کے ذریعے ایک سیسہ پلائی دیوار پیدا کر دی جائے۔ اس بنیان المرصوص کے عملی پہلو کو ہم اپنی کتابوں میں اکثر جگہوں پر واضح کر چکے ہیں خاص کر پہلی کتاب میں جنگِ سلاسل میں اور دوسری میں جنگِ یرموک کے بیان کے وقت۔ قرونِ اولیٰ میں یہ ڈھانچہ مسجد کی بنیاد پر کھڑا کیا جاتا تھا، جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے ذریعے مجاہدین کو دینی اور اخلاقی تعلیم دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہم پہلی کتاب میں یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ حصہ رپاک کے احکام کے تحت خلفائے راشدین

کے دور میں کس طرح دس دس کی ٹولیاں بنائی جاتی تھیں، اس سلسلہ کو پورے ملک پر پھیلا دیا جاتا تھا اور ایسے مجاہدین پیشہ وریا باقاعدہ فوج میں شمولیت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ علاوہ ازیں پہلی سطح پر جو مجاہدین تیار ہوتے ہیں ان کو دوسری سطح پر رابطوں میں بانڈھنے کے بعد علاقائی دفاع کی ذمہ داری بھی سونپی جاتی ہے

## تیسری سطح

اسلام کے عربی نظام کی تیسری سطح پیشہ ورا فوج کا قیام یا ضرورت ہے جس کے سپاہی فنی اعتبار سے اپنے معراج کو پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جدید ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں اور ساتھ ہی تیز رفتار حرکت کے اہل ہوتے ہیں۔ دشمن کے علاقے میں میدان کارزار کو یہی لوگ گرم کرتے ہیں۔ لیکن اس فوج کی ثابت قدمی کا انحصار پہلی اور دوسری سطحوں کی مصنوعی پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ خندق کے بعد اسلامی فوجوں کے آگے بڑھتے ہوئے قدم نہیں رکے۔ خاص کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں۔ ہم اس تفصیل میں جا چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے چھوٹے عاملوں کو خط لکھتے تھے تو امدادی طور پر فوج سپہ گری سے واقف لوگ آگے پہنچ جاتے تھے۔ اس کے علاوہ مسجدوں نے ایک ایسا نظم و ضبط پیدا کر دیا تھا، کہ محاذ جنگ کے عقب میں پورا علاقہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ایران اور روم جیسی مانی ہوئی طاقتوں کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کس طرف سے نکل کر ہمارے لشکروں کے عقب پر حملہ کریں۔ ظاہر ہے کہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی علاقوں پر حملہ کرنا چٹانوں کے ساتھ ٹکرائے کے مترادف ہے۔ پیشہ ورا فوج کے سلسلہ میں البتہ یہ ضروری ہوگا کہ ہم زیادہ بھروسہ ان چیزوں پر کریں جو اپنے ملک میں آسانی کے ساتھ میسر ہو سکیں۔ مجاہدین اور ان کے جذبہ کے علاوہ وہ سامان جو ہم خود بناتے ہیں یا ملک میں موجود ہے، وہی ہمارے دفاع کا محور ہو۔ اور جو کچھ باہر سے مل جائے اس کو العیاذ باللہ خداوندی سمجھ کر نہایت کفایت شعاری کے ساتھ استعمال کریں۔ اس کے لئے اپنی حکمت عملیوں، تدبیرات اور مختلف سطحوں پر دفاعی تنظیموں

یا لڑا کا طور طریقوں میں بھی مناسب تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ بہر حال پہلے اس سے کہ ہم اسلامی فلسفہٴ دفاع اور قرآن پاک کے حربی نظام کے اصولوں کو زیرِ بحث لائیں، یہ ضروری ہوگا کہ اس وقت دنیا میں رائج باقی دفاعی فلسفوں پر بھی گفتوڑ اساتذہ ہو جائے تاکہ کچھ موازنہ ہو سکے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آیا ان لوگوں سے ہم کچھ سیکھ سکتے بھی ہیں یا نہیں؟

### غیروں کے دفاعی فلسفے

اس وقت دنیا میں دفاع کے دو بڑے فلسفے رائج ہیں۔ ایک مغربی دنیا کا فلسفہ ہے اور دوسرا سوشلسٹ ممالک کا۔ مغربی دنیا میں پیشہ ورفوج رکھنا حکومت کا کام ہے اور دفاع کا سارا بندوبست سرکار یا تنخواہ دار لوگ کریں گے۔ اور لوگ صرف واہ واہ کریں گے۔ یا فوج کو سامانِ ضرورت وغیرہ مہیا کریں گے۔ یہ طریقہ بالکل اسی طرح ہے جس کا ذکر ہم جلالِ مصطفیٰؐ میں جنگِ بدر کے تحت کر چکے ہیں، کہ جناب مقدادؓ نے حضرت موسیٰؑ کی قوم کی مثال دی کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو کہا کہ لڑائی آئی اور آپ کا خدا کریں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ حاکم ہیں اور تنخواہ دار فوج تیار کریں اور اس کی مدد سے لڑائی لڑیں، وغیرہ۔ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے۔ ہر مسلمان پر جہادِ فرض ہے اور اسلام کے لحاظ سے پوری قوم لڑتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ فلسفہٴ دفاع بھی کافی حد تک اہلِ مغرب کی نقالی ہے۔ اور ہمارے علماء بھی اس سلسلہ میں قوم کو نشانِ راہ نہیں بتا سکے۔

دوسری قسم کا فلسفہٴ دفاع سوشلسٹ ممالک میں رائج ہے، جو اسلام کی بھونڈی نقل بھی ہے۔ اور کچھ لوگوں کی فوج میں ستمولیت کو عوامی فوج کا نام دے دیا ہے۔ یعنی پورے عوام لڑ رہے ہیں۔ خیران ممالک میں مقابلتاً کافی لوگ فوج میں شریک ہوتے ہیں

لیکن اسلام کی مہونڈی نقل کا لفظ استعمال اس لئے کیا گیا ہے کہ جس طرح اسلام کلی جنگ پر یقین رکھتا ہے یہ لوگ بھی لفظی طور پر یا اصول کے طور پر کلی جنگ کا پرچار کرتے ہیں اور اپنا آج قوم کے کل پر قربان کرتے ہیں۔ یہ نعرہ غیر اسلامی ہے کہ اسلام میں لڑائی اللہ اور رسولؐ کے لئے لڑی جاتی ہے۔ بہر حال طریق کار میں بھی کافی فرق ہے کہ صرف چند لوگوں کو فوج میں رکھا جاتا ہے اور پوری قوم کی جنگ میں شرکت اس طرح نہیں جس طرح اسلام میں ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے، وہاں سب کچھ سیاسی کمشنروں کے ہاتھ ہوتا ہے۔

### موازنہ

تو ظاہر ہوا، کہ غیروں کے فلسفہ دفاع اور اسلامی فلسفہ دفاع کے طریق کار میں کافی فرق ہے۔ لیکن اصل فرق مقاصد کا ہے۔ غیروں میں جنگ، اقتصادی مقاصد، ملک فتح کرنے، خاندانی دشمنی اور نظریہ ضرورت کے تحت لڑی جاتی ہے۔ اسلام کے فلسفہ حیات کے لحاظ سے جنگ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لئے لڑی جاتی ہے۔ اپنی غیرت اور عقیدہ کی حفاظت کے لئے میدان میں نکلتے ہیں اور ملک فتح نہیں کئے جاتے، بلکہ لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے۔

### ہماری موجودہ دفاعی پالیسی

اس کتاب میں ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، کہ دفاع کے سلسلہ میں آج تک ہمارے ملک میں کیا کیا محنتیں ہوئیں۔ بے شک ہر لحاظ سے شہری لوگوں کو دفاع میں شریک کرنے اور ملک میں فوجی سامان کے سلسلہ میں مہر پور کوششیں جاری ہیں۔ باہر کے ملکوں سے سامان بھی حاصل کیا جا رہا ہے وغیرہ، ہم البتہ دفاع کے اسلامی پہلوؤں کی مزید وضاحت کر کے چند حقیقتیں بیان کر رہے ہیں۔ اور ساتھ کچھ سفارشات بھی دے رہے ہیں کہ ہماری موجودہ دفاعی پالیسی کو مکمل طور پر اسلامی فلسفہ دفاع کی شکل و صورت دے دی جائے۔

## جنگ کے مقاصد

اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت سب سے پہلی چیز جنگی مقاصد ہیں۔ دفاع کے معاملات کو نہ مدافعت کہہ سکتے ہیں، اور نہ مصالحتانہ۔ آج کل کے زمانے میں دفاع کا لفظ البتہ مصلحت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اور غیروں کے ملک پر قبضہ بھی اپنے "دفاع" کے تحت کر لیا جاتا ہے۔ قرآن پاک اور اسلام کے لحاظ سے جنگ کے مقاصد البتہ تمہید میں واضح کر دیئے گئے ہیں اور اصولوں کی وضاحت آگے آئے گی۔

## پورا ملک ایک قلعہ

اسلام کے لحاظ سے پورے ملک کو ایک دفاعی قلعہ کی طرح ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کے عوام بنیان المرصوص کے طور پر اس قلعہ کا دفاع کریں۔ حضور پاکؐ نے مدینہ شریف میں یہی طریقہ رائج کیا۔ جنگ بدر کے بعد ہزار کوشش کے باوجود ابوسفیان اس قلعہ کے اندر جھانک بھی نہ سکا۔ بیسویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے مدینہ منورہ کے آخری گورنر جناب فخری پاشا نے یہی طریقہ اپنایا اور جنگ عظیم کے ختم ہونے کے دو سال بعد تک شریف حسین اور اُس کے انگریز حواری مدینہ شریف میں نہ جھانک سکے۔ پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ ایک ایک مجاہد نے اپنی ذمہ داری کیسے نبھائی کہ تمام مجاہدین کے دل جڑے ہوئے تھے۔

یہ ہے اسلامی فلسفہ دفاع کی بنیادی بات کہ پوری قوم کو حربی سکھلائی دے کر ربط و ضبط کے ساتھ اس طرح باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی فوج بن جاتی ہے، کہ روحانی طور پر دل بھی جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہمیں پاکستان کو اسی طرح سے اسلام کا ایک مستقر بنانا ہوگا، کہ کوئی دشمن اس کے اندر جھانک بھی نہ سکے۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ

۱۔ جلال مصطفیٰ صفحہ ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ سے استفادہ کریں۔

اہل مغرب کا فوجی ڈھانچہ ایک فرسودہ نظامِ عسکریت ہے، جو غلام ملکوں اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والے ملکوں میں اپنی چمک دیک کی بدولت کچھ عرصہ راج رہ سکتا ہے مگر عوامی جذبہ کے حامل اور بیدار قوموں میں اس قسم کے فوجی ڈھانچوں میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ یہ دور بلاشبہ ایک عوامی دور ہے۔ اور تیسری جنگِ عظیم میں وہی قومیں زندہ رہیں گی جن میں ربط و ضبط ہوگا اور وہ سبسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں گی۔

## اعجازِ قرآن

مسلمانوں نے یہ فلسفہ کہاں سے سیکھا؟ اس کی ہدایات قرآن پاک میں ہیں۔ اور حضور پاکؐ نے اپنی سنت سے ان ہدایات کی پیروی کی۔ پھر صحابہ کرامؓ نے، جو حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ تھے، اس حکمتِ عملی کو آگے بڑھایا۔ لیکن یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرمایا: ”کیا گمان کیا تم نے! یہ کہ داخل ہو گے بہشت میں، حالانکہ ابھی نہ ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کہ جہاد کرتے ہیں تم میں سے، اور ابھی نہ ظاہر کیا صبر کرانے والوں کو“ اس آیت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنت صرف جہاد کے راستہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ حضور پاکؐ اور آپؐ کے صحابہ کبارؓ اللہ کے سپاہی بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور حضور پاکؐ کی وفات کے بعد اگر کوئی کتاب لکھی گئی یا لوگوں کو پڑھائی گئی تو وہ ”علمِ معاذی“ یعنی جنگ کے علم پر تھی۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب تک مسلمان ”علمِ معاذی“ کو اولیت اور فوقیت دیتے رہے اور اس علم کے ماہر رہے تو وہ دنیا پر غالب رہے۔ جب علمِ معاذی کو ثانوی یا ذیلی حیثیت دے دی گئی اور دیگر علوم کو آگے بڑھایا گیا تو مسلمانوں کو ذلت و خواری دیکھنا پڑ گئی۔ اب کئی صدیوں سے علمِ معاذی، اسلامی درس گاہوں سے مفقود ہو چکا ہے اور لوگ ”سویلین“ بن گئے ہیں کہ حکومت

۱۔ فلسفہ جنگ کلاسویٹز کی تیسری جلد (اردو) سے استفادہ کریں۔

۲۔ جلالِ مصطفیٰؐ صفحہ ۲۹۸ سے استفادہ کریں۔

سرنا "سویلیں" کا حق ہے کہ حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ سویلیں تھے؛ نعوذ باللہ۔ قرآن پاک تو واضح اعلان کر رہا ہے :-

"بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مومنوں سے جانیں اُن کی، اور مال اُن کے جنت کے بدلے، وہ لڑائی کرتے ہیں اللہ کی راہ میں پس مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔"

بدقسمتی سے ایک سازش کے تحت جنگ کو اس طرح بھیانک بتایا جا رہا ہے کہ ہمارے لوگ جنگ کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ اور اہل یورپ خود ہر وقت جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ تب ہی علامہ اقبالؒ چیخ اٹھے۔

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کر ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے مشرق میں جنگ مگر ہے تو مغرب میں بھی بے شر

## قرآن پاک کا حربی نظام

قرآن پاک ہمیں ایک عسکری یا حربی نظام عطا کرتا ہے جو موجودہ زمانے کے لئے بھی ہر لحاظ سے موزوں ہیں۔ اول تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ مسلمان جنگیں کسی نظریہ ضرورت کے تحت یا ذاتی مفادات کے لئے نہیں لڑتے، بلکہ اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ یعنی حق کے لئے لڑتے ہیں۔ اور اسلام میں جنگ کا مقصد مخلوق خداوندی کو طاعوتی طاقتوں سے آزاد کرانا ہوتا ہے اور دنیا سے فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کی جنگ انسانوں پر رحمتِ خداوندی بن کر نازل ہوئی اور جہاں جہاں قرونِ اولیٰ میں مسلمان گئے وہاں اسلام آج بھی قائم و دائم ہے۔ ہم دوسری کتاب میں واضح کر چکے ہیں کہ جمہور ایک دفعہ مسلمانوں کو وقتی طور پر چھوڑنا پڑا۔ لیکن جیب وہاں مسلمان دوسری دفعہ پہنچے تو لوگوں نے مسلمانوں کی آمد کو رحمتِ خداوندی سمجھا۔

روم اسلام کچھ مٹوس قسم کی حربی بنیادیں بھی قائم کرتا ہے جن کے مطابق تیار ہونے والی اللہ کی فوج، ایک دو دھاری تلوار کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس سے ٹکر لینے والی ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ سلطنتِ روم اور سلطنتِ ایران کا یہی حشر ہوا۔ مومن دنیاوی ساز و سامان

سے زیادہ اللہ پر یقین کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور یہ ایمان اس میں خیر شکن قوتیں پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک ساز و سامان کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے فیصلہ کن حیثیت اُس سپاہی کو دی گئی ہے جو ہتھیار کو استعمال کرتا ہے۔ بہر حال کلاسوٹز اور ماؤزے تنگ جیسے آدمی بھی انسان کو اولین حیثیت دیتے ہیں۔ اور ہمارا تو ایمان ہے :-

سہ اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا (اقبال؟)

قرآن پاک نے مسلمانوں کو حزب اللہ کا پیارا نام دیا ہے جس کا ترجمہ ہم اللہ کی فوج یا اللہ کے سپاہی کر رہے ہیں۔ کتاب اللہ کی چیدہ چیدہ آیات میں جنگ کی بنیادی قدریں بیان کی گئی ہیں کہ مومن پر جہاد فرض ہے۔ اب اس فرض کو تب ہی پورا کیا جاسکتا ہے کہ ہر مسلمان حرب و ضرب کے تقاضوں سے آگاہ ہو۔ زبانی جہاد کرنے والوں، قلمی جہاد کرنے والوں اور زبانی بجانے والوں کا اللہ تعالیٰ یہ عذر کبھی بھی قبول نہ کرے گا کہ وہ لڑائی کے طور طریقوں سے ناواقف تھے یا ہتھیار وغیرہ چلانا نہ جانتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے :-

”کہا جاتا ہے ان کو کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔ کہا انہوں نے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو تمہارے ساتھ ضرور آتے۔ وہ اُس روز ایمان کی نسبت کفر کے بہت قریب تھے۔“

### کوئی عذر قبول نہیں

ایسا عذر پیش کر نیوالوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ”منافقین“ کے نام سے یاد کیا ہے اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا ہے۔ اب ہمارے ملک میں کئی صاحبان اسلام کے مایہ ناز فرزند بنے پھرتے ہیں۔ اور جہاد یا جنگ میں شمولیت تو دور کی بات ہے وہ جنگ کے تقاضوں سے بھی واقف ہونے کو تیار نہیں اور جنگ کی بات نہ کریں گے۔ تو ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یوں فرمایا:

”تو ان کے لئے بخشش مانگے یا ان کے لئے بخشش نہ مانگے۔ اور اگر تو ان کے لئے



بخشش مانگے نہ ستر مرتبہ۔ مہنیں۔ ہرگز اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔“  
 لہذا اسلام ایک ایسے نظامِ عسکریت کا دعوے دار ہے جس کے مطابق ہر مومن  
 اللہ کا سپاہی ہونے کا فرضِ بخیر و خوبی پورا کر کے اور اسے یہ عذر نہ پیش کرنا پڑے کہ وہ ہتھیار  
 چلانا نہیں جانتا۔

جو لوگ مومنوں کی جماعت یعنی اللہ کی فوج میں شامل ہوتے ہیں وہ اس فرض سے بھی  
 آگاہ ہوتے ہیں کہ انہیں فی سبیل اللہ لڑنا پڑے گا۔ اس لئے وہ لڑائی کے لئے ہر وقت تیار  
 رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ حرب و ضرب کے فن سے بھی بیگانہ ہیں، ان کے متعلق قرآن پاک میں  
 یوں ارشاد ہوتا ہے :-

”اور اگر ارادہ کرتے نکلنے کا، البتہ تیار کرتے واسطے اس کے سامان، لیکن ناخوش رکھا  
 اللہ نے اٹھنا ان کا۔ پس کاہلی سے بند کیا اور کہا گیا بیٹھ رہو، بیٹھنے والوں کے ساتھ۔“  
 جہاد سے گریز کرنے والوں یا بہانہ تراشنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا  
 ہے تو اس کو سن کر انسان کا نپ اٹھتا ہے۔ کیا ہم مسلمان ہیں کہ جہاد سے اس طرح گریز کر رہے  
 ہیں؟ کوئی دنیاوی فوج اس لئے کھڑی کی جاتی ہے کہ اس کے سپاہی ضرورت پڑنے پر جنگ  
 لڑیں، اپنی جانیں قربان کریں۔ کوئی سپاہی اگر جنگ سے گریز کرتا ہے تو اس کو گولی سے  
 اڑا دیا جاتا ہے۔ اب ہم اللہ کی فوج ہیں اور جنگ کی تیاری کے لئے فنِ حرب سے ہی بیگانہ  
 رہیں، تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟

### صف بندی اور بنیان المرصوص

ہر مومن پر لڑائی کی تیاری فرض ہے لیکن کچھ اور اجتماعی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ ارشادِ  
 خداوندی ہے :-

”بے شک اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھے  
 جیسے وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں۔“

اب اس حکم یا بیان پر دھیان دیں۔ اینٹوں کے ڈھیر کو تو دیوار نہیں کہہ سکتے۔ وہ

دیوار کی صورت اُس وقت اختیار کرے گی جب اینٹوں کو کسی ترتیب کے ساتھ کسی سالے کے ذریعے سے جوڑ دیں اور اس ترتیب اور رابطہ کے بعد ہی ان اینٹوں میں بگاڑت و یک جہتی کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر جو کیفیت سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں پیدا ہوتی ہے وہ اینٹوں کی عام دیوار میں نہیں ہو سکتی۔ ایرانی فوجیں اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ کر لڑتی تھیں۔ جنگ کاظمہ کا دوسرا نام جنگ سلاسل بھی ہے۔ جنگ یرموک میں رومیوں کے ایک دستہ نے بھی اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھا ہوا تھا لیکن دونوں جگہوں پر مسلمانوں کی سیسہ پلائی دیوار کے سامنے ان کی زنجیریں ٹوٹ گئیں۔

ہماری قوم کو اس فلسفہ کے سمجھنے کی از حد ضرورت ہے کہ پوری قوم صرف فوجی رابطوں اور ضابطوں سے ہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتی ہے۔ یہ ذکر پوری قوم کے لئے ہے کہ پوری قوم کو کم از کم یہ حالت اختیار کرنا ہوگی۔ لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کے بعد مومنوں کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو لٹکار سکیں۔

## قوت کا استعمال

اب قرآن پاک کی روشنی میں ہم پیشہ ور فوج کی طرف مڑتے ہیں۔ اس سے پہلے ہم اپنی کتابوں میں پیشہ ور افواج کا ذکر کر چکے ہیں کہ کس طرح حضرت عمرؓ نے چھاؤنیاں بنانے کا حکم دیا اور خلفائے راشدین کے زمانے میں کوفہ، بصرہ، جابیبہ، فسطاط اور قیروان وغیرہ کی چھاؤنیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ یہ تو بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ ان کے علاوہ لاتعداد چھوٹی چھوٹی فوجی چھاؤنیاں اور سرحدی چوکیاں تھیں۔ فوج کی تنخواہ کا بندوبست کیا گیا۔ وظائف مقرر کئے گئے۔ پنشن کا بندوبست کیا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ میں واضح احکام موجود تھے۔

”تیار کر وان کے لئے جس طرح تم استطاعت رکھتے ہو قوت سے اور فوجی چھاؤنیوں سے ڈراوان سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو۔“

یعنی قرآن پاک کے مطابق فوجی تیاری حسب استطاعت اتنی مکمل ہو کہ اس کی وجہ سے دشمنوں پر رعب بیٹھ جائے اور وہ خوف کھانے لگیں۔

لیکن براہِورد سو سال کی غلامی کا کہ ہمارے دانشوران باتوں کو نہیں سمجھتے اور ہمیں امن پسندی کی میٹھی لوری دے رہے ہیں۔

فوجی تیاری دنیا میں آج بھی جنگ کا ایک بنیادی اصول مانا جاتا ہے اور اس سے گریز کرنے والے لڑائی سے بہت پہلے ہی شکست تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہمارے سب فوجی جانتے ہیں کہ لڑائی کا مقصد صرف دشمن کی فوج کو تباہ کرنا یا شکست دینا ہی نہیں ہے، بلکہ دشمن کے عزم اور قوتِ مدافعت کو بھی توڑا جاتا ہے اور حضور پاکؐ سے یہ سبق سیکھ کر حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے بھی یہی کچھ کیا تو تب ہی دنیا پر چھا گئے۔ وہ قوم جو لڑائی کے لئے تیاری نہیں کرتی، اس کا عزمِ مدافعت پہلے سے ہی مفقود ہو چکا ہوتا ہے۔ لہذا اسے زیر کرنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ تاریخ انسانی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، جن میں اس اصول پر کاربند قوموں نے صحیح فوجی تیاریوں کے بل بوتے پر اپنے درلغیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

آئیے اس کی مثال ہم جرمنی سے لیں۔ پہلی جنگِ عظیم میں شکست کھانے کے بعد اتحادیوں کے کنٹرول کے باوجود انہوں نے کس طرح جنگ کی تیاری کی۔ پھر ان کے حملہ کرنے پر کسی نے ان کے سامنے چوں بھی نہ کی۔ جنگِ عظیم دوم سے پہلے ہی انہوں نے فرانس کے مقبوضہ علاقہ سار پر قبضہ کیا۔ پھر آسٹریا پر اور آخر میں چیکو سلواکیہ پر قبضہ کیا۔ دوسری جنگِ عظیم میں انہوں نے فرانس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور سارے یورپ پر چھا گئے۔ ہاں! روس کیسے بچ گیا اور آخر میں جرمنی شکست کیوں کھا گیا۔ ہم اس بحث میں نہ پڑیں گے۔ لیکن لڑنے والے کبھی نہیں مرتے۔ جرمن قوم آج بھی زندہ ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ ہمارے پاس اپنی مثالیں موجود ہیں۔ یہ دنیاوی مثال صرف موازنہ کے طور پر لکھ دی گئی ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ اگر اپنے آٹھ کروڑ عوام کو اللہ کی فوج بنا دیں اور موجودہ پیشہ ور فوج بھی ہمارے پاس ہو۔ تو کیا دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف دیکھنے کی بھی ہمت کر سکے گی۔ بلکہ ہماری یہ قوتِ عالمِ اسلام میں ایسی قوت پیدا کر دے گی جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتا۔

## حربی نظام کا خلاصہ

ہم نے قرآن پاک کے اس حربی نظام کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ گو یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور اس نظام کو جاری کرنے کے لئے تین سطحوں کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔ اب اسلامی طرز جنگ کی حکمتِ عملی اور تدبیرات پر سرسری تبصرہ سے پہلے قرآن پاک اور سنت کی مدد سے جنگ کے کچھ اصولوں کی نشاندہی کرنی جائے، تو پھر حکمتِ عملی اور تدبیرات کا بیان آسان ہو جائے گا۔ کہ ان اصولوں میں حکمتِ عملی اور تدبیرات کی طرف بھی سرسری اشارے موجود ہیں۔

## قرآن پاک کے لحاظ سے جنگ کے اصول

### ۱. اصول استقامت فی المقصد

اسلام کے لحاظ سے جنگ کے مقاصد بیان کر دیئے گئے ہیں۔ وہ بہت بڑے مقاصد ہیں جنہیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا ہوتا ہے۔ کچھ فوری مقاصد بھی ہوتے ہیں جو ان بڑے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ فوجی تدبیرات یا حکمتِ عملی کے تحت فوری مقاصد بھی دے دیئے جاتے ہیں اور ترجیحات بھی مقرر کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی کئی آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور قرآن پاک میں اکثر جگہ احکام ہیں کہ جب تم وعدہ کر لو تو اس پر قائم رہو۔ بہر حال ہم صرف ایک آیت کا ترجمہ لکھیں گے:-

”پس جب تو نے پکا ارادہ کر لیا تو پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ بے شک اللہ تو کل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔“

اس ایک آیت مبارکہ میں مقصد پر قائم رہنے کے مضمون کو بیان کرتے وقت گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک فوجی ذہن جس کو فوجی زندگی میں اکثر احکام ملتے رہتے ہیں کہ وہ مقصد حاصل کر دے یا یہ کر دے، وہ ان الفاظ کے جذبہ کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ دراصل

انسان کا ارادہ ہی ہر معاملہ میں روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب اللہ پر بھروسہ کر کے پکا ارادہ کر لیا جائے تو سبحان اللہ کیا ہی کہتے ہیں کہ مقصد حاصل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لئے مقصد حاصل کرنے کے لئے بنیادی تربیت کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ ہر مقصد حاصل کرنے سے پہلے نیت باندھی جاتی ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے نیت باندھنا، روزہ سے پہلے نیت کرنا، قربانی، زکوٰۃ، حج، حتیٰ کہ سفر پر روانہ ہونے کی نیت کرنا، بلکہ گھوڑے یا کشتی پر سوار ہونے کی نیت وغیرہ بھی ہے۔ تو دینِ فطرت کی شان نزالی ہے، کہ مقصد کے لئے نیت باندھو اور پھر توکل کرو۔ حضور پاکؐ نے اس سلسلہ میں اپنے صحابہ کرام کی عملی طور پر جو تربیت کی اس کا بیان ہو چکا ہے اور صحابہ کرام نے استقامت فی المقصد کو جس طرح نبھایا اس کے نتائج کا ذکر ان کتابوں میں موجود ہے۔

## ۲. اصول ایمان و یقین

اسلام کے لحاظ سے جنگ کا دوسرا بڑا اصول یہ ہے کہ ہر کارروائی ایمان و یقین سے کی جاتی ہے اور انفرادی و اجتماعی طور پر اپنا فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصدِ زندگی پیش نظر ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیم کا مرکز ثقل قلب انسانی ہے، جس کی تربیت پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ اور اب بھی دی جانی چاہیے۔ یہ روحانی تربیت اللہ کے ذکر، حضور پاکؐ پر درود سلام بھیجنے اور بزرگوں کے ادب کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جب اس طرح صحیح معنوں میں ایک مومن تیار کر لیا جائے تو وہ ایمان کی قوت سے مسلح ہو کر زندگی کی آزمائشوں سے گزرتا ہے۔ ہتھیار یا مشین ثانوی یا ذیلی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی ایک آدمی اگر چاند ماری میں بڑا ماہر ہے، لیکن کم دل ہے اور میدانِ جنگ میں اس کو ہمت نہیں ہوتی کہ شست لے کر فائر کر سکے تو کھلا اس کے ماہر ہونے کا کیا فائدہ؟ اور یقین جانیں کہ ہم نے میدانِ جنگ میں ایسے آدمی دیکھے ہیں اور ایسے بھی دیکھے ہیں کہ امن کے زمانے میں اتنے اچھے سپاہی نظر نہ آتے تھے۔ لیکن میدانِ جنگ میں ان کی قوت

ایمانی عود کر آئی اور انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس سلسلہ میں ارشادِ ربانی ہے:

"مت ڈرو (یا بزدلی دکھاؤ) اور مت غم کھاؤ (یعنی گھبراؤ سہیں)۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو۔"

توبات ساری ایمان والی ہے اور ہم نے حضور پاکؐ کی تربیت یافتہ فوج کے کارہائے نمایاں بیان کر دیے کہ ایمان والوں نے ہمیشہ کس طرح سے اپنے سے تین گنا زیادہ دشمن کو پاش پاش کر دیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد انگریزوں نے یہ تجزیہ کیا کہ، سب سے آگے والے مورچوں میں ایک پلیٹن کی ایک کمپنی سے کتنے جوان دشمن پرشست باندھ کر فائر کرتے تھے۔ تو آگے سے پتہ چلا کہ صرف دس فیصد جوان دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے تھے۔ باقی صرف ٹرگیر دبا دیتے تھے۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ جنگ کے معاملات ان سے معلوم کئے جائیں جو جنگ میں شرکت کر چکے ہوں۔ اب راقم ذاتی رائے دے رہا ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رات کے وقت تو ایک مقصد فائر تو سوچ سمجھ سے ہوتا تھا اور دن کے وقت چند لوگ ذاتی بچاؤ کے لئے دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے تھے۔ ورنہ اکثر ٹرگیر دباتے رہتے تھے۔ لیکن ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں میرے عظیم ساتھیوں نے شانہ ہی کوئی گولی ضائع کی ہو۔ اور پوری جنگ کے دوران رائل فل اور لائٹ مشین گن کا فائر بارود آگے نہ منگوایا گیا۔ صرف گرنیڈ یا بکتر بند توڑ بارود زیادہ آگے منگوایا گیا کہ ضرورت ایسی پڑی۔ اصول یہ تھا کہ ایک گولی ایک دشمن اور اس پر عمل اس طرح کیا گیا کہ فائر بندی کے وقت ڈوگری کا میدان جنگ دشمن کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ اور اپنے تقریباً ستر شہداء کے مقابلے میں تقریباً سات سو بھارتی واصل جہنم ہوئے کہ دو سال بعد بھارتی لوگ سمجھا اس سلسلے میں چیخ و پکار کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

لڑائی کی یہ مثال صرف دفاع سے دی گئی ہے۔ لیکن جارحانہ کارروائی کے دوران اکثر ایسے ہوتا ہے کہ گشتی دستے دشمن کے علاقے میں جاتے بھی سہیں اور جھوٹی خبریں دے دیتے ہیں حملہ میں کسی آدمی راستے میں لیٹ جاتے ہیں اور مقصود پر چند ہی جوان پہنچتے ہیں۔ لیکن مسلمان کی یہ شان سہیں۔ وہ سارے کے سارے لڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارشادِ ربانی ہے:

”کہ اگر ہوں تم میں سو تو غالب آئیں گے ایک ہزار پر۔“

اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں بڑی حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ وہ کسی باتوں کو ایک فقرہ میں بیان کر دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کافروں میں دس فیصدی لوگ لڑتے ہیں۔ یعنی سو میں سے دس لڑیں گے تو ان پر دس مسلمان غالب آجائیں گے کہ وہ قوت ایمانی کے ساتھ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ جناب حضور پاکؐ کی جنگوں میں ہر جگہ کم نفزی نے زیادہ نفزی کو شکست دی اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اس اصول کو قائم رکھا گیا۔ ہم پہلی کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ جناب مثنیٰ بن حارث فرمایا کرتے تھے، کہ اسلام سے پہلے دس ایرانی سو عربوں پر حاوی تھے۔ عرب جب مسلمان ہو گئے تو اب دس عرب، سو ایرانیوں پر حاوی ہیں۔ اور بعد میں جنگ قادسیہ اور جنگ نہاوند میں مسلمانوں نے اس کا عملی ثبوت دیا۔ اور شام کے محاذ پر جنگ یرموک سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ چالیس ہزار مجاہدین نے ایک لاکھ بیس ہزار رومیوں کو نہ صرف شکست دی بلکہ ان کے ستر ہزار جوان کھیت رہے۔ اور مزنا وہی ہے، جو لڑتا ہے۔ بے شک اہل روم بھی بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن ارشادِ ربّانی کے آگے سب میچ ہے، اور راقم یہ سب کچھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔

یہاں پر ایک واقعہ کا بیان ضروری ہے۔ قبصرِ روم ہر قتل کا ذکر ہماری دوسری اور تیسری کتاب میں بہت جگہوں پر ہو چکا ہے کہ وہ کافی مدبر اور جہاندیدہ آدمی تھا اور فوجی حکمتِ عملی کا ماہر تھا۔ جنگ یرموک میں رومیوں کی شکست نے اس کو حیران کر دیا، تو اس نے مہگڑوں کو اکٹھا کیا اور ان سے پوچھنے لگا، کہ تم لوگ ساز و سامان اور نفزی کی برتری کے باوجود مسلمانوں سے کیوں شکست کھا گئے؟ ایک تجزیہ کار اور سن رسیدہ آدمی نے جواب دیا:-

”مسلمانوں کے اخلاق ہماری نسبت بہت بلند ہیں۔ وہ لوگ رات بھر عبادت کرتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی شخص کے جذبات کو مجروح نہیں کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے ہیں۔ دوسری طرف ہم شراب کے عادی ہیں،

عہد شکنی کرتے ہیں اور کمزوروں کو دباتے رہتے ہیں۔“

## قوتِ ایمانی کے نتائج

اپنی کتابوں کے سلسلے میں ہم قوتِ ایمانی کے نتائج ہر باب میں بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ اس کی تربیت ہمارے آقاؐ نے مجاہدین کو قرآنِ پاک کے ذریعہ سے دی تھی۔ ارشادِ ربانی ہے:-

”کتنی بار چھوٹی فوج بڑی فوج پر غالب آئی ہے، اللہ کے حکم سے۔“

بلکہ اللہ تعالیٰ کفار کو اس طرح تنبیہ کرتا ہے:-

”اور تم کو تمہاری فوج ہرگز کام نہیں آئے گی۔ اگرچہ تعداد میں بہت ہو۔ اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔“

چنانچہ یہ بڑا ہی وسیع مضمون ہے۔ کلاسٹرز مادی وسائل کے ساتھ اخلاقی وسائل یا اخلاقی قوتوں کے فوائد کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کی کتابوں کے ترجمہ کے وقت اس چیز پر تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ کلاسٹرز کے مطابق جب طاقت یا وسائل میں کمی ہو، تو بہتر تدبیر اور اخلاقی قوتوں کی مدد سے دشمن کے ساتھ توازن پیدا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہمارے آقاؐ اور آپ کے تربیت یافتہ اس اصول سے آگے نکل گئے، کہ گوہر جنگ میں وہ دشمن سے کم تعداد میں تھے لیکن انہوں نے پہلے مرحلہ میں دشمن کے ساتھ اخلاقی قوتوں سے توازن پیدا کیا اور دوسرے مرحلہ میں دشمن کو پاش پاش کر دیا۔ جنگِ بدر ہو یا جنگِ یمامہ، جنگِ قادسیہ ہو یا جنگِ اجنادین، ہر جگہ یہی کچھ کیا۔ اول حکمتِ عملی کے ذریعہ توازن پیدا کیا اور کوئی فرق رہ گیا تو تدبیرات کے تحت اس کو پورا کیا۔ پھر قوتِ ایمانی سے دشمن کو تہس نہس کر دیا۔

ایسی قوتِ ایمانی پیدا کرنے کے لئے خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جو از خود ایک وسیع مضمون ہے کہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے جمہوریت نواز اور مادر پدر آزاد لوگ ایسا نہ کر سکیں گے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ امن کے زمانے میں ان کی بخیلت اور تیز زبان پہچانی جاسکتی ہے اور حضورِ پاکؐ کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے



اور اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے :-

" پس جب قریب آوے خوف، دیکھتا ہے تو ان کو کہ تیری طرف دیکھتے ہیں۔ اور پھرتی ہیں آنکھیں ان کی مانند موت کی غشی کے اور جب جانا رہتا ہے خوف (یعنی امن مل جاتا ہے) تو پھر بیٹھتے ہیں بیچ تمہارے ساتھ تیز زبانوں کے۔ بجنلی کرتے ہیں اوپر کھلائی کے۔"

ایسے لوگ جب تک راہِ راست پر نہ آئیں ان سے کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ ایسے آدمیوں نے حضور پاکؐ کے زمانے میں کوئی کام نہ کیا۔ اور نہ بعد میں کوئی کام کیا۔ انہی سے پہلے آزاد فکر پیدا ہوئے اور پھر یہ معزز لہ سینے۔ آج بھی ایسے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں اور عقلی گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں اس طرح گویا ہوتے ہیں :-

" اگر نکلنے ساتھ تمہارے نہ زیادتی کرتے تم کو، مگر فساد میں۔ اور البتہ گھوڑے دوڑاتے درمیان تمہارے۔ چاہتے تمہارے واسطے فتنہ۔ اور تم میں بعض لوگ ان کی باتیں سنتے ہیں یا ان کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ظالموں کو۔"

ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعداد میں دلچسپی نہیں کہ زیادہ تعداد ہو تو کیا فائدہ۔ اس سے وہ تھوڑے بہتر ہیں جو قوتِ ایمانی سے سرشار ہوں۔

دیکھ لیں آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد نوے کروڑ ہے اور یہ تعداد ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے رہی کہ ہم میں قوتِ ایمانی کی کمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اسلام کا فلسفہ دفاع (جہاد بالسیف) سیاسی فلسفہ (کلی جہاد) کے تابع ہے اور نظامِ حکومت کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہونا چاہیے کہ پوری قوم کی تربیت کی ضرورت ہے۔ اور یہ تربیت کیسے ہو، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

### ۳۔ اصولِ مصابرت

ایمان و یقین کے اصول کا ایک مدگار اصول بھی ہے جو اخلاقی قوتوں کو بڑھاتا

ہے۔ گو یہ عنصر بھی ایمان و یقین کا حصہ ہے، لیکن اس کو الگ اور تیسرا اصول بنا کر پیش کرنے میں ایک خاص مقصد ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہلو پر کافی زور دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر جلد باز ہے۔ وہ جلد نتائج حاصل کرنے کے لئے جلد بازی کر جاتا ہے۔ اور جب جلدی نتائج نہ نکلیں تو کہنا شروع کر دیتا ہے کہ "اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں" یعنی امید پر گزارہ کرتا ہے۔ امید بے شک اچھی چیز ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ"۔ لیکن اصل بات یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ دیر ہے اور نہ اندھیر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کام کو کب ہونا چاہیے۔ اس لئے ہم اس اصولِ مصابرت کو الگ کر کے بیان کر رہے ہیں۔ کہ دیر ہو جانے کی صورت میں صبر سے کام لیا جائے کہ ہم لوگ "دیر" یا "زماں" کے معاملات کو نہیں سمجھ سکتے۔

جو لوگ فوج سے وابستہ ہیں ان کو معلوم ہے کہ جنگ کی تیاری اور تربیت میں ہر سطح پر بڑے کتابی اور عملی امتحان آتے ہیں۔ اور ان کا اکثر بڑی صبر آزما گھڑیوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ علاوہ از خود جنگ کے دوران ہر سطح پر امتحان اور انتظار کے پرچے بڑے سخت ہوتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جنگ میں بڑا چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ اور جلدی یا بروقت کارروائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ تو جو لوگ فوجی ذہن نہیں رکھتے ان کو یہاں تضاد نظر آئے گا کہ ایک طرف جلدی، دوسری طرف صبر تو گزارش ہے کہ جلدی اور صبر میں توازن پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:-

"لے ایمان والو! صبر کرو اور باہم مصابرو کرو۔ اور فوجی راہ نظر رکھو اور ڈرو اللہ سے کہ تم فلاح پاؤ۔"

سبحان اللہ! کیا شان ہے، کہ ایک فوجی ذہن ان الفاظ کی تہہ میں غوطہ پہ غوطہ لگاتا رہے گا۔ اور اس کو یہ معلوم ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ نے میری ہی یونٹ یا ادارہ کے لئے یہ احکام جاری کئے ہیں، کہ میں اس ادارہ یا یونٹ میں ہر کام ان اصولوں کے تحت

کروں اور کراؤں۔ پہلے انفرادی یہ سر کی تلقین۔ پھر اجتماعی صبر کی کہ ایک دوسرے کی صبر کے پہلو سے مدد کرو۔ یا صبر کی اجتماعیت پیدا کرو۔ اور یہ ملاحظہ صبر اس فوجی رابطہ کی بنیاد ہے جو فوج یا بنیان المرصوص کی عمارت کا ڈھانچہ ہوتا ہے۔ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی موجودگی اور اپنے ڈر کا بھی ذکر کر دیا کہ ایسا کر کے سب کام مجھ پر چھوڑ دو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے کی بات نہیں۔ پہلے کارروائی کرو اور پھر اللہ پر نتیجہ کو چھوڑو۔ یعنی توکل والا پہلو بھی آگیا۔

صبر کا ذکر قرآن پاک میں اکثر مقامات پر ہے۔ لیکن ہم صرف ایک جگہ کا ذکر کرتے ہیں، جہاں ارشاد ربانی ہے :-

”اور صبر کرو تحقیق اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

تو سارے مسئلے اس ایک بات سے حل ہو جاتے ہیں کہ صبر سے اللہ کو ساتھی بنا لیا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو مضبوط کرنے کے لئے دعا بھی سکھادی اور حکم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں :-

”اے ہمارے رب! ڈال ہمارے اوپر صبر اور ثابت رکھ قدم ہمارے (یعنی ہمیں ثابت قدمی عطا فرما) اور مدد دے ہم کو اور پر کافروں کے۔“

یہ دینِ فطرت ہے۔ صبر کا اصول یا قوتِ ایمانی کا اصول، جنگ کے اصول (PRINCIPLES OF WAR) کے طور پر مغربی دنیا نے نہیں اپنایا۔ ہاں دوسری جنگِ عظیم کے بعد (MORAL) یا اخلاقی قوت کو ایک اصول تسلیم کر لیا گیا، کہ نفسیاتی طور پر دشمن کے حملے بھی شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے اخلاقی قوتوں کو بڑھایا جائے۔ بہر حال وہ لوگ اخلاقی قوتوں کو دنیاوی جنگ کے مقاصد کے طور پر بڑھا سکتے ہیں اور دینِ فطرت کے اصولوں کی یہ بھونڈی نقل بھی نہیں، کہ دینِ فطرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ اصول پیش کئے۔ گو صبر کے سلسلے میں دوسری جنگِ عظیم کا مشہور انگریز فیلڈ مارشل مننگری اپنی ایک کتاب میں تسلیم کرتا ہے کہ ٹامی (انگریز سپاہی) جنگوں میں اس لئے کامیاب ہوتا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں سخت حالات میں دوسرے یورپین سپاہیوں

کے مقابلے میں چند لمحے زیادہ کھڑ جاتا ہے۔ یعنی وہ ذرا زیادہ صابر ہے۔ بہر حال انگریز سپاہی کو یہ مزاج یورپ کی سرد ہواؤں اور گلف سٹریم کی گرم روؤں کی ملاوٹ کے توازن نے دیا، اور مسلمان سپاہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ دس گنا بہتر شرف اس کی قوتِ ایمانی کی وجہ سے عطا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمان سپاہی کو ثابت قدم رہنے کی بار بار تلقین کرتا ہے اور ثابت قدمی صبر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

”لے ایمان والو! جب دشمن کے دستے کے ساتھ ٹکراؤ ہو تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

اب ذکر کے بارے میں اور جگہ بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ہرقل کے سامنے ایک تجربہ کار رومی بھگوڑے کا ذکر ہو چکا ہے۔ جس نے ہرقل کو بتایا کہ مسلمان رات کو ذکر کرتے تھے۔ اور اوپر والی آیت میں فلاح کا بھی ذکر ہے تو یہ بات ہم پر واضح ہو جاتی ہے کہ صبر، مصابہ، ذکر، اطمینان، ثابت قدمی ان سب چیزوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ سب فلاح کا ذریعہ ہیں۔ سورۃ انفال میں جہاں تعداد کے موازنہ کا ذکر ہے، تو وہاں الفاظ یہ ہیں :- ”اگر ہوں تم میں سے بیس صبر کرنے والے، غالب آئیں گے دو سو پر۔“

یعنی صبر مجاہدوں کا ایک خاص اوصاف ہے، اور یہ ہے اسلامی طرزِ جنگ کا اصولِ مصابہ، جس کے تحت فوج کو تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کام بنیادی طور پر گھروں اور مسجدوں سے شروع ہوتا ہے۔ ایسے اصولوں کی لوری مسلمان بچوں کی مائیں

سید سلیمان ندوی اور ہمارے مطالعہ میں فرق یہ ہے، کہ ہمارے لحاظ سے صبر، مصابہ، ذکر، اطمینان، ثابت قدمی وغیرہ سب پہلو جہاد کی تیاری کا حصہ ہیں۔ اور سید صاحب کے لحاظ سے یہ صرف اوصاف ہیں۔ اور انہوں نے سیرۃ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے۔

ان کو اپنی آغوش میں دیتی ہیں۔ اور مکتبوں میں ان پر عمل ہوتا ہے۔ اسلام ایسی تعلیم کے حق میں نہیں، جہاں کالجوں میں بیٹھ کر ڈینگیں ماری جائیں اور آزاد فکری کا یہ حال ہو کہ بچے مادر پدر آزاد ہو جائیں۔ اور ہرگزرنے والے کو ڈر لگ جاتا ہے کہ شاید یہ بچے کس وقت بپھر کر اس کی عزت کو خراب کر دیں۔

چنانچہ اس اصول مصابہ میں جو ربط و ضبط کا ذکر ہے، اس کو ہم ایک الگ اصول کے طور پر بیان کریں گے کہ ربط و ضبط کے معاملات اور زیادہ وسیع ہیں۔

### ۴۔ اصول ربط و ضبط

اسلام اور قرآن پاک کے لحاظ سے یہ جنگ کا چوتھا بڑا اصول ہے۔ عام طور پر اسے غیروں نے بھی ایک جنگی اصول تسلیم کیا ہے، شاید اس اصول کی شکل و صورت کچھ مختلف ہو۔ اور وقت اس میں تبدیلی لاتا رہا، کہ اٹھارھویں صدی میں یورپ میں جنگ بھی ڈرل کے طور پر اصول ربط و ضبط کے تحت لڑی جاتی تھی۔ اٹھارھویں صدی سے پہلے کی یورپ کی عسکری تاریخ میں جنگ کا کوئی مفید سبق نہیں ملتا۔ پس لیکر کے فقیر والا معاملہ تھا۔ اور جنگ، بعض جگہ کھیل کے بھی مشابہ رہی۔ اسی وجہ سے اہل یورپ ان جنگوں کو "جٹلمین وارز" بھی کہتے ہیں۔ بہر حال اٹھارھویں صدی میں فریڈرک اعظم نے ڈرل کے طور پر جنگ لڑنے کی راہ نکالی اور ربط و ضبط کو ایک اصول مانا گیا۔

دین فطرت کی شان نزالی ہے۔ اس میں پہلے روزہ ہی سے ربط و ضبط پر بہت زور دیا گیا۔ بلکہ یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ ہمارا لفظ "رابطہ" یا "ربط" سپین میں رجمنٹ بن گیا۔ اور اب انگریزی لفظ رجمنٹیشن (REGIMENTATION) کے اندر جو بے پناہ رابطے ضابطے سموتے ہوئے ہیں اور یورپ کے مادر پدر آزاد معاشرے کی فوجی زندگی میں یہ لفظ جو آج تک قائم ہے تو یہ لفظ اہل یورپ کا نہیں ہو سکتا، کہ اس لفظ کا یورپ کی زبان میں کوئی ماخوذ بھی نہیں ملتا۔ ہم اس لفظ یا اسلام کے رابطے کا ذکر اسلام کے قلعہ کے عنوان کے تحت اور حربی نظام کے تحت سیسہ پلائی دیوار کے طور پر بیان کر چکے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سیسہ پلائی دیوار ربط و ضبط کے اشتراک سے بنتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے :-

”تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں“

سبحان اللہ! اس آیت کی کیا فوجی شان ہے۔ حصن و ریاست اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں مومنینؓ نے سیسہ پلائی دیوار بن کر جنگیں لڑیں۔ ایسا صرف دفاع میں نہیں ہوتا تھا، کہ وہ کوئی ”ساکن“ دیوار بن جاتے تھے۔ ایسی ساکن یا ٹھوس دیوار بننے کی کوشش، تو ایرانی اور رومیوں نے کی جس کا ذکر پہلی دو کتابوں میں کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی یہ سیسہ پلائی دیوار منترک بھی ہو سکتی تھی۔ جناب سعد بن ابی وقاص کی سرداری میں مسلمانوں نے مدائن پر قبضہ کرنے کے لئے دریائے دجلہ کو سیسہ پلائی دیوار بن کر پار کیا۔ پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے لیکن صرف ایک کہادت کافی رہے گی کہ شہر میں مشہور ہو گیا ”دیواں آمدند“، دیواں آمدند“ یعنی دیووں کی فوج آگئی اور چند لمحے بعد یزدجرد، کسریٰ ایران شہر کو چھوڑ کر فرار ہو گیا اور دارالحکومت پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ سب ذکر پہلی کتاب میں موجود ہے۔ مسلمان غازی، سیسہ پلائی دیوار کیسے بنتے تھے، اس کی وضاحت خود رب العالمین اس طرح کرتا ہے :-

”ان کے دلوں کو باہم الفت سے جوڑ دیا، اگر تو خرچ کرے جو کچھ زمین میں ہے پورا۔ نہیں الفت پیدا کر سکتا ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا الفت سے۔ تحقیق وہ غالب حکمت والا ہے“

اب اس بیان کے فلسفہ میں جائیں، کہ دولت یا مادی ذرائع سے دل نہیں جوڑے جاسکتے۔ دل الفت اور محبت سے جوڑے جاسکتے ہیں اور ایسی محبت، وحدتِ فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلام کے لحاظ سے یہ ”فکر“ اللہ اور رسول کی غلامی ہے یہ غلامی کا ملاحجہ ذبیہ ”کل مؤمنین اخوة“ کی بنیاد پر ہے اور یہ قلبی وحدت، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ میدانِ جنگ میں یہ میسر ہو جائے تو سرور سے دل بھر جاتے ہیں

اور اس سلسلہ میں راقم نے جس محبت کو محسوس کیا اور میرے شہید رفقاء جو کچھ میرے پاس چھوڑ گئے، یہ اسی کے نتائج ہیں کہ میرے جیسا کم علم اور بے مالع گنہگار آج اس قسم کے نظریوں پر قلم اٹھا رہا ہے۔ کہ یہ محبت اور یہ قلبی وحدت پورے قافلہ اسلام کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ بنیاد المرصوص، زمان و مکان کو بھی اپنے محیط میں لئے ہوتے ہے۔ اور ایسی وحدت آپ کو ہمیشہ "زندہ" رکھے گی۔

قرآن پاک میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حق تعالیٰ سے ایک مرتبہ عرض کی۔  
"کہ اے میرے اللہ! تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے؟"  
کچھ وضاحت کے بعد، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:-

"پس لو چار پرندوں میں سے اور ان کو "مانوس" کر دو اپنی طرف۔ پھر کردوان کے ٹکڑے ٹکڑے پہاڑ پر (یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر پھیلا دو)۔ پھر بلاؤ ان کو۔ چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لو یہ کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔"

عربی لفظ "فَصْرَهْن" کے معنی "مانوس" کے لفظ طور پر کئے گئے ہیں۔ لیکن اس عربی لفظ کے صحیح معنی مانوس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔ اس میں گہرے قلبی لگاؤ والا پہلو بھی آتا ہے۔ اور دینِ فطرت کا رابطہ و ضابطہ قلب کی ایک کیفیت ہے جس کی مثال نہیں ملتی اور جس کے بیان کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ موجود نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ربط و ضبط کا اصول وسیع تر ہے۔ اس کے لئے تربیت گھروں اور مسجدوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ حضور پاکؐ نے اپنے رفقاءؓ کی یہ تربیت مدینہ شریف میں کی، گو اس کی بنیاد مکہ شریف میں باندھی گئی تھی۔

اس اصول کو اپنانے کے لئے ہمیں اپنی پیشہ ورافواج اور قوم میں ربط و ضبط پیدا کرنے اور اندرونی وحدت کے لئے مفصل ہدایات جاری کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اس کی تربیت گھروں، مسجدوں اور سکولوں میں کس طرح ہو۔ اس کام کے لئے فلسفہ اطاعت امیر اور اسلام کی امامت کے طریقوں کو بیچ لانا پڑے گا کہ ہمیں ہر سطح پر ایسے اماموں

کی ضرورت ہوگی جو ہے

”دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے“

نفر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کر دے“ (اقبالؒ)

پیشہ ورافواج میں ربط و ضبط موجود ہے۔ لیکن اس کے طریقے ہم نے غیروں سے سیکھے ہیں۔ پیشہ ورفوج کی بھی تنظیم نو کرنا ہوگی اور اس رابطے و ضابطے کی بنیاد اللہ کے طریقے یعنی الفت اور محبت سے کرنا ہوگی، جہاں دلوں کو جوڑنا ہوگا۔ اس کیلئے کردار کی ضرورت ہے۔

قرآن میں ہو غوط زن اے مردِ مسلمان

اللہ کرے تجھ کو عطا وحدتِ کردار (اقبالؒ)

## ۵۔ اُصولِ حفاظت یا تحفظ

اسلام کے لحاظ سے پانچواں اصول حفاظت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اُصول دوسرے لوگوں کے جنگ کے فلسفہ میں بھی موجود ہے جس کو SECURITY کہہ لیں یا PROTECTION وغیرہ۔ اس کو ہر سطح پر جاری کرنا پڑتا ہے۔ غیروں نے مختلف سطحوں پر اس ضرورت کے مختلف نام رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خذُوا خِذْرًا كُمْرَ کے دو الفاظ میں تمام پہلو واضح کر دیئے۔ اور ارشادِ ربّانی ہے :-

”اے ایمان والو! لو بجاؤ اپنا پھر نکلو متفرق یا اکٹھے“

یعنی اپنی حفاظت کے اصول کو ہر وقت مد نظر رکھ کر طرُق کار و صنع کرو۔ خواہ گروہ، گروہ کے طور پر کام کر رہے ہو یا اجتماعی طور پر کسی ایک جگہ پر کام کر رہے ہو۔ اس اصول کے تحت اول حکم حضور پاکؐ نے یہ دیا کہ جب دو ہو تو ایک کو اپنا امیر بنا لو۔ یعنی اسلام کے ہر فلسفہ کے لئے آمریت کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور پاکؐ اگر مدینہ شریف سے باہر ایک دن یا چند میل کے فاصلے پر بھی جاتے تھے تو مدینہ شریف میں اپنا ایک نائب مقرر کر کے جاتے تھے۔ جنگِ احد کے بعد جب آپؐ کفار کے تعاقب



میں صرف حمزہ الاسد تک نکلے تو بھی جناب ابن ام مکتومؓ کو نائب بنا گئے۔ بلکہ جنگِ خندق کے بعد مدینہ شریف کے ساتھ بنی بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو پھر بھی جناب ابن ام مکتومؓ کو مدینہ شریف میں نائب بنایا۔

لیکن جب ذمہ داری زیادہ ہوتی تھی تو نائب کوئی چیدہ شخصیت ہوتی تھی حضرت عثمانؓ جناب سباع بن عرفطہ، جناب عبداللہ بن رواحہ وغیرہ کو بھی بعض حالتوں میں مدینہ شریف میں نائب چھوڑا۔ بلکہ مہم تبوک کے وقت جناب علیؓ کو نائب چھوڑ گئے۔ حفاظت کا یہ اصول ہوتا ہے، کہ ہر سطح پر عملی طور پر امیر ہو۔ اس کے علاوہ حضور پاکؐ نے حفاظت کے طریقوں کو راز میں رکھنے کی ہدایات کیں اور عملی طور پر بھی ایسا کیا۔ جنگِ خندق کے وقت کفار، خندق کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خندق، چند دن پہلے کھودی گئی تھی۔ بلکہ مدینہ شریف کے گرد خندق، حکمتِ عملی کے تحت ضروری بھی تھی۔ کہ خندق کے کھودے جانے کے بعد مدینہ شریف کا دفاع آسان ہو گیا تھا، اور مدینہ شریف میں چند مجاہدین کو چھوڑ کر حضور پاکؐ دور دور تک مہمات پر جا سکتے تھے۔ نزدیک قبائل کی بغاوت کے باوجود، اس خندق کی وجہ سے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول جناب صدیق اکبرؓ جناب اسامہؓ کی مہم کو اتنا دور بھیج سکے، جس کا ذکر پہلی کتاب میں ہے۔ تو حفاظت کے اصول کی پابندی، جتنی اسلام نے سکھلائی ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ صلح حدیبیہ کی شرط کے تحت اس سے اگلے سال جب حضور پاکؐ، مکہ شریف، عمرہ کے لئے گئے تو ہتھیار ساتھ لے جانے کا معاہدہ تھا۔ اس لئے حضور پاکؐ نے مکہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر اپنا اسلحہ ایک دستہ کی حفاظت کے تحت رکھا، کہ ضرورت پڑنے پر اسلحہ کا استعمال کیا جاسکے۔ اور عمرہ کے دوران اس دستہ کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تھا حضور پاکؐ کے زمانے میں رات کا پہرہ، پاسورڈ، امراء کا رات کو سنتر لوں کا ملاحظہ کرنا، غرضیکہ حفاظت کا ہر پہلو مد نظر رکھا جاتا تھا۔ اور ہم ایسی باتوں کی تفصیل میں جا چکے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :-

”پسند کرتے ہیں کافر، کاش کہ غافل ہو تم ہتھیاروں اپنے سے اور اسباب اپنے

سے پس جھک آویں اور تمہارے جھک آنا یکبارگی۔  
یعنی اللہ تعالیٰ نے تنبیہ بھی کر دی ہے۔

## ۶. اُصولِ حرکت اور بھرپور کارروائی

اسلام کے لحاظ سے چھٹا جنگی اصول حرکت اور بھرپور کارروائی ہے۔ انگریز بھی دوسری جنگِ عظیم تک حرکت (MOBILITY) کو ایک جنگی اصول مانتے رہے لیکن جنگ کے بعد اس اصول کی بجائے لچکداری کے اصول (FLEXABILITY) کو اپنایا گیا۔ جس کے بیچ حرکت کا پہلو کچھ قائم ہی رہتا ہے اس لئے زیادہ اعتراض کی گنجائش نہیں۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے چونکہ اصول یکے ہیں تو ہمارے لحاظ سے حرکت میں برکت ہے۔ اور حرکتی چال یا (MANOEUVRE) حالاتِ جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ ویسے بھی حرکت ایسی ہو کہ دشمن کچھ نہ سمجھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ یہ سب اسلام کے طریق کار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں اپنی مثال دیتا ہے اور ارشادِ ربّانی ہے: "ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہوتا ہے" یعنی اپنی ذات و صفات کے مقامات بھی حرکت پذیر یا نئی شان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضورِ پاکؐ کا فرمان بھی ہے کہ مومن کے مقامات میں بھی معراج ہوتی ہے۔ اور بے شک جو کل والے مقام پر ہے وہ گھاٹے میں رہا۔ پھر قرآن پاک میں زمین، چاند اور سورج سمیت سیاروں کا ذکر کیا، کہ وہ فضا میں تیرتے ہیں۔ یعنی وہ بھی حرکت میں ہیں۔ زمین کا اپنے محور کے گرد گھومنے کا ذکر کیا، کہ ہر چیز کتنی تیزی سے حرکت کر رہی ہے یا بڑھ رہی ہے۔

ہم اس پہلو کی وضاحت تو پہلے کر چکے ہیں کہ دینِ اسلام ایک متحرک دین ہے۔ نماز میں حرکت، زکوٰۃ اور قربانی میں مال یا صدقے والی چیزوں کی حرکت۔ اور حج میں حرکت۔ حضورِ پاکؐ نے متحرک طرزِ جنگ اختیار کیا۔ جنگِ بدر میں اپنی چھٹی ہوئی زمین پر متحرک دفاع یا وقتی دفاع اپنایا۔ جس کو جارجانہ حرکت دے کر دشمن کو

پاش پاش کر دیا۔ مدینہ کے مستقر کی حفاظت متحرک دفاع اور گشتی دستوں سے کی۔ جنگِ احد میں دفاع کرنے کی بجائے آپؐ اچانک دشمن کے ایک بازو پر نمودار ہو گئے۔ جنگِ خندق بھی ایک مجہول دفاع نہ تھا۔ بلکہ وقتی دفاع تھا۔ کہ دفاعی لائن تھی، اور حرکت کی گنجائش تھی۔ ہمارے ایک عالمِ دین نے اپنی جہاد کی کتاب میں، جو "مصلحانہ دفاع" اور "مدافعانہ دفاع" وغیرہ کی باتیں کی ہیں، ان کا اسلام کے یا کسی فنِ جنگ کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہر دفاع مدافعانہ بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔ مصلحت کے طور پر نہ کنارہ کشی کی جاتی ہے، نہ کوئی ساکن شکل و صورت اختیار کی جاتی ہے۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلا سوٹز نے بھی ایسی بے معنی باتوں کا مذاق اڑایا ہے اور علامہ اقبالؒ نے بھی کسی جگہ ایسے لوگوں پر پھپھتی کسی ہے۔ کہیں کرگسوں کا ذکر کیا ہے اور کہیں برے پر قاعدہ شیر کے اظہار کی بات کی ہے۔ اگر کوئی صاحبِ لاعلمی یا کم مطالعہ کی وجہ سے یہ سب کچھ لکھتے رہے ہیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ یہ سازش بھی ہو سکتی ہے کہ اُس ساری کتاب میں اُس جہاد کے بارے تو کوئی بات نظر نہیں آتی جو حضور پاکؐ اور آپؐ کے رفقائے کیا

بہر حال متحرک طرزِ دین والوں کو اللہ تعالیٰ نے "سید و اخی الارض" یعنی دنیا کو چل پھر کر دیکھنے کی تاکید کی ہے۔ اور یہاں مدافعانہ اور مصلحانہ باتوں کی بجائے متحرک اور بھرپور کارروائی کی باتیں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب قسم اٹھاتا ہے تو بھی ایسی چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو متحرک اور بھرپور کارروائی والی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:-  
 "قسم ہے ان دوڑنے والوں کی شور کرتے ہوئے۔ پھر آگ اگلتے ہیں، شکاف کرنے کو۔ پھر تاخت و تاراج کرتے ہیں دشمن کو صبح کے وقت۔ پس غبار اُڑاتے ہیں غبار اُڑانا پس گھس جاتے ہیں دشمن کی جماعت میں۔"

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اور اس کو سب زمانے، زمانہ حال کی طرح نظر آتے ہیں۔ اُس نے اس زمانے کی جنگ کا ایک نظارہ پیش کیا ہے، کہ جیسے غبار اُڑاتے ہوئے شور کرتے ہوئے بکتر بند دستے پیش قدمی

کرتے ہوئے، دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔ توپ خانہ کی توپیں فائر اُگل رہی ہوتی ہیں اور پیدل دستے صبح سویرے یا پو پھٹتے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں وغیرہ۔ پورا بیان زمانہ حاضرہ کی جنگ اور بھرپور حرکت والی جنگ کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ تو اسی وجہ سے ہم نے حرکت اور بھرپور کارروائی کو اصولِ جنگ مانا ہے۔

اب قرآنِ پاک کا ایک اور بیان سنیں :-

”ستم ہے اُن کی جو زور سے آگے بڑھتے ہیں۔ غوط لگاتے ہیں اور جھپٹنے والوں کا

جھپٹنا۔ اور ہوا میں تیرنے والوں کا تیرنا۔ پس آگے نکل جاتے ہیں، ایک دوسرے سے آگے نکل جانا۔ پس تدبیر کرتے ہیں کام کی“

اب قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ موجودہ زمانے کے ہوائی جہازوں کے حملوں اور آپس میں لڑائی (DOG FIGHT) کا نظارہ نظر آتا ہے۔

نو ظاہر ہوا کہ دنیا کے سپہ سالارِ اعظم اور ہمارے آقا اور دو جہانوں کے سردار نے قرآنِ پاک کے ان اصولوں کے تحت متحرک اور بھرپور طرزِ جنگ کو اپنایا۔ اور دشمن کو اپنی مرضی کے وقت اور مرضی کی زمین پر لڑائی کے لئے مجبور کیا۔ لیکن حکمتِ عملی اور تدبیرات کے تحت متحرک طرزِ جنگ کو اپنانا کوئی آسان کام نہیں۔ دشمن کوئی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں ہوتا۔ اس لئے متحرک طرزِ جنگ کے لئے بہت زیادہ ہدایات کی ضرورت ہے، اور ہر سطح پر ہدایات کا رنگ شاید مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر حکمتِ عملی کے تحت پوری قوم کو مسجدوں کے ذریعہ سے اور ہر سطح پر امراء کے احکام کے تحت ”متحرک“ کرنا ہوگا۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھرنے والی یا تالیاں بجانے والی قوم نہیں بلکہ ایک بھرپور کارروائی والی متحرک قوم جو صراطِ مستقیم پر رواں دواں ہے۔ پھر اسی حکمتِ عملی کے تحت پیشہ ورا فواج یا ان کے بڑے گروہوں کو لچکدار ستم کا متحرک طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ کہ خاص اور اہم مقامات پر کچھ ”وقتی ساکن“ دستے چھوڑنے ہوں گے یا اصولِ حفاظت، یا اصولِ ضرورت کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا۔ تدبیرات کے طور پر تو یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور جنگ کے مرحلہ در مرحلہ حالتوں کے لئے بڑی

تفصیلی ہدایات جاری کرتا ہوں گی۔

## ۷۔ اصولِ غیرت

اسلام کے لحاظ سے زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اللہ تعالیٰ غیرت مند زندگی کاٹنے کے احکام دیتا ہے۔ اس لئے اسلامی طرزِ جنگ کا ساتھ توں بڑا اصول غیرت ہے کہ بے غیرت آدمی اپنے دین یا عقیدہ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جنگِ احد کے وقت ابوسفیان نے بڑھاری کہ وہ جنگ جیت کر جا رہے ہیں۔ اور کافی باتوں کے بارے بڑھارتا رہا۔ لیکن حضور پاکؐ نے اپنے رفقاءؓ کو جواب سے منع فرمایا۔ لیکن جب ابوسفیان نے اگلے سال اسی وقت بدر کے مقام پر فیصلہ کن جنگ کی دعوت دی۔ تو حضور پاکؐ نے حکم دیا کہ جواب دیا جائے۔ اور جواب یہ تھا: "بے شک اگر ہمارے اللہ کو منظور ہوا اب حضور پاکؐ تو چوتھی ہجری میں اپنے مجاہدین کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اور ابوسفیان نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ محط سالی کا بہانہ بنا کر راستے سے واپس چلا گیا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے دوران حضور پاکؐ پر امن طور پر مکہ شریف کے عمرہ کے لئے گئے تھے۔ نہ آپ کا جنگ کا ارادہ تھا، اور نہ تیاری و نفری تھی کہ سولہ سو مجاہدین تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی، گو خیر غلط تھی۔ تو خیر سنتے ہی سب صحابہ کرامؓ کو بیعت رضوان کا شرف حاصل ہوا جس کو قرآن پاک میں فتح مبین کا نام دیا گیا ہے۔ کہ یہ شہادت پر بیعت تھی۔ جنگِ احد میں بھی شہادت پر بیعت ہوئی۔ اور جنگِ یرموک میں جناب عکرمہؓ بن ابوہیل اور آپ کے رفقاء کی شہادت پر بیعت۔ جنگِ جسر میں ابو عبیدہ ثقفیؓ کے قبیلہ کی شہادت پر بیعت۔ امام حسینؓ کی راہِ حق پر پورے کنبہ کے ساتھ باطل کے ساتھ ٹکر۔ غرضیکہ اسلامی غیرت کی ایسی کئی مثالیں کتابوں کے اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

ہم بھی ذرا گریبان میں منہ ڈالیں۔ کہ آج ہماری تعداد نوے کروڑ ہے۔ لیکن ہم مغلوب قوم ہیں۔ باقیوں کو تو چھوڑیں، کہ ہنود اور یہود جن کو ہم غلامی کے زمانے میں

خاطر میں نہ لاتے تھے، آج وہ ہمیں خاطر میں لاتا، تو بدرکنار ہٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس مقصد میں ہمارے دشمنوں کو کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ کہ اتنی تعداد کا کیا فائدہ جس میں جان نہ ہو۔ بد قسمتی سے! من پسندی کی لوری دیتے والوں نے ہمیں اس طرح بنا دیا ہے کہ ہماری غیرت ختم ہوتی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں واضح احکام ہیں اور ارشادِ خداوندی ہے:-

” اے ایمان والو! جب میدانِ جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ پھیرنا۔“ بے شک اس آیت مبارکہ کا تدبیراتی پہلو بھی ہے۔ لیکن حکمتِ عملی کے تحت میدانِ جنگ یا محاذِ جنگ سے پسپائی کی اجازت ضرور ہے۔ اور قرآن پاک کے مطابق ایسی پسپائی نتب ہو سکتی ہے کہ کسی بہتر زمین یا بہتر تعداد کے ساتھ دشمن کو اپنی مرضی کے مطابق، مرضی کے وقت شکست دی جائے۔ ہم دوسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ جنگِ اجنادین کے وقت یرموک کی وادی کو چھوڑ کر اور جنوب کی طرف کوچ کر کے ایک قسم کی پسپائی کے بعد رومیوں کی طاقت کو اجنادین کے میدان میں پاش پاش کیا گیا۔ جنگِ یرموک کے وقت بھی حمص، اور قساریہ تک کے علاقوں سے پسپا ہو کر مسلمان لشکر وادیِ یرموک میں اکٹھے ہوئے اور وہاں پر اہل روم کو ایسی شکست دی کہ ہر قل ایشیا کو آخری سلام دے کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

پہلی کتاب میں ذکر ہو چکا ہے کہ ایران کے محاذ پر بھی جنگِ جسبر کے بعد گو تدبیراتی طور پر پسپائی اختیار کی گئی کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ لیکن اس کے جلدی بعد جنگِ بویب کے بعد حکمتِ عملی کے تحت پسپائی اختیار کر کے شرف کے مقام پر اجتماع ہوا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ کر قادیسیہ کے مقام پر ایرانی سلطنت پر پہلا بھرپور وار کیا۔ جنگِ نہاوند جس کے بعد ایرانی سلطنت ہمیشہ کے لئے مٹ گئی اور ایران، اسلام کا ایک مستقر بن گیا، اس میں تدبیراتی طور پر ایسی پسپائی اختیار کی گئی، کہ دشمن کو اپنی طرف ”کھینچنا“ اور جب دشمن ”کھچاؤ“ کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا تو اس کو نہاوند کے مقام پر تہس نہس کر دیا گیا۔ لیکن دشمن کو اپنی طرف ”کھینچنا“ بڑا مشکل تدبیراتی عمل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جو

ہم نے ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ کے محاذ پر کر دیا۔  
 اب قرآن پاک کے الفاظ کی گہرائی میں جایا جائے تو وہ یہ ہیں کہ میدانِ جنگ میں  
 مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ پھیری جائے۔ ان الفاظ میں راز ہے اور فلسفہ بھی ہے۔ کہ  
 اس طرح انسان میدانِ جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ راقم نے یہ طریقہ جنگِ عظیم  
 دوم کے دوران، جاپانیوں کو اپنا تے دیکھا، جس کے اتنے زیادہ تدبیراتی فوائد حاصل  
 ہوتے تھے کہ انسان حیران ہو جاتا تھا۔ اور اتنے زیادہ "فوائد" کا حکمتِ عملی پر بھی اثر ہوتا  
 ہے۔ راقم کے ساتھیوں اور ماتحتوں نے کچھ ایسا ہی نمونہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لاہور  
 محاذ پر ڈوگری کے مقام پر دیا۔ بے شک ان میں سے اکثر اللہ اور رسولؐ کے نام پر قربان  
 ہو گئے۔ لیکن لاہور بچ گیا اور وہ ایک بنیان المرصوص کا نظارہ ضرور دکھا گئے اور بہت  
 کچھ وہ اس گنہگار کے پاس بھی چھوڑ گئے۔

اصولِ غیرت کے سلسلہ میں قرآن پاک کے ایک اور بیان کا ذکر بھی ضروری ہے۔

ارشادِ ربانی ہے :-

"تو تم بہت نہ ہارو۔ اور خود صلح کی طرف دعوت نہ دو، اور تم تو غالب ہو۔ اور  
 اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہ کرے گا۔"

اس بیان میں اللہ تعالیٰ ڈٹ جانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور صلح کے سلسلہ میں بھی  
 پہلے کاری سے منع ہے کہ "صلح" میں کچھ کمزوری کے پہلو کا اظہار ہوتا ہے۔ تب ہی  
 اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ پوعیزہ۔ ہم پچھلے باب میں موت کا ذکر تفصیل سے کر آئے  
 ہیں کہ زندگی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور مسلمان کو موت تحفہ کے طور  
 پر پیش کی جاتی ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جہاں گئے اور حیب ان سے پوچھا گیا کہ  
 تم کون لوگ ہو تو انہوں نے بڑا ہی پیارا جواب دیا۔ "ہم لوگ ایسی قوم ہیں جو موت  
 کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے ہیں، جتنی تم لوگ زندگی کے ساتھ محبت کرتے ہو۔"

یعنی کافر اور مسلمان یا مسلمان کا غیروں سے فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح  
 ایک مجاہد کا دس کافروں کے برابر ہونے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ تو یہ تمام باتیں غیرت،

یعنی اسلامی غیرت یا ملی غیرت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ مضمون بے شک وسیع ہے کہ تکبر کو غیرت نہ سمجھ لیا جائے اور ہماری غیرت اللہ اور رسول ﷺ کے لئے ہے اور جس میں یہ غیرت نہیں وہ مسلمان نہیں۔ اور جانوروں میں بے غیرت خنزیر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا گوشت اور خون تک ہمارے اوپر حرام ہے کہ اس کا استعمال ہمیں بے غیرت بنا دے گا۔ لیکن آج ہم دنیا میں ان لوگوں سے بھی بدتر ہیں جو سور کو کھاتے ہیں۔ تو اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ ایسا کیوں ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری حالت کو ٹھیک کیوں نہیں کرتا۔ تو اپنا دل جواب دے گا۔ کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟

و صنع میں تم نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرما میں یہود (اقبال)

## ۸- اصول جستجو اور متفرق باتیں

قرآن پاک ایک سمندر ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں جس کا جواب قرآن پاک میں نہ مل سکے۔ شیخ اکبر جناب محی الدین ابن عربیؒ نے اس سلسلہ میں ہمارے لئے راہ نکالی اور آپ ہر بات کا جواب قرآن پاک میں تلاش کرتے تھے۔ ان کو جواب کسی ایک آیت یا لفظ میں مل جاتا تھا۔ اور اس لفظ کی برکت سے ان کو حضور پاکؐ کی سنت سے پوری تفصیل مل جاتی تھی۔ حضور پاکؐ کی سنت کی بزرگوں نے یہی وضاحت کی ہے۔ مودودی صاحب ایک لفظ اکثر لکھتے تھے کہ فلاں مزاج شناس رسولؐ تھا اور مودودی صاحب کے مداح خود مودودی صاحب کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور خدا کرے ایسا ہی ہو کہ ہم تو ہر مسلمان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ وہ مزاج شناس رسولؐ ہو۔ البتہ اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کی حدیث مبارکہ بھی ہے کہ جو کچھ میرے ساتھ منسوب کیا جائے اس کے بارے میں تصور کر کے تجسس کیا جائے کہ واقعی ایسا ہے۔ لیکن یہ بڑا مشکل عمل ہے۔

ایسا کرنے کے لئے اول تو یارِ غارؑ کی طرح عاجزی کی ضرورت ہے کہ ان کو حضور پاکؐ



کی شان بیان کرنے سے ڈر لگتا تھا کہ بے ادبی یا کوتاہی نہ ہو جائے۔ اور ہم عقلی گھوٹے  
 ڈورا کر حضور پاکؐ کی باتوں کا عام آدمیوں کی باتوں کے ساتھ موازنہ شروع کر دیں تو  
 پھر معاملہ ادھر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ حضور پاکؐ کا مزاج شناس بننے کی  
 کوشش سے پہلے حضور پاکؐ کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے۔ اگر ہماری بسم اللہ ہی غلط  
 ہو کہ ہم حضور پاکؐ کو ایسا نہ مانیں تو مزاج شناسی کس کی کریں ؟

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں راقم کو یہ خیال وارد ہوا کہ ہر مسئلہ کا حل حضور پاکؐ اور  
 بزرگوں کی وساطت سے تلاش کیا جائے۔ چنانچہ جنگ کے ہر مسئلے کا ایک ایسا حل سامنے  
 آ جاتا تھا جو اس سے پہلے نہ کبھی سنا تھا اور نہ سیکھا تھا۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ  
 جنگ کے تین چار ماہ بعد کوئٹہ سے واپس آ کر میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جب شہداء  
 کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے گیا تو وہ جگہ نہ پہچان سکا، جہاں پر ہم سولہ دن  
 جنگ لڑتے رہے۔ صوبیدار میجر چنار گل نے روکا اور بتایا کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی  
 ہوا تھا۔ میرے بڑے بھائی جو فوجی تھے، وہ یہ یقین نہ کر سکے کہ کوئی فوج اتنے دن  
 ایسی "ننگی" یا غیر اہم جگہ پر لڑائی لڑ سکے گی۔

مجھے ان کو بتانا پڑا کہ یہ جگہ اُس وقت مجھے "درہ دانیال" کی طرح نظر آتی تھی  
 اور پھر اپنی ساری باتیں اور کارروائیاں یاد آئیں تو خود حیران ہوا۔ "کہ ہم وہاں سے  
 یہ سب کچھ کیسے کر سکے؟"

بہر حال عاجزی کے ساتھ تجسس کے ذریعے قرآن پاک اور حدیث مبارکہ میں  
 جواب مل جاتے ہیں۔ اور یہ گنہگار آج تک "اجتہاد" کے چکر میں نہیں پڑا۔ کہ اجتہاد  
 وہ کرائے جس کو ضرورت ہو اور اس کا نفاذ بھی کر سکے۔ اور پچھلے باب میں واضح کر چکے  
 ہیں کہ بحث برائے بحث تو تفرقہ کا باعث بنتی ہے۔

بہر حال اگر اس اصول جستجو کا صحیح استعمال کریں تو قرآن پاک اور سنت میں  
 متعدد ایسے اصول اور احکام ملتے ہیں کہ جن کی مدد سے ہم اپنی حکمت عملی اور تدبیرات  
 کے تمام تانے بانے اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر سکتے ہیں۔ ہر قوم کا اپنا اپنا مزاج

ہے، اور مسلمانوں کو ان اصولوں کے تحت جنگ لڑنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں یا ہمارے آقاؐ نے ان کی نشاندہی کی ہے۔ اور یہ اصول لکھنے میں مقصد یہ تھا کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں اور غوطے لگائے جائیں۔

مثلاً تدبیراتی طور پر قرآن پاک کے کئی احکام سے مدد لی جاسکتی ہے جس میں خاص کر عقب سے حملہ، دشمن کا تعاقب جنگ سے قبل تیاری، دفاعی تجاوز، سامان جنگ، جنگی قیدیوں سے سلوک، عہد کی پابندی، دشمن کی چالوں سے باخبر رہنا، سازش اور کانامچھوسیوں کی ممانعت، خفیہ سرگرمیوں کا قلع مفتح، باہمی مشورہ متعدد فوجی ضرورتوں کے لئے واضح احکام قرآن پاک میں موجود ہیں جن پر تفصیلی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن ہم نے اختصار کے طور پر ان ضرورتوں کی نشاندہی کر دی ہے کہ فوجی تربیت کے دوران اگر ایسی فوجی ضرورتوں کے لئے قرآن پاک کے ذکر یا حوالے سے کام شروع کیا جائے۔ اور لڑائی میں ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو فتح ہماری ہوگی۔

## حضور پاکؐ کی سنت سے مدد

اسی طرح حضور پاکؐ کے اقوال یا سنت میں بے حساب فوجی ہدایات اور اصول ہیں جن میں سے ایک دو کا بیان یہاں ضروری ہے کہ اول حضور پاکؐ نے فرمایا: "الْحَرْبُ خَدْعَةٌ" کہ جنگ میں دھوکا ہوتا ہے، تو اصول ہے کہ جنگ میں دشمن کو دھوکا دو اور اس کو حیران کر دو۔ اور خود دشمن سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اب جنگ کی ہر سطح پر SURPRISE & DECEPTION کا استعمال افواج میں عام ہوتا جاتا ہے۔ اور ہمارے آقاؐ آج سے چودہ سو سال پہلے اس ضرورت کے بارے میں حکم دے گئے تھے۔ اور اپنی ہر جنگ میں انہوں نے دشمن کو حیران کر دیا۔ جنگ بدر میں اچانک متحرک دفاع اپنایا۔ اور دشمن اس کی مصیبتوں کو نہ سمجھ سکا۔ اس کے ساتھ ہٹ کر آیا اور پاش پاش ہو گیا۔ جنگ احد میں حضور پاکؐ اچانک دشمن کے بازو پر

نمودار ہو گئے اور اس کو جنگ کے لئے مجبور کر دیا۔ اور جنگِ خندق کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اور خلفائے راشدین کی چاروں کتابوں میں بے شمار اسباق کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس سے ایک اور فوجی سبق بھی نکلتا ہے کہ ہر کارروائی میں طریقِ کار میں کچھ تبدیلی کی جائے۔

علاوہ ازیں قرآن پاک میں پو پھٹتے دشمن کی صفوں میں گھس جانے والی بات اہم ہے اور DAWN ATTACK اب دنیاوی فوجوں میں عام ہو گیا ہے لیکن حضور پاکؐ نے ایک اور سبق سکھایا کہ سورج اگر موافق ہو تو جوابی کارروائی یا "الجبّاؤ" کے بعد بھر پور کارروائی سورج ڈھلنے کے بعد کی جائے۔ حضور پاکؐ نے اس سلسلہ میں زبانی احکام دیئے اور صحابہ کرامؓ نے اس طریقِ کار کو اپنایا۔ انہوں نے کسی صورت میں اس اصول سے روگردانی نہ کی۔ جنگِ نہاوند میں جب ایرانیوں کو اپنی طرف "کھینچا" گیا اور جوابی کارروائی مقصود تھی۔ تو دوپہر سے پہلے اُس وقت کے ایک فوجی ماہر جناب مغیرہ بن شعبہ نے سالار لشکر کو جوابی کارروائی کا مشورہ دیا۔ لیکن سالار لشکر جناب نعمان بن مقرنؓ نے کہا کہ "ایسا نہیں ہوگا۔ آقاؐ کا حکم ہے کہ یہ کارروائی بعد دوپہر ہی ہو۔ تفصیل پہلی کتاب میں موجود ہے۔

جنگِ نہاوند کا مکمل مطالعہ اس سلسلہ میں آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اور بعد دوپہر جوابی کارروائی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے پاس رد عمل کا وقت نہیں رہتا۔ اور یہی چیز بھر پور کارروائی کو لاگو ہے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے اور فاسف جنگ میں ہم نے غیروں سے کچھ بھی نہیں سیکھنا۔ ہماری چاروں کتابیں ان اسباق سے کھری پڑی ہیں۔ اور جو کام اپنوں کی نقل میں کیا جائے اس میں سرور ہے اور لطف ہے۔ سکندر، چنگیز، پولیس ماربرو، گڈیرین، رومیل، منٹگمری، ویول اور براڈے کی کارروائیوں میں ہمارے لئے کیا لطف ہے۔ اور لڈل ہارٹ یا فلر کی کتابوں میں کیا ملے گا۔ "تعصّب" یا ہم خواہ مخواہ مرعوب ہوں گے :-

وہ آنکھ کہ بے سرمہ افرنگ سے روشن  
پر کار و سخن ساز ہے۔ نمناک مہنیں ہے  
(اقبال)

## دفاعی ٹیکنالوجی

بدقسمتی یہ ہے کہ جو آدمی اپنوں کی نقل کے بارے کہتا ہے، اس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ آدمی چاہتا ہے کہ نیزوں اور بھالوں سے لڑائی ہو۔ خیر، نیزوں اور بھالوں کا وقت بھی شاید دوبارہ آجائے۔ اور پاکستان میں آزادی کے وقت یہ موقع آیا تھا۔ اس وقت اگر ہم نیزے اور بھالے بھی اٹھا لیتے تو عزت رہ جاتی اور کشمیر بھی مل جاتا۔ لیکن جب لڑنے کا جذبہ ہی مفقود تھا۔ اور سب بھروسہ غیروں کے دینے ہوئے مہتھیاروں اور بارود پر تھا۔ تو جنگ کی تو تجویز ہی نہ بنی۔ لڑائی کی تجویزیں بنتی رہیں اور فائر بندی کا انتظار تھا۔ درحقیقت ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کے واقعات کو مکمل جنگ (WAR) نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ جھڑپیں تھیں۔ بہر حال اب اگر جنگ کی تیاری کرنا ہے تو ساتھ دفاعی ٹیکنالوجی کی بھی ضرورت ہوگی اور اس کا انحصار ملک کی ٹیکنالوجی پر کرنا ہوگا۔ یعنی اس سلسلہ میں بھی اپنے آپ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

قرآن پاک کی سورۃ حدید میں ہماری توجہ اللہ تعالیٰ اس طرف مبذول کرانا ہے، کہ دھاتوں کے استعمال میں بڑے فائدے ہیں۔ اور جن تیز رفتار چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ کر رہا تھا کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جنگ میں ایسے مہتھیاروں کی ضرورت ہوگی جنہیں پاکستان اور خلفاء راشدین کے زمانے میں مجاہدین یمن بھی گئے تھے، کہ وہاں پر نئے مہتھیاروں کا استعمال سیکھیں اور ایسے ہتھیاروں سے سیکھنے سے حضور پاکؐ نے یہ نہیں منع فرمایا، کہ غیروں سے نہ سیکھے جائیں! ایسے غیر اگر ہمیں ٹیکنالوجی یا دفاعی ٹیکنالوجی سکھلائیں تو ضرورتاً ان سے یہ سب کچھ سیکھا جائے اور اپنی افواج کو سامان حرب کے سلسلہ میں خود کفیل کیا جائے تاکہ ان کی ضرورتیں ملک ہی میں پوری ہو سکیں۔

بہر حال یہ وسیع مضمون ہے اور اس کے لئے علم، ہنر اور ذرائع کی ضرورت ہے۔ اور غیر یہ نہ چاہیں گے کہ ان سب علوم پر ہمیں دسترس حاصل ہو جائے۔ نیکولر یا اٹامک طاقت کے سلسلہ میں قوم آگاہ ہے کہ غیر کس طرح ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہوگا۔ اور ایمان کی ایک ایسی سطح ہے کہ تمام علوم آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اگر قوم کا ایمان و یقین درست ہو گیا تو ٹیکنالوجی بھی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اس کی اہمیت سے انکار نہیں۔ وہ خدا ہمارے ہاتھوں میں تب دے گا جب اس سلسلہ میں محنت کریں گے۔ بہر حال یہاں پر صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں فوجی تدبیرات اور حکمت عملی کی بنیاد بناتے وقت زیادہ انحصار اس ساز و سامان پر کرنا ہوگا جو اپنے ملک میں سے حاصل ہو سکے۔ اور باقی جو کچھ باہر سے مل جائے اس کو بھی انعام خداوندی سمجھ کر قبول کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم مزید وضاحت نہ کریں گے کہ مضمون بہت لمبا ہو جاتا ہے

## حضور پاکؐ کا اسلام

ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ حضور پاکؐ کے اسلام پر باطل والوں نے پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور سازش جاری ہے۔ کتابوں کے اس سلسلہ میں راقم نے تمام تر واقعات تاریخوں سے لئے ہیں۔ جائزوں میں قرآن پاک اور حدیث مبارکہ کے حوالوں کے علاوہ حضور پاکؐ کے رفقاء کے عملوں سے مثالیں دی ہیں۔ لیکن قارئین کو ان میں سے کئی باتیں نئی معلوم ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام کی تاریخ کا با مقصد اور تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو عجیب و غریب راز افشا ہوتے ہیں۔ مختلف عقائدی گروہ بحث برائے بحث کو پر لطف بنانے کے لئے خواہ مخواہ کوئی حدیث گھڑ لیتے تھے۔ تفرقہ پیدا کرنے والوں نے کیا کچھ نہ کیا۔ یہ بڑے وسیع مضامین ہیں۔ لیکن ہم نے چند ضروری باتوں سے پردے ہٹائے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی بنیادی بات وحدت فکر اور وحدت عمل ہے۔ ایک خبر پڑھی تھی کہ مکہ مکرمہ میں ایک اجتماع ہونے والا ہے، جہاں

تمام گروہی اختلافات مٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ ہمارے لحاظ سے حضور پاکؐ کے اسلام کا نفاذ فقہ وحدت یا فقہ عسکریت کی مدد سے کیا جاسکتا ہے۔ یہی نصیحت مرحوم آغا خان نے ہمیں ۱۹۵۰ء میں کی۔ کہ ہم پہلے سو سال کے اسلام کا مطالعہ کریں۔ جہاں ہمیں وحدتِ فکر و وحدتِ عمل والا اسلام تلاش کرنا ہوگا۔ پھر اس کا نفاذ کرنا ہے۔ اور آگے اولی الامر اور مشاورت کے معاملات تو آسان ہیں۔ مشکل یہ ہے :-

آہ اس راز سے واقف ہے زملائے فقیہہ

وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے

اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

## اسلام کا نفاذ

تو ہمارے لحاظ سے اسلام وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ فقہ وحدت ہے یا فقہ عسکریت ہے۔ نظامِ مصطفیٰؐ ہے، اور نظامِ جہاد ہے۔ پوری قوم اللہ کی فوج ہے۔ ان کو بتیان المرصوص بنانا ہے تو ترجیحات کے طور پر۔ اس کو مندرجہ ذیل سات مرحلوں کے تحت نافذ کیا جاسکتا ہے۔

### ۱۔ پہلا مرحلہ :- تنظیم

پوری قوم کو منظم کرنا ہوگا۔ البتہ اس کے لئے قومی تنظیم کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے اصول میثاقِ مدینہ سے لینے ہوں گے۔ لیکن ان چند فقروں سے نہیں جو مولانا شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ کی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ بلکہ ان پچاس کے قریب اصولوں سے جو ابن اسحاق اور ابن سعد کی کتابوں میں موجود ہیں۔

### ۲۔ دوسرا مرحلہ :- تنظیمی تربیت

پوری قوم کو نظام میں باندھنے کے لئے کچھ اصول بنانے ہوں گے اور جس کا مختصر

ذکر آگے آتا ہے۔

### ۳۔ تیسرا مرحلہ :- فن سپہ گری کی تربیت

کہ پوری قوم کو عسکری تربیت کس طرح دی جائے۔

### ۴۔ چوتھا مرحلہ :- عسکری تنظیم

قوم کی عسکری تنظیم کرنا کہ وہ ملک کے دفاع میں شریک ہو سکے۔

### ۵۔ پانچواں مرحلہ :- رابطہ

یعنی پیشہ ورا فوج اور قوم کی عسکری تنظیموں میں رابطہ پیدا کرنا۔

### ۶۔ چھٹا مرحلہ :- پیشہ ورا فوج کی تنظیم نو

ان افواج کو اس طرح منظم کرنا کہ ان کا زیادہ انحصار ملکی وسائل پر ہو۔

### ۷۔ ساتواں مرحلہ :- ملک کی دفاعی حکمت عملی اور تدبیرات

ملک کی دفاعی حکمت عملی اور تدبیرات کو اسلامی خطوط اور اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنا۔

کہہ دینے میں تو یہ باتیں بڑی آسان معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے وسائل کی ضرورت ہے۔ اور حکومت کے باقی شعبوں کو بھی اسی طرح چلانا ہوگا۔ کہ دو غلاپن نہ ہو۔ یا معاملات آدھا تبتیر اور آدھا بٹیر نہ بن جائیں۔ ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں، اس میں ذرائع ابلاغ، تعلیم، قانون اور انصاف کو تو پہلے ہی دفاع کے ساتھ برابری دے دی گئی ہے کہ یہ بھی بنیادی مددیں ہیں۔ اس لئے ان سب مددوں کے لئے کم سے کم اتنے اصول تو بنانے ہوں گے جتنے دفاعی فلسفہ کے لئے بنائے گئے ہیں۔ یہ کام ماہرین کو کرنا ہوگا۔

البتہ مادی ذرائع کے لئے وحدت والی پالیسی بنانا ذرا مشکل کام ہے اور اس سلسلہ میں ہم کوئی خاکہ نہ پیش کر سکے۔ ہاں، چند اصول لکھ دیئے گئے ہیں کہ ان ذرائع کو ایسے اصولوں کے تحت چلانا ہوگا جو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہوں۔ پھر ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کے طریق کار اور مرحلے مقرر کرنا ہوں گے اور قومی وحدت یا دینی امور کے لئے ایک وزارت بنانا ہوگی جو قوم میں وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرے چنانچہ اس نئی دینی وزارت کو "فقد وحدت" کے تحت بنانا ہوگا۔ اس کے بعد اب ہم پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے کے سلسلہ میں بنیادی باتوں اور مرحلوں کی مزید وضاحت کرتے ہیں:-

### ۱۔ پہلا مرحلہ — تنظیم

اول ضرورت یہ ہے کہ پوری قوم کو منظم کیا جائے۔ اسلام میں شرکت منظم ہو کر کی جاتی ہے اور ہر فرد کسی منظم ادارے کے تحت اور کسی امیر کے تحت بڑی تنظیم یا فوجی تنظیم کا حصہ ہوتا ہے۔ اور بالکل اسی طرح، جس طرح ایک سپاہی، اپنی سیکشن کے ذریعے سے اپنی پلٹون، کمپنی، بٹالین، برگیڈ، ڈویژن، کور اور آرمی کا ایک ممبر یا حصہ بن جاتا ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق یہ کام صوبائی حکومتوں کے سپرد ہونا چاہئے اور ملک میں کتنے صوبے ہوں یہ بات اتنی اہم نہیں۔ البتہ موجودہ لسانی یا ثقافتی نام تبدیل کر کے اسلامی نام رکھے جائیں جو ان صوبوں میں پہلے مسلمان فاتحین یا فقراء کے نام ہو سکتے ہیں۔ مثلاً عاصم بن عمرو بلوچستان کے لئے، قاسم سندھ کے لئے، غزنی پنجاب کے لئے، عبداللہ بن عامر یا عبدالرحمن بن سمرہ وغیرہ سرحد کے لئے، یادانا گنج بخش سخی سرور، بھٹ شاہ، ہو بہو (کلر کبار) یا اس قسم کے نام ہو سکتے ہیں جو وحدت پیدا کریں۔

بہر حال ہر فرد کو کسی نہ کسی مسجد اور مسجد کے امیر (امام) کے ذریعے سے قوم کی اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا۔ لیکن ان مسجدوں کو ایسے بنانا پڑے گا، کہ ان



کا امام واقعی امیر ہو اور یہ مسجدیں مجاہد پیدا کریں اور ان مسجدوں میں مومن کی اذان شروع ہو۔

وہ سحر جس سے لڑتا ہے شبستان وجود

ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا

ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق مسجد کے چناؤ کی اجازت ہو۔ لیکن ایک دفعہ ایک جگہ چن لی جائے تو ہر روز بلاوجہ تبدیلی کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں اگر کوئی آدمی پیشینہ کی وجہ سے یا نقل مکانی کے سبب رہائش گاہ میں تبدیلی کر دے تو اس کو نئی مسجد کا رکن بننا ہوگا۔ یہ ایک خاکہ ہے لیکن اس میں رنگ بھیرنا ہوگا۔ اور تفصیلی ہدایات بعد میں جاری کرنا ہوں گی۔

## ۲۔ دوسرا مرحلہ۔۔۔ تنظیمی تربیت

حضور پاکؐ کا فرمان ہے، بخدا اگر ان کو بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو وہ ان تمام گھروں کو جلا دیتے جہاں سے مرد مسجدوں میں نہیں آتے۔ اول تو اس حکم میں اسلام کی آمریت کا پہلو ہے کہ اسلام جمہوریت نہیں۔ دوم اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسجدوں میں ہمیں تنظیمی اور روحانی تربیت دی جاتی ہے۔ مسجد اور مسجد میں تربیت کا ذکر بڑا تفصیلی ہے۔ بہر حال اسلام میں بامقصد نماز کا حکم ہے کہ :-

”یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے  
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات“ (اقبالؒ)

ہماری موجودہ نمازوں اور اذانوں کے بارے علامہؒ یوں فرما گئے :-

تیری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال  
تری اذان میں نہیں ہے مری سحر کا پیام (اقبالؒ)

چنانچہ ان نمازوں کو بامقصد بنانے کے لئے ان کی ادائیگی اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے اندر قلبی اور جسمانی وحدت پیدا کریں۔ اور ہم ربط و ضبط اور اطاعتِ امیر

کے اصول کو سیکھیں۔ کیونکہ ان مسجدوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمان جب مل کر سجدہ کرتے تھے تو یہ سماں بندھ جاتا تھا:-

وہ سجدہ رُوحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی  
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب (اقبال؟)

تو ہمیں اپنی موجودہ نمازوں کی بجائے بہت کچھ کرنا ہوگا اور موجودہ حالت کو چھوڑنا ہوگا:-

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور  
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر (اقبال؟)

پہلے بھی گزارش ہو چکی ہے کہ نماز کا پہلو بہت وسیع ہے کہ اسلام باجماعت نماز کا دعوے دار ہے۔ دراصل لفظ صلوٰۃ کے وسیع تر معانی ہیں اور اس کے ترجمہ "نماز" میں وہ بات نہیں آتی۔ صلوٰۃ کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ حالات سے آگاہی کے لئے اکٹھے ہوں اور اپنے لئے راہِ عمل کو سوچیں اور امیر کے حکم کے مطابق اپنی ذمہ داری کو سنبھالیں۔ قرونِ اولیٰ میں جب کوئی اجتماع مقصود ہوتا تھا تو "صلوٰۃ" "صلوٰۃ" پکارا جاتا تھا اور لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ہم مسجد میں اس لئے بھی اکٹھے ہوں گے کہ اپنی ذمہ داریاں سن لیں۔ وہاں ہی محلے یا گاؤں کے معاملات کو حل کریں گے۔ ہمسایوں کے حقوق پورے کریں گے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی راہ نکالیں گے۔ اطاعتِ امیر کے فلسفہ کو اپنائیں گے۔ آپس میں تفرقے مٹائیں گے۔ اسلامی ایمان و یقین جس کا ذکر ہو چکا ہے، وہ سیکھیں گے اور نماز کے سلسلہ میں فضول اختلافات کہ ہاتھ کہاں باندھیں یا قرأت کیسے پڑھیں وغیرہ، ان سب کو مٹانا ہوگا۔ بلکہ نماز کے فلسفہ میں جا کر روحانی، قلبی اور جسمانی وحدت کے ذریعے اسلام کے وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل کے نظریہ پر عمل کرنا ہوگا۔

نماز سے ہمارے اندر وحدت پیدا ہوتی ہے۔ ہم صف بندی یا جنگ میں مورچہ بندی کے اصول سے آگاہ ہوتے ہیں۔ حکم ماننے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ محبت اور الفت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو جوڑ دیتا ہے کہ روحانی و جسمانی وحدت ہوتی ہے علاوہ

صفا کا خیال ہوتا ہے کہ وضو نماز کی تیاری ہے۔ تو نماز جنگ یا جہاد کی تیاری ہے۔ نماز کے علاوہ روزہ بھی جنگ کی تیاری کی تربیت دیتا ہے اور صبر سکھلاتا ہے کہ ہم جو اصولِ مصابہ کا ذکر کر چکے ہیں۔ تو صبر ہی سے اس اصول پر عمل پیرا ہونے کی تربیت ہوتی ہے۔ علاوہ روزہ، ایمان و یقین کی ایک ارفع مثال ہے کہ فرد کا تعلق اپنے خدا سے ہوتا ہے کہ روزہ میں سوائے فرد اور خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ روزہ ہے یا نہیں۔ روزہ کا اخلاقی پہلو بھی ہے، کہ پاتھ کا روزہ، کان کا روزہ، آنکھ کا روزہ وغیرہ۔ یعنی تمام شر والی باتوں سے دوری اختیار کی جائے تو تب روزہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قربانی اور زکوٰۃ میں خیرات بانٹنے سے بھی تعلقات بڑھتے ہیں۔ اور امیر و غریب ایک ہوتے ہیں۔ اسلئے اسلام کے لحاظ سے امیر مسجد یا امیر محلہ ہی اسلام پر عمل پیرا کر کے اپنے لوگوں کو بنیادی تربیت دے گا۔ اور اوپر یونین کونسل اور تھانہ کی تنظیمیں اس تربیت کو بہتر طور پر منظم کرنے میں مدد دیں گی۔ البتہ ہماری مسجدوں میں درس نظامیہ کے زمانے کے جو خطبات موجود ہیں، ان سے ضرور مدد لی جائے گی۔ لیکن تعلیم و تدریس اور محلہ کے کاموں کے لئے اس زمانے کی ضرورت کے مطابق تربیت کے لئے ہدایات لکھنا پڑیں گی۔ یعنی لوگوں کو اپنی ذمہ داری پوری کرانے کے لئے مرکزی حکومت خطبات کا بندوبست کرے گی، جو مسجدوں میں دیئے جائیں گے۔ بے شک یہ بھی بڑا وسیع مضمون ہے۔ لیکن موجودہ تفرقات والے خطبے ختم کرنے ہوں گے اور تقریریں برائے تقریر کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔ یعنی خطبات ایسے نہ ہوں :-

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

(اقبال)

اس سلسلہ میں محلہ کے لوگوں کو کئی حصوں میں بانٹنا ہوگا۔ اول بچوں کی تربیت اور ان کے لئے کم از کم دینی تعلیم کا معیار اور نصاب مقرر کرنا ہوگا۔ جس میں لڑکیوں کے لئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ درس بنانے ہوں گے۔ پھر محلہ کی عورتوں کی تربیت کے لئے طریق کار وضع کرنا ہوں گے۔ اور مردوں کو بھی دو حصوں میں بانٹنا ہوگا۔ کہ جوان مرد

اور زیادہ عمر والے مردوں کے الگ الگ گروہ بنانے ہوں گے۔ اب کچھ خطبات عام قسم کے ہوں گے جو جمعہ والے دن یا کسی خاص دن دیئے جائیں گے اور ان میں پوری قوم یعنی چھوٹے بڑے کی تربیت پر چند باتیں ہوں گی۔ اور ہر جمعہ کا خطبہ الگ ہوگا۔ لیکن عام تربیت کے لئے نصاب اور اوقات مقرر کرنے ہوں گے، کہ جوانوں یا بوڑھوں کو مسجدوں میں کس وقت کتنی کتنی تربیت دی جائے۔ یہ سب ضرورتیں اور خاکے ہیں۔ اس سلسلہ میں مکمل ہدایات مرکزی حکومت کو جاری کرنا ہوں گی۔

### ۳۔ تیسرا مرحلہ — سپہگری کی تربیت

بے شک تنظیمی تربیت ایک جاری و ساری معاملہ ہے اور اس کو قائم رکھا جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی سپہگری کی تربیت بھی دینا ہوگا۔ اور ہم مرحلہ کے طور پر اس کو اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ تنظیمی تربیت کے بعد ہی سپہگری کی تربیت دی جاسکتی ہے۔ ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے۔ اور جہاد میں تب ہی شرکت ہو سکتی ہے کہ انسان کو فن سپہگری کی شدہ بدھ ہو۔ اس لئے پوری قوم کو فن سپہگری سیکھنا ہوگی۔ یہ تربیت بھی مسجدوں اور محلوں کے تحت ہوگی۔ اور اس کی بھی کم از کم دو قسمیں ہوں گی۔ ایک بنیادی سپہگری جس میں ایک آدھ ہتھیار اور بچاؤ کے طریقے یا اپنے علاقے اور محدود قسم کے دفاعی مسئلے سکھلائے جائیں گے، یہ سب لوگوں کے لئے لازم ہوگی۔ اور عورتوں کی کافی تعداد کو اس میں شریک ہونا ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کچھ عسکری ضروریات کی سپہگری ہوگی کہ قوم کے وہ افراد جو گھر کو چھوڑ سکتے ہوں ان کو اس عسکری تنظیم کا حصہ بھی بنانا ہوگا جس کا ذکر ہم چوتھے مرحلہ میں کریں گے۔ اس لئے ان لوگوں کو کچھ فالتو تربیت بھی دینا ہوگا کہ اپنے گھروں سے دور ہو کر وہ قوم کی دوسری عسکری ضرورتوں کو پورا کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔ یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ فن سپہگری سے نابلد قومیں مٹ جاتی ہیں یا ذلت کا شکار ہوتی ہیں اور دین فطرت نے تو پہلے ہی دن سے پوری قوم کو جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ ورنہ سے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات (اقبال)

### ۴۔ چوتھا مرحلہ یا ضرورت۔ قوم کی عسکری تنظیم

عام اور بنیادی سپہ گری سے بڑھ کر کچھ خاص قسم کی سپہ گری میں بھی عام سولین کام کر سکتے ہیں۔ اور سرکاری ملازمین جن کی تعداد بارہ لاکھ کے قریب ہے۔ ان کو اس قسم کی سپہ گری کی تربیت دینے کی سفارش پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ یہ کام آج کل جانناز فوج کے ذریعہ سے محدود طریقوں پر کیا جا رہا ہے، کہ ان کو کچھ ذمہ داریاں دی گئی ہیں یعنی دشمن کے ہوائی جہازوں کے خلاف کارروائی کرنا۔ یا ملک کے حفاظتی کاموں اور اندرونی دفاع میں حصہ لینا۔ یعنی دشمن کی چھاتہ بردار یا فضائی فوج کے خلاف کارروائی کرنا۔ ذرائع آمدورفت اور اہم مقامات کی حفاظت وغیرہ۔ جانناز افواج البتہ وزارتِ دفاع اور جنرل ہیڈ کوارٹر کے تحت مرکزی حکومت کا ایک حصہ ہیں۔ لیکن یہ کام صوبائی حکومتوں کو کرنا چاہیے۔ اور اب ایسی سولین عسکری تنظیمیں بہت زیادہ ہو جائیں گی کہ ہر تھانہ میں کم از کم ایک یا دو ٹالین رضا کار عسکری فوج ہوگی۔ بعض جگہ یہ نفری زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

تو ظاہر ہے کہ ہر تھانہ میں ایسی عسکری تنظیمیں رکھنا ہوں گی۔ جو گاؤں گاؤں اور محلہ محلہ میں لوگوں کو دونوں قسم کی سپہ گری کی تربیت دیں۔ اور خاص کر لوگوں کو عسکری تنظیموں میں جوڑ کر ایسی کمی ٹالین بنائیں جو اپنے علاقہ کا دفاع اور ضروریات بھی پوری کر سکیں اور کچھ ٹالینز دور دراز علاقوں یا محاذِ جنگ پر جا کر وہاں کی عسکری تنظیموں یا پیشہ ور افواج کی مدد کر سکیں۔

ان عسکری تنظیموں کی تربیت تو صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری میں ہونا چاہیے کہ لوگوں کا زیادہ واسطہ صوبائی حکومت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن ان فوجوں کا استعمال وزارتِ دفاع اور پیشہ ور افواج کے دفاعی فلسفہ کے تحت ضرورت کے مطابق اس طرح سے ہو، جس طرح آج کل ملکی دفاع میں جانناز فوج یا سکاؤٹس یا رینجرز وغیرہ کو ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ امید واثق ہے کہ یہ تنظیمیں پیشہ ور افواج سے کافی ذمہ داریاں لے لیں گی اور ملکی دفاع اور زیادہ مضبوط ہوگا۔ اور اس طرح جب ملک کے چپے چپے میں مردانِ خدا اللہ کے راستے

پر لڑنے کو تیار کھڑے ہوں گے تو یہ سماں ہوگا۔

سے صف جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر  
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز (اقبال)

### ۵۔ پانچواں مرحلہ یا ضرورت — پیشہ ورافواج اور سولین عسکری تنظیموں کا رابطہ

یہ سولین عسکری تنظیمیں ملک کے دفاع میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیں گی۔ اور پیشہ ورافواج کے لئے سیکھے ہوئے جوان جلدی میسر ہو جائیں گے جن کو صرف پیشہ ورافواج کی ترتیب میں باندھنا ہوگا۔ یعنی وہ بنیادی سپہ گری تو جانتے ہی ہوں گے اور خاص خاص پیشہ ور کاموں کی تربیت بھی جلد حاصل کر لیں گے۔ یہ عسکری تنظیمیں ویسے تو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہوں گی اور وزارتِ دفاع ان میں سے کچھ تنظیموں کو فضائی و بحری افواج کے ساتھ بھی منسک کر دے گی۔ جابناز فوج کے استعمال کے سلسلہ میں کچھ *STANDING ORDER FOR WAR* لکھے جا چکے ہیں۔ اول تو وہ مل جائیں گے۔ ورنہ اسی قسم کے اصولوں پر قوم کی عسکری تنظیموں کو لڑا کا یا بند و بستی بیڈ کو ارٹروں کے ساتھ ضرورت کے تحت اس طرح والبتہ کیا جائے گا کہ وہ ملکی دفاع میں بھرپور حصہ لے سکیں۔ بے شک یہ تفصیلی ہدایات ہوں گی جس میں اول سوالِ نفی، تنظیم اور معیار کا ہوگا، اور پھر ضرورت کے مطابق پیشہ ور افواج کی متعدد ذمہ داریاں ان لوگوں کو دینا ہوں گی اور پیشہ ور فوج کو خاص اور مشکل دفاعی کاموں کی ذمہ داری دی جائے گی۔

### ۶۔ چھٹا مرحلہ — پیشہ ورافواج کی تنظیم نو

تینوں پیشہ ورافواج کی تنظیم نو کرنا ہوگی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی تاریخ اور روایات کو مدن کرنا ہوگا۔ ہمارے رجمنٹل جھنڈوں پر قضا العارہ، مہرنگاپٹیم، دہلی، کابل اور قندھار کے نام و نشان ہیں۔ ان باتوں کو بھول جانا ہوگا۔ یہ فخر کی باتیں مہنیں یہ غلامی کے زمانے کی یادگار ہیں۔ ہمیں تو حضور پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے

کے کارناموں پر فخر کرنا سیکھنا ہوگا۔ بہر حال بڑی افواج کی تنظیم نو کے سلسلہ میں تو کچھ خاکہ یا اصول وضع کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن بکری اور فضائی فوج کے سلسلہ میں ہماری سمجھ محدود ہے۔ یہ کام ہم ان کے ذہن پر چھوڑیں گے۔ کہ وہ صاحبان بنیادی باتوں کو یاد رکھیں۔

البتہ بڑی فوج کی بنیاد ان ہتھیاروں پر ہونا ہوگی جو ملک میں موجود ہیں اور حاصل ہو سکیں۔ وہ بھاری ہتھیار اور گولہ بارود جو ہمارے پاس باہر کے ملکوں سے آیا ہوا ہے یا آتا ہے۔ اس کو العام خداوندی ضرور سمجھا جائے کہ شاید اور بھی ملتا رہے گا۔ لیکن ایسے سامان کو استعمال کرنے میں سخت کفایت کی ضرورت ہوگی۔ اس کے علاوہ سولین عسکری تنظیموں سے ہمیں کافی پیدل فوج مل جائے گی۔ اس لئے موجودہ پیدل فوج میں سے کافی تعداد کو "کمانڈو" یا "شبحوزنی مجاہد" یا کفن پوش مجاہدین میں تبدیل کرنا ہوگا۔ خاص کاموں کو جاننے والے سولین کو ڈرائیور، گاڑیاں ٹھیک کرنے کے کام اور ڈرائیورس کے کاموں میں پہلے سے ہی ریزرو بنا دیا جائے گا تاکہ بوقت ضرورت فوج کے خاص محکموں یعنی رسالہ، توپخانہ سگنل یا ایم ٹی وغیرہ کے لئے بھی ریزرو لوگ موجود ہوں۔ اس طرح کچھ رجمنٹ "وقتی" ہو سکتی ہیں جن کو محدود سٹاف امن کے زمانے میں "قائم" رکھے گا۔ اور جنگ میں ریزرو کی مدد سے ان کی نفی پوری ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں امن کے زمانے میں بہت زیادہ افسروں کو تربیت دی جائے تاکہ جنگ میں جب افواج میں وسعت یا پھیلاؤ ہو تو افسر موجود ہوں کہ چند دن یا چند ماہ کی تربیت سے افسر نہیں بن سکتے اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ افواج کو مکمل مذہبی تربیت دینا ہوگی کہ فی الحال یا کچھلے کئی سالوں سے یہ حالت رہی ہے :-

سے میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے  
قل ہوا اللہ کی شمیر سے خالی ہیں نیام (اقبال؟)

۷. ساتواں مرحلہ یا ضرورت۔ حکمت عملی اور تدبیرات میں تبدیلی

افواج کی تنظیم نو، سامان جنگ کا جائزہ، دفاعی ٹیکنالوجی کے معیار اور سولین

سر عسکری تنظیموں کی پیشہ ورا افواج سے رابطے کے بعد ہمیں اپنی حکمت عملی اور تدبیرات دونوں میں کافی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔ ہماری افواج کو صرف لڑائی (BATTLE) لڑنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اور ہم فائر بندی تک چند دن لڑائی جاری رکھ سکتے ہیں۔ ہماری آنے والی جنگیں بڑی بھیانک ہوں گی اور چند دن کی بات نہ ہوگی۔ اس لئے ہمیں اپنی سرحدوں کے "دفاعی علاقے" ان ترجیحات پر بنانے ہوں گے کہ کہاں پر زیادہ پیشہ ورا افواج کی ضرورت ہوگی، اور کن مقامات پر تھوڑی پیشہ ورا فوج اور سولین عسکری تنظیمیں دفاع کریں گی۔ جارحانہ اقدام کی بھی کمی سطحیں یا مرحلے بنانا پڑیں گے۔ محدود جارحانہ اقدام۔ اور ان کو کون کہاں تک کرے گا۔ بھرپور جارحانہ اقدام۔ جو صرف پیشہ ورا افواج ہی کر سکتی ہیں۔ اور یہ کام تب ہوگا کہ فتح نزدیک آچکی ہے۔ شروع شروع میں جارحانہ اور متحرک دفاع سے دشمن کو روکا جائے گا۔ اور جوابی طور پر محدود جارحانہ اقدام کئے جائیں گے۔

جارحانہ اقدام کے طریق کار میں بھی تبدیلی لانا ہوگی کہ شروع کے مرحلوں میں سنجوئی میاہدوں کو دشمن کے اندر گھس جانے کی کارروائی ہوگی اور جو کامیا بیاں وہ حاصل کریں گے، ان کے ثمرات حاصل کرنے کے لئے۔ پورے دفاعی "ادارے" کو آگے رینگنا ہوگا۔

(I. E THE DEFENCE POSTURE WILL HAVE TO ROLL

FORWARD) بہر حال اس سلسلہ میں تفصیلی باتیں اس مسودے میں نہیں لکھی جاسکتیں کہ فائر پاور یا متحرک طاقتوں کو کس طرح شیروٹ کر کے ایک رولر کی طرح آگے رینگنا ہوگا۔ اسی طرح تدبیرات میں بہت تبدیلیاں لانا ہوں گی اور اتنے زیادہ چھوٹے چھوٹے دستوں کو دشمن کے اندر گھس کر کارروائی کرنا ہوگی، جس کا بیان وسیع تر ہے۔ اصول یہ ہوگا کہ ان میں زیادہ تر "کفن پوش" ہوں گے۔ کم از کم ذہنی طور پر۔ اور دور دور کے علاقوں میں چھوٹے دستے یہ کام کریں گے اور اپنی نزدیک والی فوجوں سے رابطے کے بغیر کام کریں گے۔ لیکن نزدیک دشمن کے لئے بڑے دستوں کو ایسا کام اپنے نزدیک والے دفاعی دستوں کے ساتھ رابطہ باندھ کر ایسا کرنا ہوگا تاکہ اپنے دفاعی دستے آگے بڑھ سکیں۔ ظاہر ہے کہ بیکتر بند گاڑیوں تو پختانہ اور ہوائی جہازوں کا کم سے کم استعمال ہوگا۔ اور شروع شروع میں وہ صرف محدود جوابی



کاروائیوں میں کام کریں گے۔ بہر حال یہ اشارے ہیں اور حضور پاکؐ اور ان کے رفقاء کی جنگوں کے مطالعہ سے اس گنہگار پر یہ طریق کار "وارد" ہوئے ہیں جن کے "عملی" ہونے کی بات زیر بحث آسکتی ہے کہ یہ حرف آخر نہیں اور ان کی تفصیل بعد میں دی جائے گی۔

لیکن اول ضرورت فلسفہ حیات پر عمل کی ہے۔ جب تک ہم خود اپنے علاقہ میں اسلامی فلسفہ حیات کو نہیں اپناتے تو آگے فتح کئے ہوئے علاقے لوگوں کو دینے کے لئے ہمارے پاس کون سی چیز ہے؟

مغربی جمہوریت اور آزادی! (نعوذ باللہ) یہ تو پہلے ہی ان لوگوں کے پاس موجود ہے۔ مسلمان تو ملک فتح نہیں کرتے۔ وہ تو لوگوں کے دل فتح کرتے ہیں اور ایسا تپ ہو سکتا ہے کہ وہ خود مسلمان ہوں اور وہاں سے باطل کو مٹانا ہوگا۔

سے شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو

خوفِ باطل کیا، کہ ہے غارتِ گر باطل بھی تو (اقبالؒ)

### خلاصہ

یہ نظام جہاد کی چیدہ چیدہ باتیں ہیں۔ اعلان کرنے سے یا فتوے دینے سے جہاد کی ضرورتیں اور تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ یہ ایک طرز زندگی اور اس کو ربط و ضبط سے جاری و ساری کرنا ہوگا۔ یہ ایک کھٹن کام ہے۔ یہاں مادیت سے مکمل طور پر توبہ کرنا ہوگی۔ اور کچھلے اڑتیس سالوں میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر اپنے آپ کو ملامت کرنا ہوگی۔ اور دین شاہی بازی اختیار کرنا ہوگا۔

سے شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے

سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

بہت مدت کے پنچیروں کا اندازِ ننگہ بدلا

کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہی بازی کا

(اقبالؒ)

## گیارہواں باب

## تیسری اور چوتھی کتاب کے مشہور واقعات کا خلاصہ

اس سلسلہ کی کتابوں کی دوسری کتاب میں، پہلی اور دوسری کتاب میں بیان شدہ واقعات کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا کہ وہاں پر کچھ واقعات ایسے تھے جن کی تاریخوں میں کسی قدر اختلافات تھے اور ہم نے جائزہ لے کر جس تاریخ کا تعین کیا، اُس وحسبے ضروری تھا کہ ایک خلاصہ بھی پیش کیا جاتا۔ تیسری اور چوتھی کتاب کے واقعات کی تاریخوں میں زیادہ اختلافات نہیں کہ اُس وقت سن ہجری کا تعین ہو چکا تھا اور اختلافات طرز بیان اور سوچ کے سطحی ہونے کی وجہ سے بہت معمولی قسم کے ہیں۔ بہر حال کتابوں کے سلسلہ میں مشابہت پیدا کرنے کے لئے ہم چند اہم واقعات کا تاریخ وار خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

سن عیسوی	سن ہجری	واقعات
دسمبر ۶۳۹ عیسوی	ذوالحجہ ۱۸ ہجری	۱۔ جناب عمرو بن عاص کا مصر کی سرحد میں داخلہ۔
جنوری ۶۴۰ عیسوی	محرم ۱۹ ہجری	۲۔ مصر کے شہر فرما پر مسلمانوں کا قبضہ۔
مئی ۶۴۰ عیسوی	جمادی الاول ۱۹ ہجری	۳۔ جناب زبیر بن عوام کا ملک کے ساتھ مصر پہنچنا۔
آخر ۶۴۰ عیسوی	آخر ۱۹ ہجری	۴۔ باب الیون کا محاصرہ۔
۱۱ فروری ۶۴۱ عیسوی	صفر ۲۰ ہجری	۵۔ شہنشاہ روم ہرقل کی وفات۔
مارچ ۶۴۱ عیسوی	ربیع الاول ۲۰ ہجری	۶۔ باب الیون اور مرکزی مصری علاقوں پر قبضہ۔
جون ۶۴۱ عیسوی	رجب ۲۰ ہجری	۷۔ مسلمانوں کی سکندریہ کی طرف پیش قدمی اور رومیوں کی پسپائی
۶۴۱-۶۴۲ عیسوی	۲۰-۲۱ ہجری	۸۔ مسلمانوں کا سکندریہ کا محاصرہ اور قبضہ

سن عیسوی	سن ہجری	واقعات
۶۲۳-۶۲۳ عیسوی	۲۲-۲۳ ہجری	۹۔ جناب عمرو بن عاص کی طرابلس کی طرف پیش قدمی اور قبضہ۔
نومبر ۶۲۳ عیسوی	محرم ۲۳ ہجری	۱۰۔ حضرت فاروق اعظم رضی کی شہادت اور حضرت عثمان غنی رضی کی خلافت۔
۶۲۵ عیسوی	موسم خزاں ۲۳ ہجری	۱۱۔ رومیوں کا سکندریہ پر دوبارہ قبضہ۔
۶۲۶ عیسوی	۲۵۔ ہجری	۱۲۔ جناب عمرو بن عاص کی سکندریہ کی طرف پیش قدمی۔ نکیوس کی جنگ، سکندریہ پر دوبارہ قبضہ وغیرہ۔
۶۲۶-۶۲۷ عیسوی	۲۵-۲۶ ہجری	۱۳۔ جناب ولید بن عقبہ کا آذربائیجان میں جہاد شامی اور عراقی فوجوں کا ملاپ۔ آرمینیا کی طرف پیش قدمی وغیرہ۔
۶۲۷-۶۲۸ عیسوی	۲۶-۲۷ ہجری	۱۴۔ جناب امیر معاویہ کی انطاکیہ سے آگے ساحلی علاقوں طرطوس وغیرہ کی طرف پیش قدمی۔
۶۲۸ عیسوی	۲۷۔ ہجری	۱۵۔ جناب عبداللہ بن ابی سرح کی شمالی افریقہ کی طرف پیش قدمی اور جنگی کاروائیاں
۶۲۹ عیسوی	۲۸ ہجری	۱۶۔ سبطیلہ کی فتح
۶۲۹-۶۵۰ عیسوی	۲۸-۲۹ ہجری	۱۷۔ جناب امیر معاویہ کا سمندر کے راستے قبرص پر حملہ۔
۶۲۹-۶۵۰ عیسوی	۲۸-۲۹ ہجری	۱۸۔ جناب عبداللہ بن عامر کا بصرہ میں تقرر اور جہاد کے لئے روانگی
۶۵۰-۶۵۱ عیسوی	۲۹-۳۰ ہجری	۱۹۔ جناب سعید بن عاص گورنر کوفہ کا

## واقعات

سن عیسوی

سن ہجری

سن عیسوی	سن ہجری	واقعات
		طبرستان اور جرجان کی طرف جہاد کے لئے کوچ
۶۵۱ عیسوی	۳۰-۳۱ ہجری	۲۰۔ جناب عبداللہ بن عامر کا فارس میں بغاوت کا قلع قمع کرنا اور خراسان کی طرف جہاد کے لئے روانگی۔
۶۵۱ عیسوی	۳۱ ہجری	۲۱۔ مسلمانوں کی مصر کے ساحل کے نزدیک پہلی بحری جنگ (عبداللہ بن ابی سرح)
۶۵۱ عیسوی	۳۱-۳۲ ہجری	۲۲۔ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبرص پر دوسرا حملہ اور قبضہ۔
۶۵۱-۶۵۲ عیسوی	۳۰-۳۲ ہجری	۲۳۔ ایران کے محاذ پر مزید فتوحات۔ نیناپور سے۔ بلخ پر دوبارہ قبضہ اور کابل و غزنی کی فتوحات۔
۶۵۲-۶۵۳ عیسوی	۳۱-۳۲ ہجری	۲۴۔ قرآن پاک کی اشاعت
		۲۵۔ مسلمانوں کی دوسری بحری جنگ فناکس کے علاقہ میں (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)۔
۶۵۲-۶۵۵ عیسوی	۳۳ ہجری	۲۶۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت۔
		۲۷۔ جنگ جمل
دسمبر ۶۵۶ عیسوی	۳۶ ہجری	۲۸۔ جنگ صفین
مئی-جولائی ۶۵۷ عیسوی	۳۶-۳۷ ہجری	۲۹۔ جنگ نہروان
۶۵۸ عیسوی	۳۷-۳۸ ہجری	۳۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت
جنوری ۶۶۱ عیسوی	۳۰ رمضان ہجری	

سن عیسوی	سن ہجری	واقعات
جولائی ۶۶۱ عیسوی	صفر ۴۱ ہجری	۳۱۔ امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اور امیر معاویہؓ کی خلافت
۶۶۳ عیسوی	۴۳ ہجری	۳۲۔ جناب عمرو بن عاص کی وفات
۶۷۰ عیسوی	۴۹-۵۰ ہجری	۳۳۔ جناب مغیرہ بن شعبہ کی وفات
عیسوی ۶۶۹-۶۷۰ عیسوی	۴۷ یا ۴۹ ہجری سے	۳۴۔ قسطنطنیہ پر حملہ
	۵۲ یا ۵۷ ہجری تک	
	(سات سال)	
۶۷۲ عیسوی	۵۱ ہجری	۳۵۔ امام حسنؓ کی وفات
۶۷۰ عیسوی	۴۹ ہجری	۳۶۔ جزیرہ رودس پر مکمل قبضہ
۶۷۰-۶۸۰ عیسوی	۴۹ سے ۵۹ ہجری	۳۷۔ جناب عقبہ بن نافع اور دینار کی بحیرہ اوقیانوس تک مہمات۔
۶۷۳ عیسوی	۵۳ ہجری	۳۸۔ بخارا اور وسط ایشیا پر قبضہ
۶۷۷-۶۷۸ عیسوی	۵۶-۵۷ ہجری	۳۹۔ غزنی اور کابل پر دوبارہ قبضہ بنوں، قندھار اور مکران کے مزید علاقوں کی فتوحات
۶۸۰ عیسوی	۶۰ ہجری	۴۰۔ امیر معاویہؓ کی وفات
۶۸۱ عیسوی	محرم ۶۱ ہجری	۴۱۔ سانحہ کربلا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خلفائے راشدین کی جنگِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ

(کتاب چہارم)

وسط ایشیا سے بحیرہ اوقیانوس تک فتوحات

اشاریہ

(الف)

ابرهہ بن الصبیح (خانہ کعبہ پر حملہ) :- ص ۱۰۶

ابن اثیر (مورخ) :- ص ۱۶، ۲۵، ۷۳

آبنائے فاسفورس :- ص ۲، ۱۵۴

ابن اسحاق (مورخ) :- ص ۲۵، ۲۷۸

ابن حنظل (ابن ملجم کے ساتھی شیب کو

پکڑنا) :- ص ۱۳۳

ابن ام کلثوم (نابینا صحابی) مدینہ شریف

میں حضور پاک کی نیابت :- ص ۲۷۳

ابن خلدون (مورخ) :- ص ۶، ۱۹، ۳۲

۱۲۵، ۱۲۹، ۱۵۹، ۱۷۲، ۲۳۰، ۲۸۷

ابن شہاب (محمد بن شہاب) امام زہری

اسلام کے عظیم فقیہ اور مورخ :- ص ۶۶

ابن عربی (شیخ اکبر محی الدین) اسلام کے

ابان بن عثمان رضی (خلیفہ سوم) اسلام  
کے اولین مورخ اور المغازی کے مصنف

ص ۳۳، ۶۴

ابراہیم (حضرت ابراہیم پیغمبر) :- ص ۶

۲۷۲، ۱۶۷، ۲۵

ابراہیم رضی (حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ

کے فرزند) :- ص ۲۳۰

ابراہیم عباسی (خلیفہ سفاح کا بڑا بھائی)

ص ۲۳

ابراہیم بن عبداللہ (حجاج) - خارجی حضرت

امیر معاویہ رضی کی شہادت کا قصد اور حملہ :-

ص ۱۲۸، ۱۳۳

ابوذر غفاری رضی (عاشق رسول) :- ص ۱۱،

۲۲۸

ابوسعید خدری رضی (انصار محدث صحابی)

ص ۱۹، ۲۰، ۲۵، ۱۸۸

ابوسعید بن عقیل رضی بن ابی طالب رضی :- ص ۸،

۱۷۴

ابوسفیان رضی بن حرب (امیر معاویہ کے والد)

ص ۲۳، ۶۶، ۶۷، ۸۹، ۱۵۳، ۱۷۵

۲۷۸

ابوطالب رضی بن عبدالمطلب رضی (حصنور پاک کے

عظیم چچا اور جناب علی رضی کے والد) :-

ص ۲۳ تا ۲۶، ۱۷۳

ابوطیفیل رضی (راوی) :- ص ۱۲۷

ابوعبید ثقفی رضی (سالار شکر اور شہادت) :-

ص ۸۰، ۱۸۵، ۲۷۸

ابوعبیدہ بن جراح رضی (امین الامت) :- ص ۳۶

۱۲۳، ۱۶۵

ابوعبیدہ بن راشد رضی (جنگِ جمل میں شہادت)

ص ۶۱

ابولیلی رضی (ابوعبیدہ کے بھتیجے اور جناب علی رضی

کے ساتھی) :- ص ۳۶

ابوموسیٰ اشعری رضی (عظیم صحابی، بصرہ و کوفہ

کی گورنری اور منصف) :- ص ۳۲، ۳۳

عظیم روحانی فلاسفر :- ص ۲۲۷، ۲۳۰،

۲۳۳، ۲۳۸، ۲۸۱

ابی الاسود دؤلی رضی (جناب علی رضی کے ایک امیر

ص ۴۵، ۱۱۴)

ابوالاعور سلمی رضی (امیر معاویہ کے ایک امیر)

ص ۸۰ تا ۸۲، ۸۸، ۱۰۳

ابوالکلام آزاد (کانگریسی مولوی) :- ص ۱۸۵

ابوالحر با بصرہ کے لشکر کے دستہ کا امیر)

ص ۵۷

ابوالہثیم بن الیہان رضی (جناب علی کے ہم مدد)

ص ۳۶

ابوایوب انصاری رضی (میزبان رسول) قسطنطنیہ

میں دفن :- ص ۳، ۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۹

۱۵۷، ۱۵۷

ابوبکر صدیق رضی (صدیق اکبر رضی) یارِ غار خلیفہ

اول :- ص ۱۳، ۲۰، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۹

۱۵۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۰۳، ۲۷۴، ۲۸۱

ابوبکر بن امام حسن رضی :- ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۷۳

۱۷۴

ابوبکر بن علی المرتضیٰ رضی :- ص ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۴

ابوبکرہ رضی (زیاد بن سمیہ کے بڑے بھائی) :-

ص ۱۳۹، ۱۵۰

ابوجہل (عمرو بن ہشام) عدو اللہ :- ص ۲۰۱

۳۰۰، ۲۱۷

آرمینیا (علاقہ) : ص ۱۵۳، ۳۰۰

ازد (بنو) قبیلہ : ص ۵۷، ۵۷

اساجہ بن زید رضی اللہ عنہما (حصنور پاک کے

منظور نظر) : ص ۱۹، ۳۰، ۳۷، ۱۱۸،

۲۷۳

اسد (بنو) قبیلہ : ص ۵۰، ۱۹۲، ۱۹۳

آسٹریا (ملک) : ص ۱۶۳، ۲۶۰

اسمعیل (حضرت اسمعیل پیغمبر) : ص ۶

اسماء بنت عمیس (زوجہ جعفر طیار رضی اللہ عنہما جناب

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عقد ثانی اور جناب علی رضی اللہ عنہ سے

عقد ثلاثہ) : ص ۱۷۲

اسود بن ابوالبحری (جنگ جمل میں شہادت)

ص ۶۱

اشتر نخعی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اختلاف اور

بعد میں جناب علی رضی اللہ عنہ کے امراء میں سے ایک)

ص ۱۳، ۱۸، ۲۳، ۲۹، ۳۹، ۵۱، ۵۲،

۵۵، ۷۳، ۷۸، ۸۱، ۸۸، ۹۰، ۹۲

۹۶، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۲۰، ۱۳۸

اشعث بن قیس (پہلے مرتد ہوتا پھر توبہ، جہاد

میں بھر پور شرکت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی

لیکن شکوہ کردار) : ص ۷۸، ۸۱، ۹۹، ۱۰۱

۱۰۳، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۹، ۱۹۰

۳۸ تا ۵۱، ۱۰۰ تا ۱۰۲، ۱۰۶ تا ۱۰۸، ۱۱۱

ابوسعود انصاری (کوفہ میں جناب علی رضی اللہ عنہ

کی نیابت) : ص ۷۹

ابو ہریرہ (عظیم محدث صحابی) : ص ۱۲۳

اجنادین (مقام اور جنگ) : ص ۲۶۵، ۲۶۹

احسان الحق ڈار مرحوم، میجر جنرل (راقم کا

رفیق خاص اور افواج پاکستان میں اہم

کردگی) : ص ۱۱

احد (جنگ) : ص ۹۲، ۹۳، ۹۸، ۱۶۵

۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۳

احمد حسن اللہ آبادی (ابن خلدون کا مترجم)

ص ۹۵، ۱۰۷

احمر رضی اللہ عنہ (جناب علی رضی اللہ عنہ کے خادم) : ص ۸۹

احنف یا احناف بن قیس (غیر جانبداری اور

بعد میں جناب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی) : ص ۴۱،

۳۵، ۵۶، ۵۸، ۷۰، ۱۰۰، ۱۰۱

آڈرینوپل کا جزیرہ نما (یورپین ترکی کا حصہ)

ص ۱۵۳

آذر (حضرت ابراہیم پیغمبر کے والد) : ص ۲۵

ص ۲۵

اذرح (دومنتہ الجندل کے نزدیک مقام

اور منصفین کا اجتماع) : ص ۱۰۵، ۱۱۱

آذربائیجان (علاقہ) : ص ۷۸، ۸۶



ام البنین رضی اللہ عنہا زوجہ جناب علی رضی اللہ عنہ (عباس علمبردار  
جعفر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ کی والدہ) :-

ص ۱۷۱، ۱۸۵

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین) جناب معاویہ کی

عظیم بہن :- ص ۱۰۶

امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ زوجہ

جناب علی رضی اللہ عنہ :- ص ۱۷۲

امریکہ (ملک) :- ص ۲۳۳

ام کاتھوم بنت عبداللہ بن عامر زوجہ زید

ص ۱۵۶، ۱۹۳

ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا (حضور پاک کی

منہ بولی اور پیاری بہن) :- ص ۱۲۹، ۱۵۰

امیر تیمور (مشہور فاتح) :- ص ۲، ۱۶۲

امیہ (بنو) :- ص ۱۳، ۲۰، ۲۳، ۲۴

۳۲، ۶۰، ۶۳ تا ۶۶، ۸۳، ۸۷، ۱۳۶

۱۳۸، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۶۹، ۱۷۵، ۲۲۲

اناطولیا (علاقہ) یعنی ایشیا کوچک بھی :-

ص ۱۵۳ تا ۱۵۵، ۱۵۷

انبار (مقام) :- ص ۱۲۳

انڈونیشیا (ملک) :- ص ۳، ۱۶۳

انس بن مالک (عظیم محدث صحابی) :- ص ۱۲۳

۱۸۸

انطاکیہ (مقام اور علاقہ) :- ص ۱۵۵، ۳۰۰

اشعرین (اشعری قبیلہ) :- ص ۵۱

اصحاب بدر :- ص ۸۰

اعظم؟ جناب نعمان؟ (حنفی مکتب فکر کے بانی)

ص ۶۶، ۱۰۳، ۱۳۲

آغاخان مرحوم (موجودہ آغاخان کے دادا کی

مسلمانوں کو نصیحت) :- ص ۶۵، ۲۸۷

آغاخان (موجودہ) شہزادہ کریم :- ص ۶۵

آغادیر (مقام) جہاں جناب عقیہ نے بحیرہ

اوقیانوس میں گھوڑا ڈال دیا :- ص ۱۶۱

افریقہ (خاص کر شمالی) :- ص ۱۳، ۱۵۲

۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۳۰۰

افغانستان (ملک) :- ص ۱۶۱، ۱۶۲

اقبال؟ (حکیم الامت) :- ص ۳، ۶۱، ۷۰

۸۷، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۶۱ تا ۱۶۳، ۱۶۵

۱۷۷، ۱۹۷ تا ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۵

۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۲۲

تا ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۳

۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۵۷

۲۷۰، ۲۸۷، ۲۸۵، ۲۸۱، ۲۷۶، ۲۷۳

تا ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸

الصفیٰ (سورۃ) :- ص ۶، ۱۷۷

ام اسحاق بنت طلحہ رضی اللہ عنہا (زوجہ امام حسن رضی اللہ عنہ) :-

ص ۵۳

انمار قبیلہ :- ص ۵۱

انور پاشا (غازی) حضور پاک کے نام مبارک پر سے ہزاروں سلطنتوں کو قربان کرنے والے

ص ۹

انگورہ (موجودہ انقرہ) :- ص ۱۵۵، ۱۶۲

اواگون (ہندو فلسفہ حیات) :- ص ۲۲۰

۲۳۵

اوجار پہاڑ (بنو طے کا علاقہ) :- ص ۱۸۰

اولیں قرنی رض (خواجہ) ، حضور پاک کے

"دیدار خاص" کی عطا۔ عاشق رسول :-

ص ۹۷، ۹۸

اورنگزیب عالمگیر (اسلام کے عظیم فرزند

ص ۱۳۸

ایشیا (بر اعظم) :- ص ۱۵۳، ۱۵۴

۱۶۳، ۱۹۵، ۲۷۹، ۳۰۲

ایران (ملک) :- ص ۱۲۳، ۱۶۱، ۱۷۸، ۲۵۱

۲۵۳، ۲۶۳، ۲۷۱، ۲۷۹، ۳۰۱

ایبہ (عقابہ) مقام :- ص ۳۱

(ب)

بابر (ظہیر الدین) مغل بادشاہ :- ص ۱۶۲

باب ایون (مصر کا قلعہ) :- ص ۲۹۹

باقر (امام محمد باقر بن زین العابدین)

ص ۶۶، ۱۳۲، ۱۹۱

بایزید پیرم (سلطنت عثمانیہ کا عظیم

اور بد قسمت بادشاہ) :- ص ۱۶۲

بجستان (علاقہ) :- ص ۷۱

بجیلہ (قبیلہ) :- ص ۵۱

بحیرہ اوقیانوس :- ص ۱۵۷، ۱۶۰

۱۹۵، ۲۱۵، ۲۲۸، ۳۰۲

بخارا (وسط ایشیا کا شہر) :- ص ۱۶۱

۱۶۲، ۳۰۲

بخاری (امام محمد بخاری) :- ص ۱۰۵، ۱۶۲

بدر (مقام اور جنگ) :- ص ۶، ۹۲، ۹۳

۱۶۵، ۲۵۲، ۲۶۵، ۲۷۵، ۲۷۸

۲۸۳

براڈے (عمر براڈے) دوسری جنگ عظیم کا

امریکن جنرل اور مصنف :- ص ۲۸۳

بربر (قوم) شمالی افریقہ :- ص ۱۵۹

برقہ (شمالی افریقہ کا شہر) :- ص ۱۵۲

برما (ملک) :- ص ۱۰

برمکی :- سلطنت عباسیہ کے مشیر :- ص ۱۳۸

بروسہ (ترکی کا شہر) :- ص ۹

برٹین بن حصینہ (سائخہ کر بلا میں شہادت

ص ۱۹۲

بزوخا (جنگ اور مقام) :- ص ۱۶۵

بسیرین (ارطا ر قسطنطنیہ کی مہم کے سالار)

ص ۱۱

بھارت (ملک) :- ص ۱۶۳، ۲۰۷

بھٹ شاہ (سندھ کے صوفی) :- ص ۲۸۹

بیر معونہ (حضور پاکؐ کے زمانہ میں عظیم قربانی

کا مقام) :- ص ۱۶۵، ۱۶۷

بیعت رضوان (صلح حدیبیہ کا پیش خیمہ) :-

ص ۸۰

بیعت عقبہ ثانی (انصار مدینہ کی بیعت

اور اسلام کی تاریخ کا سنگ میل) :-

ص :- ۲۶، ۷۳

(پ)

پاکستان :- ص ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۱۵، ۲۲۸

۲۵۴

پشاور (شہر) :- ص ۱۶۲

پنجاب (صوبہ) :- ص ۲۸۹

پولینڈ (ملک) :- ص ۱۶۳

(ت)

تاتاری (منگولوں کا مسلمان قبیلہ) :- ص ۲

تاریخ - حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام -

(آذر بھی دیکھیں) :- ص ۲۵

تبوک (حضور پاکؐ کی مہم) :- ص ۲۲، ۳۱

۲۱۳، ۲۷۴

تخیلہ (مقام) :- ص ۸۰

ص ۵۷

بشیر بن محسن (انصار صحابی) جناب علیؑ کے

ایلیچی :- ص ۸۳

بشیر بن عمر حضرمی (ساختہ کر بلا میں شہادت)

ص ۱۹۲

بصرہ (صوبائی دارالحکومت) :- ص ۳۲، ۱۵

۳۳، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۱ تا ۴۷، ۴۹، ۵۰

۵۲ تا ۵۴، ۵۶، ۵۸ تا ۶۴، ۶۶، ۶۷، ۶۸

۶۹ تا ۷۱، ۷۹، ۸۲، ۸۷، ۸۸، ۱۰۸، ۱۱۲

۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۶

۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۹، ۲۵۹، ۳۰۰

بغداد (سقوط یا اشارہ) :- ص ۲۳، ۳

۷۰، ۱۲۳، ۱۸۷

بکر (بنو) قبیلہ :- ص ۵۷

بلخ (شہر) :- ص ۳۰۱

بلقان (جزیرہ نما) علاقہ :- ص ۲، ۱۵۴

۱۵۷

بلوچستان (علاقہ) :- ص ۱۶۱، ۲۸۹

بلغاریہ (ملک) :- ص ۱۶۳

بنگال اور بنگلہ دیش :- ص ۳، ۱۶۳

بوز (شہر) :- ص ۳، ۱۶۳، ۳۰۲

بویب (جنگ) :- ص ۲۷۹

بہادر شاہ ظفر (دہلی کا آخری مغل بادشاہ)

تغلب (بنو قبیلہ) :- ص ۵۱

تلمین (شمالی افریقہ کا شہر) :- ص ۱۶۰

تمیم (بنو قبیلہ) :- ص ۵۰، ۵۷، ۸۳

۱۹۰، ۱۲۸، ۹۶

تنجیر (شمالی افریقہ کا مقام) :- ص ۱۶۰

توبہ (قرآن پاک کی سورۃ) :- ص ۲۱۳

(ط)

ٹاؤنسڈ اپہلی جنگِ عظیم کا انگریز جنرل

قطا العمارہ کے محاصرہ میں) :- ص ۱۱

ٹھووال (کشمیر ۱۹۴۸ء محاذِ جنگ) :- ص ۱۱

ٹیپو سلطان (عظیم مجاہد) :- ص ۱۸۷

ٹیکسلا (پرانہ تہذیب) :- ص ۲۰۷

ٹونس (ملک) :- ص ۱۵۸

(ج)

جابر بن حارث (ساختہ کر بلا کے شہید) :-

ص ۱۹۲

جابر بن عبد اللہ (انصار صحابی) :- ص ۱۸۸

جانبہ (چھاؤنی) :- ص ۲۵۹

جارجیا (علاقہ) :- ص ۱۵۳

جبرائیلؑ (حضرت جبرائیلؑ فرشتہ) :- ص ۱۳۰

جبریہ (مکتب فکر) :- ص ۱۰۳

جیلہ بن مسروق (محمدؐ بن ابوبکرؓ کی پناہ) :-

ص ۱۲۲

حیرجان (علاقہ) :- ص ۳۰۱

حیرمنی (ملک) :- ص ۲۶۰، ۲۷۰

حیر بن عبد اللہ بجلیلہ (صحابی جناب علیؑ کے

ایچی۔ بعد میں امیر معاویہؓ کے ساتھی :- ص ۷۸

۱۱۹، ۸۶

حیزیرہ (علاقہ) :- ص ۱۲۰، ۱۳۸

جعده بن ہبیرہ (جناب علیؑ کے بھانجے) :-

ص ۱۲۹

حسبہ (جنگ) :- ص ۲۷۸، ۲۷۹

جعفر بن علی المرتضیٰؑ :- ص ۱۷۱

جعفر بن عقیلؑ بن ابی طالبؑ :- ص ۱۷۳

جعفر صادقؑ (امام جعفر بن امام باقرؑ)

ص ۱۰۳، ۶۶

جعفر طیار بن ابوطالبؑ :- ص ۱۶۵، ۱۷۳، ۱۸۸

جلال الدین خوارزمیؑ (اسلام کے عظیم فرزند)

ص ۱۶۲

جمانہ بنت مسیب زوجہ عبد اللہ بن جعفر طیارؑ

ص ۱۷۳

جمال الدین افغانیؑ (انیسویں صدی کے

عظیم مسلمان مفکر) :- ص ۱۹۷

جبل (جنگ) :- ص ۳۸، ۵۹، ۶۳، ۶۴

۶۷، ۶۹، ۷۳، ۷۵، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۰۹

۱۳۱، ۱۳۹، ۳۰۱

حجاج بن عرفہ انصاری (مصر کی خبر) :

ص ۱۲۲

حجاز (علاقہ) :- ص ۶۳، ۶۹، ۷۲، ۷۳

حجاز بن الحجر (امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی

دعوت) :- ص ۱۸۹

حجر بن عدی (جناب علیؑ کے ساتھی) :-

حجر بیدعی کنزی (معاہدہ پر دستخط) :-

ص ۱۰۳

حدیبیہ (صلح) :- ص ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۰۸

حدید (قرآن پاک کی سورۃ) :- ص ۲۸۵

حر بن یزید تمیمی (دونوں جہان حاصل کر

لیئے) :- ص ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۹۰، ۱۹۲

حروراء - حروریہ (مقام اور خارجیوں کا

گروہ) :- ص ۱۰۲، ۱۰۳

حرث بن مرہ العبیدی (خارجیوں نے شہید

کیا) :- ص ۱۱۵

حرقوس (خارجی) :- ص ۱۱۱، ۱۱۶

حرقوص بن زہیر خارجی :- ص ۵۱

حریث بن راشد (بصرہ کے لشکری) :-

ص ۵۷

حسان بن ثابت (اسلام کے شاعر) :-

ص ۱۹

حسن (امام حسنؑ بن علی المرتضیٰؑ) :- ص ۱،

جناب بن عبد اللہ (امام حسنؑ کی بیعت

کے بارے پر کشش) :- ص ۱۳۰

جنید بغدادی (عظیم صوفی) :- ص ۱۳۸

جہمیہ (مکتب فکر) :- ص

جیحوں (دریا) :- ص ۱۶۱

(ج)

چراغ علی (نظام حیدرآباد کا اعظم یار جنگ

کا خطاب لیکن بہتر خطاب "فرار جنگ" تھا

ص ۲۱۲

چشتیہ (صوفیاء کا سلسلہ) :- ص ۶۵

چشمہ خواب (کتے) :- ص ۴۴، ۴۵

۶۳، ۶۵

چنارگل (صوبہ ارباب) ستمبر ۱۹۶۵ء کی

جنگ :- ص ۲۸۲

چنگیز خان (فاتح) :- ص ۲۸۳

چین (ملک) :- ص ۲

چینی ترکستان :- ص ۲، ۱۶۳

(ح)

حبیب بن بکنہ (جناب علیؑ کے لشکری) :-

ص ۵۱

حبیب بن مسلمہ (امیر معاویہ کے طرفدار)

ص ۸۲، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۱۰۳

حبیب عجمی (اسلام کے عظیم صوفی) :- ص ۶۶

ص ۲۷۴

حصص (شہر اور صوبہ) :- ص ۱۵۵، ۲۵۴

۲۷۹

خمیر (قبیلہ) :- ص ۱۲۸حنبل (امام حنبل) :- ص ۱۰۴حنظلہ بن اسد (ساخہ کربلا کے شہید) :-

ص ۱۹۲

حنین (حصنور پاک کے زمانے کی جنگ) :-

ص ۶

حیدرآباد (کن) :- ص ۲۱۲

(خ)

خارجہ بن ابی حبیبہ (عمر بن عاص کا فوجی

افسر) :- ص ۱۳۳

خارجی (فرقہ) گمراہ گروہ :- ص ۱۰۰، ۱۰۳

۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱ تا ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۷، ۲۸

۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱

خالد بن عثمان غنی (رض) :- ص ۳۳خالد بن مسعود (عظیم صحابی عبد اللہ اور

مجاہدین کے صحابی) :- ص ۶۳

خالد بن ملجم (مفسد) :- ص ۵۵خالد بن ولید (اللہ کی تلوار) :- ص ۱۰۱

۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵

خالد بن یزید (یونانی فلسفہ سے متاثر)

۱۶۱، ۲۱، ۲۳، ۳۷، ۴۹، ۵۰

۵۳، ۶۳، ۶۶، ۷۴، ۷۵، ۸۹

۱۰۱، ۱۰۳، ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۳۰

۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۲

۱۴۵ تا ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۶۷، ۱۶۸

۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷

حسن بصری (اسلام کے عظیم صوفی) :- ص ۶۶حسین (امام حسین بن علی المرتضیٰ رض)

شہید کربلا :- ص ۵، ۶، ۲۱، ۸۹، ۱۰۳

۱۳۰، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲

۱۴۷ تا ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۷۸

حضرموت (علاقہ) :- ص ۱۲۸ رضحفصہ (ام المومنین حفصہ بنت فاروق اعظم

ص ۳۶، ۱۴۱، ۳۳۰

حکیم بن جبیلہ (جناب علی رض کے ساتھی) :-

ص ۱۵، ۱۷، ۲۶، ۳۷، ۳۹

حماد بن ابی سلیمان (اسلام کے عظیم عالم) :-

ص ۶۶

حمزہ بن عبدالمطلب (سید الشہداء)حصنور پاک کے عظیم چچا :- ص ۱۶۵، ۱۸۸حمزہ بن مالک ہمدانی (معاہدہ پر دستخط)

ص ۱۰۳

حمرالاسد (جنگ احد کے بعد کی مہم) :-

داؤد طائی (اسلام کے عظیم صوفی) :- ص ۶۶

دجلہ (دریاء) :- ص ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹

دردان (جناب علی رضی کی شہادت کے سلسلہ

میں) :- ص ۱۳۳

درہ دانیال (ترکی کا مقام) :- ص ۲

۱۵۲، ۲۸۲

دکن (بھارت) :- ص ۲

دمشق (شہر) :- ص ۳۰، ۳۳، ۳۵

۴۰، ۴۸، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۷۰

۱۹۳

دہلی (شہر) :- ص ۱۱، ۱۶۲، ۲۹۵

دومتہ الجندل (مقام) :- ص ۱۰۵، ۱۱۱

(ط)

ڈوگری (لاہور محاذ) ستمبر ۱۹۶۵ء کی

جنگ :- ص ۲۸۰

(ذ)

ذاتِ اطلاع (حصنورپاک کے زمانے کی

عظیم قربانی) :- ص ۱۶۵

ذاریت (قرآن پاک کی سورۃ) :- ص ۲۰۹

ذوالشہ (جنگ نہروان) عجیب الخلقیت

یونا۔ حصنورپاک کی پیشگوئی :- ص ۱۱۶

۱۳۷

ذوالکلاح (جنگ صفین میں شہادت)

ص ۲۴۲  
خدیجہ طاہرہ (ام المومنین جناب خدیجہ طاہرہ)

ص ۶۳

خراسان (علاقہ) :- ص ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰

خزرج (قبیلہ) :- ص ۷۳

خزیمہ بن ثابت (دو شہادتوں والے حصنورپاک

کے منظور نظر) جنگ صفین میں شہادت :-

ص ۳۶، ۹۸

خشعم (بنو) قبیلہ :- ص ۵۱

خطاب (جناب فاروق کے والد) :-

ص ۱۳۳

خلیل پاشا (دوسری جنگ عظیم کا ترک

جہز) :- ص ۹

خندق (جنگ) :- ص ۲۳۸، ۹۲

۲۳۹، ۲۵۱، ۲۷۶، ۲۸۳

خوضابت حصفہ زوجہ عبداللہ بن جعفر طیار

ص ۱۷۳

خیر (جنگ) :- ص ۳، ۲۰، ۹۶

(س)

دانا گنج بخش (سید علی ہجویری) :-

ص ۲۸۹

داؤد (حضرت داؤد پیغمبر) :- ص ۲۰۸

۲۳۶

زبلستان (علاقہ) :- ص ۱۶۱

زبیرؓ (جناب زبیر بن عوام) عشرہ مبشرہ

حصنور پاک کے کھوپھی زاد :- ص ۱۳ تا

۱۷، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۸، ۳۵، ۳۸، ۳۹ تا

۵۹، ۶۲، ۶۳، ۶۹، ۸۳، ۱۰۹،

۱۳۹، ۲۹۹

زراعہ (خارجی) :- ص ۱۱۱، ۱۱۲

زرود (مقام) :- ص ۱۷۷، ۱۸۰

زفر بن الحارث (بصرہ کی فوج کے امیر)

ص ۵۷

زمل بن عمرو عذری (معاہدہ پر دستخط)

ص ۱۰۳

زہیر بن القین (امام حسینؓ کے عظیم ساتھی

اور کربلا میں شہادت) :- ص ۱۸۶، ۱۸۷

۱۹۰، ۱۹۲

زیاد بن بصرہ حارثی (جناب علیؓ کے ساتھی)

ص ۸۰

زیاد بن حفصہ (جناب علیؓ کے ایلچی) :-

ص ۸۵، ۸۶

زیاد بن حنظلہ (جناب علیؓ کے ساتھی) :-

ص ۳۵، ۳۶

زیاد بن سمیہ (لعید میں زیاد بن ابوسفیانؓ

ص ۶۶، ۶۷، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۹،

ذی قار (مقام) :- ص ۳۸، ۳۹، ۵۱

(س)

رافع بن خدیج (انصار صحابی) :- ص ۱۹

رباب (قبیلہ) :- ص ۵۰، ۵۱، ۱۲۸

ربیع بن کاس عبزی (جناب علیؓ کے ماتحت

امیر) :- ص ۷۱

ربیعہ (جنگ جمل میں شہادت) :- ص ۶۱

رجیع (حصنور پاک کے زمانے میں عظیم قربانی)

ص ۱۶۵، ۱۶۷

رحمن بابا (پشتو کے صوفی شاعر) :- ص ۲۳۴

روڈس (جزیرہ) :- ص ۱۵۳ تا ۱۵۵، ۲۰۲

روس (ملک) :- ص ۲، ۲۳۳، ۲۶۰

روم (رومی) بحیرہ روم وغیرہ :- ص ۱،

۲، ۳۰، ۱۲۳، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۹۵

۲۵۱، ۲۵۳، ۲۶۳، ۲۷۱، ۲۷۹،

۲۹۹، ۳۰۰

رومانیہ (ملک) :- ص ۱۶۳

رومیل (جرمن جنرل) :- ص ۲۸۳

رے (مقام) :- ص ۱۸۱، ۳۰۱

(ز)

زاویہ (مقام) :- ص ۵۳

زاہدان (مقام) :- ص ۱۶۳



سبطیلہ (افریقہ میں جنگ) :- ص ۱۵۸، ۳۰۰  
سیرۂ جہنی (جناب علی رضی کے قاصد) :-

ص ۳۲

سبیح بن یزید انصاری (معاہدہ پر دستخط)

ص ۱۰۳

سپین (ملک) :- ص ۲، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۳

۲۰۹، ۲۲۹، ۲۷۰

سخی سرور (اس خطہ کے عظیم صوفی)

ڈیرہ غازی خان کے نزدیک مزار :- ص ۲۸۹

سرحد (صوبہ) :- ص ۲۸۹

سزنگا پٹم (سلطان ٹیپو کی شہادت گاہ)

ص ۲۹۵

سلسلی (جزیرہ) :- ص ۱۵۷، ۱۶۳

۱۹۵، ۲۳۸

سعد بن ابی وقاص (فاتح ایران) عشرہ مبشرہ

میں شامل :- ص ۱۳، ۱۸، ۱۹، ۲۹، ۳۰

۳۸، ۸۸، ۹۱، ۱۰۶، ۱۳۹، ۱۷۷

۱۷۸، ۱۸۱، ۱۹۱

سعد بن عبادہ (عظیم انصار صحابی) :-

ص ۳۱، ۷۳، ۲۰۳

سعد (عمر رضی شہید کربلا کے خادم اور

شہید کربلا) :- ص ۱۹۲

سعد بن مالک (جناب علی رضی کے امراء میں سے)

۱۵۰، ۱۵۲، ۱۶۱

زیبالہ (مقام) :- ص ۳۲

زید بن ارقم (صحابی) :- ص ۱۸۸

زید بن ثابت (عظیم انصار صحابی) کاتب

وحی :- ص ۱۹، ۲۳

زید بن حارث (سیدنا زید رضی) حضور پاک

کے اہل بیت میں شمار :- ص ۲۰، ۱۶۵

زید بن حصین (خارجی سرغنہ) :- ص ۹۶

۱۰۰، ۱۱۲، ۱۱۶

زید بن امام زین العابدین :- ص ۶۹

زید بن صوحان (جناب علی رضی کے ساتھی)

ص ۳۹، ۵۱، ۸۱

زید بن قیس (جناب علی رضی کے ایلچی) :- ص ۸۵

زید بن ہانی (جنگ صفین) جناب علی رضی کے

ساتھی :- ص ۹۶

زینب رضی (بنت علی المرتضیٰ) :- ص ۱۷۳

(س)

سار (فرانس اور جرمنی کے درمیان جھگڑے

والا علاقہ) :- ص ۲۶۰

سالم بن ثعلبہ (قائلین عثمان رضی سے ہمدردی)

ص ۵۵

سباع بن عرفطہ (حضور پاک کی نیابت)

ص ۲۷۳

ص ۵۱

سعد بن مسعود ثقفی (جناب علیؑ کی طرف

سے مدائن کے گورنر) :- ص ۵۱، ۱۱۳

سعید بن زید (جناب فاروقؑ کے بہنوئی)

عشرہ و مبشرہ میں شامل :- ص ۱۳۹

سعید بن عاص (حضرت عثمانؓ کی طرف

سے کوفہ کے گورنر) :- ص ۳۱، ۳۳، ۱۵۲

۳۰۰، ۱۷۴

سعید بن عثمان غنیؓ (وسط ایشیا کی

فتوحات) :- ص ۱۳۳، ۱۶۱

سعید بن قیس ہمدانی (جناب علیؑ کی طرف

سے معاہدہ پر دستخط) :- ص ۸۳، ۱۰۳

سفیان ثوریؒ (اسلام کے عظیم عالم اور

صوفی) :- ص ۶۶

سفیان بن عوف ازدی (قسطنطنیہ کی مہم

کے سالار لشکر) :- ص ۱۵۵

سقیفہ بنو ساعدہ (خلافت کے لئے اجتماع)

ص ۳۱

سکندر (یونانی) :- ص ۲۸۳

سکندریہ (مصر کی بندرگاہ) :- ص ۲۹۹

۳۰۰

سلاسل (جنگ کاظمہ) :- ص ۲۵۰، ۲۵۹

سلمان فارسیؓ (عظیم صحابی) اہل بیت میں

شمولیت کا شرف :- ص ۱۸۶

سلمان (پوتا) :- ص ۱۱

سلمہ بن سلامہ (انصار صحابی) :- ص ۱۹

سلیم (بنو) قبیلہ :- ص ۵۷

سلیم (سلطان) خلافت اسلام کو قسطنطنیہ

لے جا کر خلیفہ المومنون کا اعلان بقول

ابن عربیؒ یہ (س) کے (ش) میں داخلہ کے

بعد ہونا تھا جو سلیم کی شام میں آمد بنی :-

ص ۲۳

سلیمان (حضرت سلیمانؑ پیغمبر) :- ص ۲۰۸

۲۳۶

سلیمان بن عبد الملک (اموی خلیفہ) :- ص ۶۵

سلیمان ندویؒ (مصنف) :- ص ۲۱۱، ۲۱۳

۲۶۹

سمرقند (وسط ایشیا کا شہر) :- ص ۲

۱۶۱، ۱۶۲

سمیہ (زیاد کی والدہ) :- ص ۶۶

سنتہ الجماعت (امیر معاویہؓ کی خلافت پر

امت کی وحدت) :- ص ۲، ۱۳۲، ۱۳۵

۱۳۹، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۳

سندھ (صوبہ اور دریا) :- ص ۱۶۳

۲۲۹، ۲۸۹

سوس (دریا) افریقہ کے شمال مغرب میں

ثبیت بن ربیع (جناب علی رضی کے ساتھی) امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت۔ بعد میں ابن زیاد کے ساتھ مل جانا :- ص ۸۳ تا ۸۵، ۱۰۰، ۱۰۳

۱۸۹

ثبیت بن عمرو (تجارجی سرغنہ) :- ص ۱۰۰

۱۰۶، ۱۰۳

شبلی نعمانیؒ (مولانا) :- ص ۲۱۲، ۲۸۷  
ثیب بن شجرہ (خارجی) ابن ملجم کا ساتھی

ص ۱۲۸، ۱۳۳

شرف (مقام) :- ص ۱۷۸، ۲۷۹  
شریح بن السمط کندی (امیر معاویہؓ کے

ساتھی) :- ص ۷۹، ۸۶

شریح بن حسنہ (عظیم صحابی) کاتب وحی :-

ص ۱۲۳

شریح بن اوفیٰ (اول حضرت عثمانؓ کے خلاف مفسدین میں شامل بعد میں خارجی)

ص ۵۵، ۱۱۲، ۱۱۶

شریح بن ہانی (جناب علی رضی کے ساتھی)

ص ۸۰، ۱۰۷

شعبیؒ (امام شعبیؒ) امام اعظمؒ کے استاد

ص ۶۶

شمر بن ذی الجوشن (ساختہ کر بلا کے ذمہ دار)

میں سے ایک :- ص ۸۳، ۱۷۱، ۸۳ تا ۱۸۵

مسلمانوں کی فتوحات کی حد :- ص ۱۶۰  
سویز (قلزم) اشتر نخعی کی موت :- ص ۱۲۰  
سویذ بن عمر (ساختہ کر بلا میں شہادت) :-

ص ۱۹۲

سہروردیہ (صوفیاء کا سلسلہ) :- ص ۶۵  
سہل بن حنیف (جناب علی رضی سے عقد مواخذہ اور ان کے نامزد گورنر وغیرہ) :- ص ۳۰

۱۲۳، ۸۹، ۷۳، ۳۸، ۳۱

سہل بن سعید (صحابی) :- ص ۸۸

سیالکوٹ (شہر) :- ص ۲۸۰

سیف بن حارث (ساختہ کر بلا میں شہادت) :-

ص ۱۹۲

(ش)

شام (ملک) :- ص ۱۹، ۲۰، ۳۰، ۳۱

۳۳ تا ۳۶، ۳۶، ۶۳، ۷۱، ۷۳، ۷۴ تا ۷۶

۷۸ تا ۸۱، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۳

۹۶ تا ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۵

۱۱۷ تا ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۳، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۵۳

۱۵۳، ۱۵۷، ۱۹۰، ۲۶۳، ۳۰۰

شامل (امام شامل) روسی ترکستان کے

انیسویں صدی کے عظیم مجاہد :- ص ۶۲

شافعیؒ (امام شافعیؒ) اہل سنت کے

امام :- ص ۲۱

۱۹۵

شوذب دشہید کربلا، اور جناب عائیں رضی

شہید کربلا کے خادم :- ص ۱۹۲

شہیم بن شہاب جناب علی رضی کے امراء میں

سے ایک :- ص ۵۱

شیر محمد (۱۹۳۸ء کی کشمیر کی جنگ کے "جنرل

خالد") :- ص ۱۱

شیعان علی رضی (جناب علی کے بھروسے) :-

ص ۱۰۳، ۱۰۹

(ص)

صالح حضرت صالح پیغمبر :- ص ۱۲۷صبرہ بن شیمان جناب علی رضی کے ساتھی

اور امراء میں سے ایک :- ص ۳۵، ۵۷

صعصعہ بن صوحان جناب علی رضی کے ایلچی

ص ۸۱

صفین (جنگ) :- ص ۳۶، ۷۱، ۷۶، ۷۹

۸۳، ۹۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۹، ۱۲۱

۱۸۹، ۱۹۰، ۳۰۱

صہبہ (زوجہ جناب علی رضی) :- ص ۱۷۲

صہیب بن سنان رومی (عظیم صحابی) :-

ص ۱۹، ۳۷

(ض)

ضحاک بن قیس (امیر معاویہ کے ساتھی)

ص ۸۲

(ط)

طارق بن زیاد (فاتح سپین) :- ص ۶۶، ۶۷، ۱۶۰

طائف (مقام) :- ص ۶۷، ۱۳۹

طبرستان (علاقہ) :- ص ۳۰۱

طبری (مورخ) :- ص ۱۹۰، ۱۹۱، ۳۰۰، ۱۸۸

طرابلس (افریقہ کا علاقہ اور شہر) :- ص ۱۵۲

۱۵۷، ۱۵۸، ۳۰۰

طرطوس (مقام) :- ص ۱۵۵، ۳۰۰

طرف بن عدی رضی (خارجی) :- ص ۱۱۲، ۱۱۶طراح بن عدی رضی (امام حسین رضی کو پناہ دینے

کی پیشکش) :- ص ۱۸۰

طلحہ بن خویلد (زیادہ کے امیر) :- ص ۳۲، ۳۳

طلحہ بن عبید اللہ (صاحب احد) عشر مبشر

میں شامل :- ص ۳ تا ۱۷، ۲۰، ۲۷، ۲۸

۳۳، ۳۶، ۳۸ تا ۴۱، ۵۰ تا ۵۲، ۵۹

۶۲، ۶۳، ۶۹، ۸۳، ۱۰۹، ۱۲۹

طے (قبیلہ) :- ص ۹۶، ۱۱۲، ۱۱۵

(ظ)

ظفر علی خان (مولانا) تحریک پاکستان میں

اہم کردار :- ص ۱۰

(ع)

عائیں رضی بن ابی شیبہ (ساخہ کربلا کے شہید)

ص ۱۹۲

عاصم بن عمرو (اسلام کے عظیم فاتح) :-

ص ۱۲۸، ۱۶۳، ۲۸۹

عاضیہ (کربلا کے نزدیک گاؤں) :- ص ۱۹۳

عافتی بن حرب (جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مفسدین

کا سرغنہ) :- ص ۱۳

عامر (بنو) قبیلہ :- ص ۵۷

عائشہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ رضی

بنف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) :- ص ۳۶، ۳۷، ۳۸

تا ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۷، ۵۹

۶۰ تا ۶۳، ۶۹، ۸۳، ۱۵۰، ۲۳۱

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - یا بنو عباس، عباسیہ

وغیرہ (حضور پاک ص کے عظیم چچا) :- ص ۲۳

۲۵، ۲۶، ۶۰، ۱۳۸

عباس بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جنگ کربلا کے علمبردار)

ص ۱۳۰، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۷

عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ :- ص ۱۰۶، ۱۲۲

عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ :- ص ۶۶، ۱۴۹

عبدالرحمن بن حارث (جنگ جمل میں شہادت) :-

ص ۶۰

عبدالرحمن بن حکم (جنگ جمل میں شرکت)

مروان کا بھائی :- ص ۶۳

عبدالرحمن بن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید محرومی :- ص ۱۰۳

۱۵۵

عبدالرحمن بن سمیرہ (فاتح کابل) :- ص ۲۸۹

عبدالرحمن بن عبید اللہ (جناب طلحہ کے بھائی)

جنگ جمل میں شہادت :- ص ۱

عبدالرحمن بن عتاب (جنگ جمل میں شہادت)

ص ۶۱

عبدالرحمن بن عتبہ (جنگ جمل میں اونٹ کے

گرد بہا دری) :- ص ۶۰

عبدالرحمن بن عزیرہ غفاری (میدان کربلا

میں شہادت) :- ص ۱۹۲

عبدالرحمن بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (میدان کربلا

میں شہادت) :- ص ۱۷۳

عبدالرحمن بن ملجم (جناب علی رضی اللہ عنہ کا قاتل) :- ص

۱۲۷ تا ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۷

عبدالرحمن سہمی رضی اللہ عنہ (انا طولیہ کے جہاد میں شرکت)

ص ۱۵۵

عبدالقیس (قبیلہ) :- ص ۵۱، ۵۳

عبدالطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ (حضور پاک ص کے دادا)

ص ۱۲۹

عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) :- ص ۶۵

عبداللہ بن ابی سرح (فاتح افریقہ) :- ص ۳۱

۸۱، ۸۲، ۳۰۰، ۳۰۱

عبداللہ بن ابی نخل (جناب علی رضی اللہ عنہ کے چاچا

عبداللہ بن زید (جناب علی رضی کے ساتھی) :-

ص ۸۹

عبداللہ بن سبا (مفسدین کا بڑا) :- ص ۲۳

۲۳۵، ۶۸، ۶۰، ۵۸، ۵۶، ۵۵، ۵۳

عبداللہ بن سلام (جناب علی کو مشورہ) :- ص

ص ۳۷، ۱۹

عبداللہ بن شجرہ (خارجی) :- ص ۱۱۶

عبداللہ بن طفیل عامری (معاہدہ پر دستخط)

ص ۱۰۳

عبداللہ بن عامر (بصرہ کے گورنر اور خراسان

کے فاتح) :- ص ۳۲، ۳۶، ۳۱، ۳۳ تا ۳۵

۳۰۱، ۳۰۰، ۲۸۹، ۱۵۶، ۵۶

عبداللہ بن عباس (حضور پاک کے چچیرے

بھائی) :- ص ۲۳، ۲۹، ۳۰، ۳۸، ۴۹، ۵۸

۱۰۰، ۹۵، ۸۹، ۸۸، ۷۹، ۷۸، ۷۱، ۶۷

۱۳۶، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۱۱، ۱۰۷، ۱۰۵

۱۷۰، ۱۵۶

عبداللہ بن عزرہ غفاری (ساختہ کربلا میں شہادت

ص ۱۹۲

عبداللہ بن علی المرتضیٰ (ساختہ کربلا میں شہادت)

ص ۱۷۱

عبداللہ بن عقیل (ساختہ کربلا میں شہادت) :-

ص ۱۷۳

بیٹوں کے لئے امانت کہ یہ ان کا ماموں زاد تھا)

ص ۱۸۵، ۱۷۱

عبداللہ بن الکویشکری (خارجیوں کا سرغنہ)

ص ۱۱۲، ۱۰۳

عبداللہ بن امام حسین (علی اصغر رضی) :-

ص ۱۷۳

عبداللہ بن بدیل (جناب علی رضی کے لشکری)

ص ۹۰، ۸۹

عبداللہ بن بقطر (امام حسین رضی کے ایلچی کوفہ

میں شہادت) :- ص ۱۸۰

عبداللہ بن جعفر طیار (ابی طالب رضی) :- ص

۷۳، ۷۶، ۱۳۸، ۱۵۰، ۱۷۲، ۱۷۳

عبداللہ بن حباب (خارجیوں نے شہید کئے)

ص ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۳۶

عبداللہ بن خالد (جناب طلحہ رضی و زبیر رضی سے

علیحدگی) :- ص ۳۳

عبداللہ بن رقیہ (جنگ جمل میں شہادت) :-

ص ۶۱

عبداللہ بن رواحہ (عظیم انصار صحابی)

جنگ موتہ میں شہادت :- ص ۱۶۵، ۲۷۳

عبداللہ بن زبیر بن عوام :- ص ۳۳، ۵۷

۱۷۰، ۱۵۶، ۱۳۹، ۱۳۶، ۱۰۶، ۶۱

۱۹۰، ۱۷۱

ص ۸۲، ۸۸، ۹۰، ۹۷  
عبد اللہ بن عباس رضی (حصنور پاک کے چچرے  
 کھائی) :- ص ۳۳، ۳۶، ۲۷  
عبدیہ بن حارث :- ص ۱۶۵  
عثمان بن حنیف (جناب علی رضی کی طرف سے بصرہ  
 کے گورنر) :- ص ۳۲، ۳۷، ۳۵ تا ۳۹  
عثمان بن عفان (جناب عثمان رضی ذوالنورین خلیفہ  
 سوم) :- ص ۱، ۳ تا ۱۵، ۱۷ تا ۲۰، ۲۲،  
 ۲۳، ۲۷ تا ۲۹، ۳۱ تا ۳۹، ۴۱ تا ۴۳،  
 ۴۵ تا ۵۳، ۶۳، ۶۸، ۶۹، ۷۲، ۷۵، ۷۶،  
 ۷۸ تا ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۶، ۸۷، ۸۹،  
 ۹۱، ۹۶، ۹۷، ۱۰۳، ۱۰۶ تا ۱۰۸، ۱۱۳،  
 ۱۱۴، ۱۲۰ تا ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۲،  
 ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۸،  
 ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۳،  
 ۱۷۵، ۱۹۵، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۴۸، ۲۵۰،  
 ۳۰۱  
عثمان بن علی المرتضیٰ رضی (سانحہ کربلا میں شہادت)  
 ص ۱۷۱  
عثمانیہ (سلطنت) :- ص ۲، ۲۳، ۲۵  
عدی بن حاتم (صحابی اور سخی حاتم کے بیٹے)  
 ص ۵۱، ۵۵، ۸۵، ۱۱۲  
عراق (ملک) :- ص ۷۲، ۷۵، ۸۶، ۹۳ تا ۹۶

عبد اللہ بن عمر فاروق رضی (عظیم صحابی اور غیر جانبدار)  
 ص ۱۳، ۱۸، ۱۹، ۳۰، ۳۸، ۴۱، ۴۳،  
 ۱۰۶، ۱۲۲، ۱۳۶، ۱۳۹، ۱۴۹، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۰،  
عبد اللہ بن عمرو بن عاص (مجبوری کے تحت شرکت)  
 ص ۷۷، ۸۲، ۸۸، ۹۲، ۱۰۶، ۱۵۲، ۱۶۰،  
عبد اللہ بن کعب (جنگ صفین کے شہید) :- ص  
 ۹۸، ۹۹  
عبد اللہ بن مبارک (اسلام کے عظیم عالم) :-  
 ص ۶۶  
عبد اللہ بن محل العجلی (معاہدہ پر دستخط) :-  
 ص ۱۰۳  
عبد اللہ بن مسعود (عظیم محدث صحابی) ص ۱۲۳  
عبد اللہ بن مسلم رضی (سانحہ کربلا میں  
 شہادت) :- ص ۱۷۳  
عبد اللہ بن وہب (خارجی) ص ۱۱۶  
عبد اللہ بن زبیر رضی (جنگ جمل میں شہادت)  
 ص ۶۳، ۶۴  
عبد خیر رضی (جناب علی رضی کے ساتھی) :- ص ۵۰  
عبد اللہ بن زیاد (بزید کا کوفہ کا گورنر اور سانحہ  
 کربلا کا ذمہ دار) :- ص ۶۶، ۱۵۲، ۱۶۱،  
 ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۸۰ تا ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۹،  
 ۱۹۱ تا ۱۹۳  
عبد اللہ بن عمر فاروق رضی (امیر معاویہ کے ساتھی)





کر بلا) :- ص ۱۷۳  
 عون بن علی المرتضیٰ رضی :- ص ۱۷۲  
 عیسیٰ بن مریم (حضرت عیسیٰؑ پیغمبر) ص ۱۳۱  
 عین التمر (مقام) :- ص ۱۲۳

(ع)

غزالی (امام غزالی) گیارہویں بارہویں  
 صدی عیسوی کے عظیم تر مسلمان عالم ص ۱۹۷  
 غزنی (شہر) :- ص ۱۶۱، ۲۸۹، ۳۰۱، ۳۰۲  
 غطفان (بنو) قبیلہ :- ص ۵۷

غمر (بنو) قبیلہ :- ص ۵۷

(ف)

فاطمۃ الزہراء بنت حضرت محمد مصطفیٰ  
 (حصنور پاک کی پیاری بیٹی) :- ص ۲۰، ۲۱، ۲۰۰، ۵۰۰

۱۲۵، ۱۲۰، ۱۲۱

فاطمہ بنت خطاب (جناب فاروق اعظم رضی کی

بہن) زوجہ جناب سعید رضی ص ۱۲۹

فاتحہ (قرآن پاک کی سورۃ) :- ص ۲۰۷

فارس (صوبہ یا خلیج) :- ص ۱۲۳، ۱۶۳

۳۰۱

فتح (قرآن پاک کی سورۃ) :- ص ۲۰۷

فتح نوزخان (حج) :- ص ۱۰

فخری پاشا (مدینہ شریف کے سلطنت

عثمانیہ کے آخری گورنر) :- ص ۲۵۴

جو تنہا میں ہونے کی وجہ سے سانحہ کر بلا میں  
 نہ شریک ہوئے :- ص ۱۷۲

عمر بن عبدالعزیز (عظیم اموی خلیفہ) :-

ص ۶۵، ۱۲۲

عمر فاروق اعظم رضی (خلیفہ دوم) ص ۱۳

۹۸، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۵

۱۶۶، ۱۹۵، ۱۹۹، ۲۲۳، ۲۵۱، ۲۵۹

۳۰۰

عمر بن امام حسن رضی (م عمری میں کر بلا کے سانحہ

میں شرکت) :- ص ۱۷۳، ۱۷۴

عمر بن ابی سلمہ (جناب علیؑ کے لشکر) ص ۲۶

عمر بن سفیان " " " " ص ۳۶

عمر بن سعید بن عاص (مکہ کے گورنر) ص ۱۷۴

عمر بن سعد و ابی قاص (بدقسمت) ص ۸۴

۱۷۸، ۱۸۱، ۱۸۳ تا ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۱

۱۹۳، ۱۹۴

عمر بن عاص (فاتح مصر) آخری عمر میں

ندامت :- ص ۳۸، ۴۲، ۴۶، ۷۷، ۸۱

۸۲، ۸۸، ۹۱ تا ۹۵، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲

۱۰۵ تا ۱۰۸، ۱۱۸ تا ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۸

۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۵۲، ۱۶۰، ۲۹۹

۳۰۰، ۳۰۲

عون بن عبداللہ رضی بن جعفر طیار (شہید

تاریخ کی کتابوں کا مصنف :- ص ۲۸۳

فلسطین (ملک) :- ص ۱۵۷، ۱۷۷

فناکس (علاقہ) :- ص ۳۰۱

فنیصل (پوتا) :- ص ۱۱

(ق)

قادریہ (سیدنا عبدالقادر جیلانی سے)

منسوب صوفیاء کا سلسلہ) :- ص ۶۵

قاسم رضی بن امام حسن (ساختہ کربلا میں شہادت)

ص ۱۷۳

قاسم (محمد بن قاسم) سندھ کی فتح :- ص ۲۸۹

قاسم (پوتا) :- ص ۱۱

قادسیہ (مقام اور جنگ) :- ص ۳۸، ۱۸

۱۷۷، ۱۷۸، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۹

قاہرہ (شہر) :- ص ۷۰، ۱۴۳

قائد اعظم محمد علی جناح :- ص ۱۹۸، ۲۰۴

قاہر بن سہمی الجلی (معاہرہ پر دستخط) :-

ص ۱۰۳

قبرص (جزیرہ) :- ص ۱۵۳، ۳۰۱، ۳۰۰

قبیحہ حبسی (امیر معاویہ کا قاصد) :- ص ۳۴

۱۲۳

قشتم بن عباس رضی (حضور پاک کے چچیرے بھائی)

ص ۳۸

قدامہ بن مظعون (مہاجر صحابی) :- ص ۱۹

فرات (دریائے) :- ص ۸۱، ۱۸۱

فرانس (ملک) :- ص ۲۶۰

فرصہ (مقام) :- ص ۵۳

فرعون :- ص ۲۰۰

فرما (مصر کی بندرگاہ) :- ص ۲۹۹

فرید الدین عطار (اسلام کے عظیم صوفی) :-

ص ۲۳۶

فریڈرک اعظم (جرمن بادشاہ) :- ص ۲۷۰

فسطاط (فوجی چھاؤنی) :- ص ۳۰۱، ۱۲۱

۱۵۸، ۲۰۹، ۲۵۹

فضالہ بن عبید (عظیم انصار صحابی قسطنطنیہ)

کی مہم کے سالار :- ص ۱۹، ۱۵۷

فقہ جعفریہ (امام جعفر صادق سے منسوب)

ص ۱۰۴

فقہ حنابلہ (امام احمد حنبل سے منسوب) :-

ص ۱۰۴

فقہ عسکریت (قرآن پاک سے منسوب)

حزب اللہ :- ص ۱۰۵، ۲۰۰، ۲۰۹

۲۱۳، ۲۸۷

فقہ وحدت (قرآن پاک اور حضور پاک سے

منسوب) بنیان المرصوص کھجور کا درخت

ص ۱۰۵، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۸۷، ۲۸۹

فلر (مبھرجزل) متعصب انگریز عسکری

۳۰۲  
کاشغر (وسط ایشیا کا شہر): ص ۱۶۲  
کانگر (جنگ سلاسل): ص ۲۵۹  
کاکیشیا (علاقہ): ص ۱۵۳  
کریٹ (جزیرہ): ص ۱۵۷، ۱۹۵، ۲۲۸  
کریلا (مقام اور سانچہ): ص ۶، ۵، ۸۳  
 ۹۵، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۶۷، ۱۶۸  
 ۱۵۲، ۱۷۴، ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۳۲  
 ۳۰۲  
کریمیا (جزیرہ نما): ص ۲، ۱۶۳  
کسری (شہنشاہ ایران): ص ۱۷۰، ۲۷۱  
کسیان (ابوسفیانؓ کا پرانا خادم): ص  
 ۸۹، ۹۳  
کسیلہ (بربر سردار): ص ۱۶۰  
کشمیر: ص ۱۱، ۸۵، ۲۸۵  
کعب بن سور (قاضی جنگ جمل میں شہادت)  
 ص ۳۷، ۶۰، ۶۲، ۶۳  
کعب بن عجزہ (انصار صحابی): ص ۱۹  
کعب بن مالک (مصر کے لئے روانہ ہونے  
کے بعد واپسی): ص ۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲  
کلاب (بنو قبیلہ): ص ۱۷۱  
کلاسوٹز (جرمن جنگی ماہر): ص ۸۵، ۲۱۲  
 ۲۵۷، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۶

قرقیشیا (علاقہ اور مقام): ص ۷۹  
قریظہ (بنو یہودی قبیلہ): ص ۲۷۳  
قساریہ (شہر): ص ۲۷۹  
قسطنطنیہ (موجودہ استنبول): ص ۲، ۳  
 ۷۰، ۱۳۳، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۹۵، ۲۳۸  
 ۳۰۲، ۲۷۹  
قصر (مقام): ص ۵۳  
قطام بنت بنجد (خارجی عورت): ص ۱۲۸  
 ۱۳۳، ۱۳۷  
قطب شہید (سید) اس صدی کے عظیم  
مسلمان: ص ۱۹۷  
قعقاع بن عمرو (اسلام کے عظیم فاتح): ص ۲۹  
 ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۱۲۳، ۱۲۸  
قندھار (شہر): ص ۲۹۵، ۳۰۲  
قیروان (فوجی چھاؤنی): ص ۱۵۹، ۲۰۹، ۲۵۹  
قیس بن اشعث (یزید کا لشکر): ص ۱۱۷  
 ۱۲۹، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۴  
قیس بن مسر (امام حسینؓ کے قاصد) کوفہ میں  
شہادت: ص ۱۸۰  
قیصر روم: ص ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۵۳، ۱۵۶  
 ۱۷۰، ۲۶۳  
(ک)  
کابل (شہر): ص ۱۶۱، ۱۶۲، ۲۹۵، ۳۰۱

گیلی پولی (جنگ ۱۹۱۳-۱۹۱۸ء کا ایک  
معرکہ) :- ص ۱۵۳  
(د)

لاہور (شہر) :- ص ۱۶۲، ۲۳۱، ۲۸۰  
لڈل ہارٹ (انگریز مصنف) :- ص ۲۸۳  
لیلی بنت مسعود زوجہ جناب علی رضی  
لیلی بنت زوجہ امام حسین (والدہ علی اکبر رضی)  
یزید کی بھوپھی زاد بہن) :- ص ۱۴۲  
لیلۃ الحریر (جنگ صفین کی آخری رات)  
ص ۹۳

(م)

صلی اللہ علیہ  
حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ وسلم

کتاب کے اکثر صفحات آپ کے کسی نہ کسی اسم  
مبارک کے نور سے مزین ہیں اور ساری کتاب  
آپ ہی کے جلال و جمال کا منظر ہے۔ اسلئے  
صفحات کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

محمد ارشاد خان خامس (خلیفۃ المسلمین)  
ص ۹

محمد اصغر بن علی المرتضیٰ رضی :- ص ۱۴۲

محمد اوسط بن علی المرتضیٰ رضی :- ص ۱۴۲

محمد بن ابوبکر صدیق رضی :- ص ۱۸، ۲۳، ۳۸

۵۳ تا ۶۳، ۷۳، ۷۵، ۱۱۹ تا ۱۲۱

کمان ترکی (اسلام کی خلافت اور وحدت کو  
پاش پاش کرنے والا) :- ص ۲۳  
کنانہ بن بشر (محمد بن ابوبکر رضی کی امداد میں  
شہادت) :- ص ۱۲۱

کنانہ (بنو قبیلہ) :- ص ۵۰

کنزہ (بنو قبیلہ) :- ص ۱۲۸، ۱۹۳

کوفہ (چھاؤنی اور صوبائی دارالحکومت)

جناب علی کا مرکز :- ص ۳، ۱۵، ۲۴، ۳۲

۳۳، ۳۶، ۴۱، ۴۳، ۴۸، ۵۱، ۵۸، ۶۰

۶۳، ۶۴، ۶۵، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۹، ۹۱

۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۱ تا ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۷

۱۱۹، ۱۲۱ تا ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۵۲، ۱۵۸

۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۴ تا ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰

۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۵۹، ۳۰۰

کوٹہ (شہر) :- ص ۲۸۲

(گ)

گڈیرین زد دوسری جنگ عظیم کا جرمن بکتر بند

دستوں کا مشہور حیزل) :- ص ۲۸۳

گلب (پاشا) اردن کا سابق حیزل مشیر اور

مصنف :- ص ۶۰، ۹۳

گلزار احمد (بریکڈیر) مصنف اور اسلامی

عسکری تاریخ کا طالب علم :- ص ۲۶۶

گلف سٹریٹ سمنڈری روی :- ص ۲۶۹

چرچل کا حیدر (مجد) جس کو خواہ مخواہ دیول نے  
آسمان پر چرچا دیا (معمولی قسم کا جرنل)  
ص ۲۸۳

ماسکو (شہر) :- ص ۲

مالک (امام مالک) مالکی فقہ سے منسوب :-  
ص ۱۰۳، ۶۶

مالک بن عبید (میدانِ کربلا میں شہادت) :-  
ص ۱۹۲

مالک بن کعب ہمدانی (معاہدہ پر دستخط)  
ص ۱۰۳

مالک بن مثنیٰ (بصرہ کے لشکر میں امارت) :-  
ص ۵۷

مالک بن نویرہ (بنو تمیم کا سردار) ص ۱۲۸  
مامون رشید (خلیفہ عباسی) :- ص ۱۰۳

ماوزے تنگ (موجودہ چین ۵ بانی) ص ۲۵۷  
مثنیٰ بن حارث (اسلام کے عظیم مجاہد) دیدار  
خاص سے مستفیض :- ص ۱۵۹، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۶۳

مثنوی رومی (مولانا جلال الدین رومی کی  
تصنیف :- ص ۲۷۱

مجاہد بن مسعود (عظیم محدث) جناب عبداللہ  
کے بھائی اور جنگِ جمل میں شہادت :- ص ۵۷  
ص ۱۶۲، ۶۳

مجدد الف ثانی (شیخ سرہندی) :- ص ۲۱

۱۷۰، ۱۷۱

محمد بن ابونخلیفہ بن عتیبہ :- ص ۳۱  
محمد بن ابوسعد بن عقیل بن ابوطالب (شہید

کربلا) :- ص ۱۷۳

محمد بن جعفر طیار (مخبری کا کام) :- ص

۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷

محمد بن حنیفہ (جناب علی رضی کے خولہ کے بطن  
سے بیٹے) :- ص ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷

۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵

محمد بن طلحہ رضی بن عبید اللہ (کالی ٹوپی والے)

جنگِ جمل میں شہادت :- ص ۱۷۳، ۱۷۴

محمد بن قاسم (فاتح سندھ) :- ص ۶۶

محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار (شہید کربلا)

ص ۱۷۳

محمد بن عمرو بن عاص :- ص ۷۷

محمد بن مسلمہ (انصار صحابی) غیر جانبدار

ص ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱

محمد فاتح (عثمانی بادشاہ) ۱۷۵۳ء میں

قسطنطنیہ فتح کیا :- ص ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵

محمد علی جوہر (مولانا) اس صدی کے

عظیم مسلمان :- ص ۲۰۶

محمد لطیف (مجموعہ جماعت) :- ص ۱۰

ماربرو (انگریزوں کے آجہانی وزیر اعظم

مجمع بن عبداللہ (ساختہ کربلا کے شہید)

ص ۱۹۲

محرز بن حارث (جنگ جمل میں شہادت)

ص ۶۳

محسن بن امام حسن (ساختہ کربلا سے کم عمری

کی وجہ سے بچ جانا) :- ص ۱۷۳، ۱۷۴

محمود غزنوی (بت شکن) اس خطہ کے

عظیم مجاہد :- ص ۱۸۷

مختار ثقفی (امام حسین کو شہید کرنے والوں

کو تہس نہس کرنے والا) :- ص ۱۹۱، ۱۹۲

مخدوج ذیلی (بنو کبر کے امیر) :- ص ۵۱

مخف بن سلیم (بنو بکلیہ کے امیر) :- ص ۵۱

مدائن (ایرانی دار الحکومت) :- ص ۸۰

۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱

مدینہ شریف :- ص ۱۳ تا ۱۷، ۱۹ تا ۲۲

۲۷، ۳۱، ۳۳ تا ۳۷، ۳۱، ۳۲، ۳۵

تا ۳۸، ۵۰، ۵۴، ۶۳، ۶۵، ۷۰، ۷۱

۷۱، ۷۳، ۷۵، ۸۳، ۸۵، ۹۸، ۱۲۳ تا ۱۵۰

۱۵۲، ۱۵۵، ۱۶۹ تا ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۹

۱۹۳، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۷، ۲۳۹

۲۷۲ تا ۲۷۳، ۲۷۶

مذحج (بنو قبیلہ) :- ص ۵۱، ۱۹۳

مراد (قبیلہ) :- ص ۱۲۸

مراکو (ملک) :- ص ۱۶۰

مروان بن حکم (جناب عثمان رضی اللہ عنہما کا منیر اعلیٰ)

ص ۲۰، ۳۵، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۴، ۵۳

۵۹، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۸۳، ۸۳، ۱۵۱

۱۵۲، ۱۶۹، ۲۳۲

مرید حسین (غازی اور شہید) :- ص ۸۲

مزدہ بن نوفل (خارجی) :- ص ۱۱۵

مزینہ (قبیلہ) :- ص ۵۱

مسعر بن مذک (خارجی سرغنہ) ص ۹۶، ۱۰۰

مسلم (امام مسلم) محدث :- ص ۱۰۵

مسلم بن عقیل (کوفہ میں شہادت) :- ص

۷۳، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۱۸۰

مسلم بن عوسجہ (ساختہ کربلا میں شہادت)

ص ۱۸۶، ۱۹۲

مسلمہ بن محمد (غیر جانبدار انصار صحابی)

بعد میں مصر کے گورنر :- ص ۱۹، ۷۱، ۱۶۰

مشیب (بنو محرزوم) :- ص ۲۵

مصر (ملک) :- ص ۱۵، ۲۳، ۳۲، ۳۳

۷۱، ۷۳ تا ۷۷، ۸۱، ۸۸، ۹۱، ۱۱۱

۱۱۸ تا ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۵۰

۱۵۲، ۱۵۷، ۱۶۰، ۲۱۵، ۲۹۹، ۳۰۱

مصعب بن زبیر (غیر جانبدار) ص ۳۹

مصعب بن عمیر (اسلام کے علمبردار) شہید

معن بن یزید (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایلچی) :-

ص ۸۶

مغیرہ بن شعبہ ثقفی (عظیم مجاہد اور

سیاست دان) :- ص ۱۹، ۲۸، ۲۹،

۳۳، ۶۶، ۷۶، ۷۷، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۵۲،

۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۹، ۲۸۳، ۳۰۲

مقداد رضی اللہ عنہ (جنگ بدر میں مشورہ) :- ص ۲۵۲

مکہ مکرمہ :- ص ۲۰، ۲۵، ۲۹، ۳۲،

۳۳، ۳۵ تا ۳۷، ۳۸ تا ۴۴، ۴۶، ۴۸،

۶۳، ۶۵، ۷۰، ۸۳، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۳،

۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۵۵،

۱۷۱، ۱۷۳ تا ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹،

۱۸۲، ۱۸۴، ۲۰۱، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۷،

۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۸۶،

مکران (علاقہ) :- ص ۳، ۱۶۳، ۲۳۸،

۳۰۲

ملاشیا (ملک) :- ص ۲، ۱۶۳،

منٹگری (انگریز فیڈ مارشل) :- ص ۲۶۸

۲۸۳

ملتان (شہر) :- ص ۱۶۲، ۲۳۹،

منطق الطیر (اسلام کی تعلیم) :- ص ۲۰۸،

۲۱۷، ۲۳۶،

منظور الحق مرحوم (قاضی) استاد :- ص ۱۰

احد :- ص ۱۶۵

مصر (بنو) قبیلہ :- ص ۵۷

معاذ بن جبل (اسلام کے عظیم عالم) :-

ص ۱۲۳

معاویہ رضی اللہ عنہ (امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ) :- ص ۱،

۴، ۵، ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۳۲،

۳۵، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۳، ۶۵، ۶۶، ۶۹،

۷۰ تا ۹۲، ۹۵، ۹۷، ۹۹، ۱۰۱ تا

۱۰۳، ۱۰۴، ۱۳۱، ۱۳۳ تا ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۲،

۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶ تا ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵،

۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۸ تا ۱۷۰، ۳۰۲ تا

معاویہ بن خدیج (پہلے غیر جانبدار بعد میں

عمر و بن عاص کے ساتھ مل گئے) :- ص ۷۱،

۱۱۹ تا ۱۲۲

معد بن مسعود ثقفی (مدائن میں جناب علی رضی اللہ عنہ

کے امیر) :- ص ۸۰

معبد بن عباس رضی اللہ عنہ (حضور پاک کے چچے

بھائی) :- ص ۲۵

معتزلہ (مکتب فکر) :- ص ۱۰۳، ۱۱۳،

۱۳۷، ۲۶۶،

معتقل بن بشار (قبیلہ اسد کے امیر) :- ص ۵۰

معتقل بن قیس رضی اللہ عنہ (جناب علی رضی اللہ عنہ کے ہراول دستوں

کے امیر) :- ص ۸۰

نپولین (دنیا کو فتح کرنے کی سعی) :- ص ۲۸۴

نجف اشرف (جناب علیؑ کا مزار) :-

ص ۱۳۵

نذیر عالم مرحوم (ہم جماعت) :- ص ۱۰

نرک (ہندو فلسفہ کے تحت روح کی آخری

منزل) :- ص ۲۲۰

نصر اللہ خان عزیز مرحوم (صحافی) :- ص ۱۰

نظام جہاد :- ص ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۳۵

۲۹۸، ۲۸۵

نظام مصطفیٰؐ :- ص ۱۳۲، ۲۰۲، ۲۱۱

۲۸۷، ۲۳۵

نعمان بن بشیر (انصار صحابی) کوفہ کے گورنر

ص ۱۹، ۱۷۵

نعمان بن مقرنؓ (فاتح نہادند) ص ۲۸۴

نکیوس (مقام اور جنگ) :- ص ۳۰۰

نوحؑ (حضرت نوحؑ پیغمبر) :- ص ۱۹۱

نور الدین (ترک کرنل) :- ص ۹

نہادند (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۴

۲۷۹

نہروان (مقام اور جنگ) :- ص ۱۱۱ تا ۱۱۳

۱۱۵، ۱۹۰، ۳۰۱

نیل (دریا) :- ص ۱۶۲

نینوی (کربلا کے نزدیک مقام) حضرت یونسؑ

منگول (قوم) :- ص ۱۶۲، ۲۴۲

منوسمرتی (ہندو منکر) :- ص ۲۱۰

موتہ (مقام اور جنگ) :- ص ۱۶۵

موردی (ابوالاعلیٰ) مصنف :- ص ۱۰۹

۲۸۱، ۲۱۲

موسیٰؑ (حضرت موسیٰؑ پیغمبر) :- ص ۲۲

۲۵۲، ۲۶

موسیٰ بن نصیر (فاتح سپین) :- ص ۹۶، ۱۶۰

موصل (مقام) :- ص ۸۰، ۱۱۷، ۱۲۳

مہاجر مکیؑ :- ص ۲۲۷

مہر علیؑ (پیر مہر علیؑ شاہ گولڑوی) :- ص ۲۲۷

مہاجندارو (کھنڈرات) :- ص ۲۰۷

میاں محمد اولیاء زرگرؑ :- ص ۱۰

میاں محمد (مولوی) استاد :- ص ۱۰

میشاقِ مدینہ (حصنور پاک کا طرز حکومت)

ص ۲۸۷

میران شاہ (مقام) :- ص ۳

میکائیلؑ (حضرت میکائیلؑ فرشتہ) :- ص ۱۳۱

(ک)

ناجیہ (بنو) قبیلہ :- ص ۷۵

ناقح رضی بن بلال (سائخہ کربلا میں شہادت)

ص ۱۹۲

نائلہؑ (زوجہ عثمان رضی عنہ) :- ص ۱۹



ہٹریہ (پرانی تہذیب) :- ص ۲۰۷  
ہلال بن ربیع (بنو حنظلہ کے امیر) :-

ص ۵۷

ہمدان (مقام) ص ۸۳، ۷۸  
ہوہو۔ جناب اسحاق اور جناب یعقوب  
پیران سید عبدالرزاق بن سیدنا عبدالقادر  
جیلانی، شہادت اور کلر کبار میں مزار

ص ۲۸۹

ہند بن ابی ہالہ دام المومنین خدیجہ طاہرہ  
کے پہلے خاوند سے بیٹے اور جنگِ جمل میں

شہادت :- ص ۶۳

ہند بن عمرو جناب علیؓ کے امراء میں

سے :- ص ۵۱

ہند بن مالک جناب علیؓ کے امراء میں

سے :- ص ۵۱

ہنگری (ملک) :- ص ۱۶۳، ۲

ہندوکش (کوہ) :- ص ۱۶۱

(۷)

یارقند (چینی ترکستان کا مقام) :- ص ۲

یحییٰ بن حکم (مروان کا بھائی) جنگِ جمل میں

شرکت :- ص ۶۳

یحییٰ بن علی المرتضیٰ :- ص ۱۵۰، ۱۷۲

یرموک (مقام) وادی اور جنگ :- ص ۲۲۸

بھی اسی مقام پر تھے۔ ص ۱۸۱

(۹)

وادی سینا (علاقہ) :- ص ۱۳۲

وزیرستان (علاقہ) :- ص ۱۶۱، ۱۶۲

۲۴۸

ولید بن عبدالملک (اموی خلیفہ) :- ص ۶۵

ولید بن عتبہ بن ابوسفیان :- ص ۱۵۲، ۱۷۱

ولید بن عثمان غنی :- ص ۴۳، ۶۲

ولید بن عقبہ (حضرت عثمانؓ کی طرف سے

کو فہ کا گورنر) :- ص ۸۱، ۸۲، ۸۹، ۳۰۰

وی آنا (آسٹریا) شہر :- ص ۲

ویکارت (مغربی مفکر) :- ص ۲۳۰

(۱۰)

ہاشم بن عبدمناف (حصور پاک کے پردادا

اور خاندان) :- ص ۲۳، ۲۶، ۷۰، ۱۲۹

ہاشم بن عتبہ (جناب سعدؓ کے بھتیجے اور

جناب علیؓ کے لشکری) :- ص ۸۸، ۹۱

ہارون (حضرت ہارون پیغمبر) :- ص ۲۲

ہامان (فرعون کا مشیر) :- ص ۲۰۰

ہشام بن عبدالملک (اموی خلیفہ) :-

ص ۱۳۸

ہرقل (قیصر روم) :- ص ۲۶۳، ۲۶۹

۲۷۹

یزید بن معاویہ رضی (ساختہ کر بلا کا ذمہ دار) :-

ص ۱۰۱، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۶،

۱۵۵ تا ۱۵۷، ۱۶۸ تا ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۷۸ تا

۱۸۰، ۱۸۲ تا ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۸۹ تا ۱۹۵،

۲۳۲

یعلیٰ بن مہذبہ (حضرت عثمان رضی کی طرف سے

یمن کے عامل) :- ص ۳۳، ۳۱

یمامہ (جنگ) :- ص ۱۶۵، ۲۶۵

یمن (علاقہ) :- ص ۳۳، ۳۱، ۱۲۳، ۱۲۸

یورپ (براعظم) :- ص ۲، ۱۵۳، ۱۵۷

۱۱۶۲، ۲۲۰، ۲۳۸، ۲۷۰

یوکرین (روسی علاقہ) :- ص ۱۶۳

یوگوسلاویہ (ملک) :- ص ۲

یونان (ملک) :- ص ۲، ۲۰۱، ۲۲۰

۲۵۰، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۷۹

یزدجرد (ایران کا آخری بادشاہ) :- ص

۱۷۳، ۲۷۱

یزید بن الحارث (یزیدی لشکر میں شامل

ص ۷۱، ۱۸۹

یزید بن الزیاد کندی (ابوشعثا) ساختہ کر بلا

میں شہادت :- ص

یزید بن اسعد (امیر معاویہ رضی کا لشکر) :-

ص ۸۱

یزید بن عیسیٰ (معاہدہ پر دستخط) :- ص ۱۰۳

یزید بن فحجیہ ممتی (معاہدہ پر دستخط) :-

ص ۱۰۳

یزید بن قیس (جناب علی رضی کے ساتھی) :-

ص ۵۱

یزید بن قیس (جناب طلحہ رضی و زبیر کے ساتھی)

ص ۶۱

(نوٹ) صفحات نمبر ۱۱۰، ۱۲۶، ۲۱۸، ۲۳۳ جو خالی تھے کتاب میں شامل نہیں کئے

گئے۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔

☆☆☆

تمت بالخیر

از حضور پاکؐ کا سپاہی

